زن زر زمین

زن زر زمین

واجدہ تبسّم

سٹیزن پبلشرز

شیش محل۔ بلاسس اسٹریٹ ۔ کراچی نمبر

فون: ۲۱۲۳۰۲

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No: 040111
★ MAILSI ★

کتاب خانہ سردار جھنڈیر
میلسی (پاکستان)
نمبر شمار : ....
کتاب نمبر : ....

891.433
و 141 ز

زن، زیور، زمین

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

ناشر: محمد مقیم

سٹیزن پبلشرز
شیش محل، بلاس اسٹریٹ
کراچی نمبر 1
ٹیلیفون: 212302

طابع: سٹیزن گرافکس
ٹیلیفون: 215345

105

قیمت: 150 روپے

تعارف

یہ بھارت کی، اردو زبان کی مقبول ترین ادیبہ، افسانہ نگار اور ناول نویس واجدہ تبسم کا تازہ ترین ناول ہے۔ جس کی اولین اشاعت کا اعزاز ہمیں حاصل ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان میں ایک نیا اشاعتی ادارہ "سٹیزن پبلشرز" بھی جنم لے رہا ہے جو کتابی دنیا میں اپنے حصے کا کردار انشاءاللہ خوش اسلوبی سے سرانجام دے گا۔

تیس برس پہلے جب واجدہ تبسم کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "شہرِ ممنوع" چھپا تھا تو بڑے بڑے نقادوں نے ان کو ادب کے زنانہ ڈبے میں بٹھا دیا تھا۔ حتیٰ کہ اس زمانے کے مشہور نقاد مظفر علی سید نے بھی ان کو زنانہ ڈبے میں بٹھانے کی حمایت میں یہ تک کہہ دیا تھا کہ "قصہ گوئی درحقیقت ایک زنانہ فن ہے" یعنی جس طرح بعض نقادوں نے غزل کی تعریف یہ مقرر کر رکھی ہے کہ "عورتوں سے باتیں کرنا"، اسی طرح افسانہ نگاری اور ناول نویسی جیسے انسانی فنِ لطیف کو بھی یار لوگوں نے مردانہ یا زنانہ خانوں میں بانٹنے کی کوشش کی۔

قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، جیلانی بانو جیسی بڑی لکھنے والیوں اور بیدی، منٹو، کرشن چندر، احمد ندیم قاسمی جیسے بڑے لکھنے والوں کے فن کو تو خالص ادب میں شمار کیا جائے اور واجدہ تبسم کو ان لکھنے والیوں کی صف میں شامل کر دیا جائے جو رومان، شادی، نکاح، طلاق جیسے خالص نسوانی موضوعات پر آہوں اور سسکیوں سے بھری ہوئی جذباتی گھریلو تحریریں لکھتی ہیں۔ یہ واجدہ تبسم کے ساتھ بے انصافی ہے۔ دراصل ان کے پہلے مجموعے "شہرِ ممنوع" میں شامل تقریباً تمام افسانوں میں نانی اماں، دادی اماں، پھوپھا، پھوپھی، خالو، ماموں، ممانیاں اور دوسرے گھریلو رشتوں اور امورِ خانہ داری کی خوشبو آ رہی تھی۔ ان میں زندگی کی تمازت تھی اور محسوسات کی وہ بلند سطح جو تحریر کو ادب کا مقام عطا کرتی ہے۔ اس لیے مظفر علی سید نے اپنے مضمون میں (جو واجدہ پر لکھی گئی اولین تنقید شمار ہوتی ہے) لکھا تھا:

"واجدہ نے اپنی کہانیاں گھر کے ایک تنگ و تاریک کونے میں بیٹھ کر لکھی ہیں اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ سب سے چھپ کر لکھنا چاہتی تھی۔ گھر کے لوگوں کو اس کا کہانیاں لکھنا پسند نہ تھا اور ایسی کہانیاں تو بالکل نہیں جیسی وہ لکھتی اور لکھنا چاہتی تھی۔ ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ واجدہ اپنی کہانیوں میں گھروں کے تنگ و تاریک کونے ہی تو دکھاتی ہے۔ پھر ان کے لکھنے کے لیے تنگ و تاریک کونے سے بہتر جگہ اور کیا ہوگی۔ فرانس کی ایک خاتون کھڑکی سے میز لگا کر بیٹھتی تھی اور لکھتے ہوئے اپنے پاؤں پانی کے ٹب میں ڈبوئے رکھتی تھی۔ ایک تو وہ فرانس کی رہنے والی تھی۔ ہندو پاکستان کی پردہ دار خاتون نہ تھی، دوسرے اس کا موضوعِ سخن بھی اس کے اندازِ نشست کے عین مطابق تھا۔

بہرحال واجدہ تبسم کے لکھنے کی جگہ دیکھ کر جیلانی بانو نے مشورہ دیا کہ اس کونے سے نکل کر آسمان تلے آجاؤ۔ سورج کا اجالا بھی تمہاری کہانیوں میں آجائے تو کیا کہنے۔" اور یہ مشورہ سن کر واجدہ پھٹ پڑی: "بانو کے علاوہ اور بھی بہتوں نے مجھ سے یہ بات کی ہے۔ میں صرف گھریلو کہانیاں لکھتی ہوں۔ میری کہانیوں میں کوئی خارجی مسئلہ نہیں ہوتا۔" اور اس کے بعد وہ بڑ انکسار سے کہتی ہے: "امن، جنگ اور ہڑتال جیسے موضوعات پر لکھنے کے لیے گہری واقفیت کی ضرورت ہے، وہ حاصل نہیں۔ اگر ہم گھر میں بیٹھ چولہا ہانڈی کرنے والی عورتیں جنہوں نے بازار کی شکل تک نہیں دیکھی، ایسی کہانیاں لکھنے لگیں جن میں امن کا ذکر ہو، کسی جنگ کی تفصیل ہو یا کمیونزم یا کسی اور ازم کا پروپیگنڈا ہو تو کس قدر غلط بات ہوگی۔ میں کسی کو محدود نہیں کرنا چاہتی۔ صرف اپنے متعلق کہہ رہی ہوں کہ میں ایسے کردار کبھی نہیں چنوں گی جن کے بارے میں مجھے کچھ بھی علم نہ ہو۔

تو گویا واجدہ تبسم کے پاس ان بہتوں کی بات کا جواب یہ ہے کہ صاحب میں نے تو اب تک گھر کی چار دیواری میں زندگی گزار دی ہے اور گھریلو زندگی ہی کو دیکھا ہے۔ جب بھی کھلی ہوا میں جینے کا موقع ملے گا آپ کی فرمائش پوری کردوں گی۔ دنیا کو قریب سے دیکھنے اور گھومنے پھرنے کی تمنا سب کے دل میں ہوتی ہے مگر اس خواہش کی تکمیل کا تخلیقِ ادب سے کوئی تعلق نہیں اور غالباً معترض حضرات کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ واجدہ تبسم برما، انڈونیشیا، مصر اور پولینڈ کے بارے میں کہانیاں لکھا کرے یا کراچی کے غنڈوں کو موضوعِ سخن بنائے۔

واجدہ تبسم صرف ان موضوعات پر کہانیاں لکھنا چاہتی ہے جن کو اس نے اچھی طرح دیکھا بھالا اور جانا پرکھا ہے۔ اس کے بغیر بڑے موضوعات پر قلم اٹھانا اس کے نزدیک بے ایمانی ہے اور بے ایمانی بہت سے مردوں نے بھی کر رکھی ہے اور سورج کا اجالا دکھانے والوں نے بھی۔

واجدہ کا انکسار اسے یہ بات کہنے نہیں دیتا اور وہ اپنی مجبوریوں کا اعتراف کر کے بات ختم کر دیتی ہے۔ اگر یہ بات بالکل ٹھیک ہوتی تو کم سے کم میں اسے تخلیقی فن کار ماننے سے انکار کر دیتا اور یہ بات ٹھیک اس لیے نہیں کہ واجدہ نے جو تنگ و تاریک کونے منور کیے ہیں، ان میں عالمگیر زندگی کی جھلکیاں بھی آ گئی ہیں جو کہ اکثر اوقات امن و جنگ اور ہڑتال والی کہانیوں میں سرے سے غائب ہوتی ہیں۔

سرسری نظر سے دیکھا جائے تو واجدہ کے کردار وہ لڑکیاں ہیں جن کی شادی نہیں ہو چکتی مگر ان لڑکیوں کو اس کا موضوع سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ لڑکیاں جن خاندانوں میں دوشیزہ بیواؤں کی زندگی بسر کرتی ہیں، ان کی اپنی اقدار اور اپنا طرزِ فکر ہے۔ واجدہ کی کہانیاں اس فکری، اخلاقی بنیاد پر کاری ضرب لگاتی ہیں اور ضرب لگاتے لگاتے خود واجدہ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اس لیے کہ اس بنیاد پر کبھی عالیشان محلات کھڑے تھے جن کی دیواریں گرتی جاتی ہیں اور ان دیواروں کے ساتھ ایک پوری تہذیب ایک پوری تاریخ زمین میں دفن ہوئی جاتی ہے۔ واجدہ ان گرتی دیواروں، اس مرتی ہوئی تہذیب کی کہانی کہتے ہوئے یک رخے پن سے گریز کرتی ہے۔ نہ تو محض نوحہ خوانی سے کام لیتی ہے، نہ اس موت پر شادیانے بجاتی ہے۔ اس کی کہانیوں میں اشک و تبسم کچھ اس طرح باہم پیوست ہیں کہ ایک دوسرے سے الگ نہیں کیے جا سکتے۔ یہی انسانی ہمدردی اور فہم کا تقاضا ہے اور اسی دورخے پن کا نام فن ہے۔

یہ سارا قصہ اس وقت کا ہے جب تیس برس پہلے "شہرِ ممنوع" چھپا تھا۔ واجدہ تبسم کی تحریر میں ایسی تیزی، شوخی، فعالیت اور حرکت تھی کہ نقادوں کا جی چاہا کہ وہ خارجی مسائل پر بھی لکھا کرے اور اس لیے اسے "گھریلو" ہونے کا طعنہ سہنا پڑا لیکن جوں جوں کھلی ہوا میں جینے کا موقع ملا، اشفاق احمد صاحب سے شادی ہوئی جس نے ان کے تخلیقِ ادب کے جذبے کو سنوارنے میں غیر معمولی کردار سے کام لیا۔ حیدرآباد چھوڑ کر بمبئی چلی آئیں جو منٹو، بیدی، قرۃ العین حیدر اور کرشن چندر کا شہر تھا۔ زیادہ وسیع اور زیادہ وسیع النظر۔ ہالی وڈ سے بھی زیادہ رنگین شہر۔ پھر بمبئی سے نکل کر انگلستان، کینیڈا اور امریکا جانے اور وہاں کی معاشرت کو قریب سے دیکھنے کا بھی موقع ملا۔

وقت کے ساتھ ساتھ قلب و نظر میں کشادگی پیدا ہونے کے سبب فن میں بھی کشادگی آئی لیکن خارجی مسائل پر بھی نہ آئے۔ نہ ہڑتالیں ہوئیں، نہ نہیں جلسے برپا ہوئے، نہ جلوس نکلے، نہ سرمایہ دار کا گھیراؤ ہوا، نہ مزدوروں نے کارخانے کو تالا لگایا۔ حقیقت یہ ہے کہ واجدہ اپنی فطرت میں باطن پرست ہیں۔ اگر ابتدائی فنی زندگی میں اپنے بعض معترضین کی آرا سے گھبرا کر

انہوں نے یہ لکھ دیا تھا کہ "میں تو صرف گھریلو کہانیاں لکھتی ہوں" تو کم از کم اب اپنی رائے میں ترمیم کر کے انھیں پورا سچ بول دینا چاہیے: "میں صرف باطنی زندگی کی کہانیاں لکھتی ہوں۔"

ان کے ادب میں پس منظر وہی ہوتا ہے جہاں وہ زندگی گزارتی ہیں۔ کردار وہی ہوتے ہیں جو جانے پہچانے اور دیکھے بھالے ہوتے ہیں۔ ماحول حیدرآباد کا ہو یا بمبئی کا یا کینیڈا اور امریکا کا۔ وہ بڑے فن کاروں کی طرح بڑی نفاست سے انسان کے نقش میں اترنے کا سلیقہ جانتی ہیں۔ انہوں نے اپنے فن کے ارتقاء میں دھیرے دھیرے مگر واضح طور پر خوش تدبیری اور خوش اسلوبی کا قرینہ جمایا ہے۔

واجدہ کا شمار ہمارے ان چند گنے چنے تخلیقی فنکاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے فکشن میں افسانہ نگاری جیسی نازک شیشہ گری کے پہلو بہ پہلو ناول نگاری کی وسعت کاری سے بھی نبھاؤ کیا ہے۔ وہ بڑی سخت جان، فن کی وفادار، قلم کی دوست اور وعدے کی پکی نکلیں۔ تیس سال سے مسلسل لکھ رہی ہیں جبکہ ان کے اور بہت سے ہمراہی تھک ہار کر قلم رکھ کر میدان چھوڑ چکے ہیں۔ انہوں نے آغاز افسانہ نگاری سے کیا تھا۔ ایسے ایسے غضب کے افسانے لکھے کہ ایک ایک افسانے نے دھوم مچائی۔ ان کے افسانوں کے کئی مجموعے (اترن، نتھ اترائی، نتھ کا غرور، نتھ کا بوجھ) وغیرہ چھپ کر مقبولیت عام حاصل کر چکے ہیں۔ مختصر افسانوں کے علاوہ انہوں نے ناول بھی لکھے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مختصر افسانے لکھنے والا ناول لکھنے کا وزن نہیں اٹھا سکتا۔ چیخوف، موپاساں، منٹو اور بیدی کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں لیکن اسے قاعدہ کلیہ نہیں بنایا جا سکتا۔ مثالیں ایسے ادیبوں کی بھی ہیں جنہوں نے افسانہ بھی عظیم لکھا اور ناول بھی جیسے ٹالسٹائی، ہمنگوے، عزیز احمد، قرۃ العین حیدر اور خدیجہ مستور۔

واجدہ تبسم کے اب تک کئی ناول چھپ چکے ہیں، مثلاً: کیسے کاٹوں رین اندھیری، ساتواں پھیرا، قصاص وغیرہ۔ یہ ناول "زن، زیور، زمین" ان کا تازہ ناول ہے جو ان کے سابقہ ناولوں سے خاصا مختلف، قدرے منفرد اور زیادہ سنجیدہ ہے۔ اس ناول میں وہ اپنے خصوصی موضوعات (حیدرآباد کی گھٹن، نوابی ماحول اور طوائفیت) سے ہٹ کر اپنے فن میں ایک نئی سمت پیدا کرتی نظر آتی ہیں۔

سید قاسم محمود

دلہن بے پناہ حسین تھی۔

اس وقت اس کے جسم پر نہ کوئی زر زیور تھا نہ گہنے پاتے۔ لپ چھپ کپڑوں اور سجاوٹ اور سنگھار کے نام پہ صرف اس کا اپنا حسن تھا، جو موجود لوگوں کی نگاہوں میں چکا چوند پیدا کر رہا ہوتا اگر وہ گھونگھٹ میں نہ چھپی ہوتی۔

جھکے ہوئے چہرے کو کسی نے اس کے جسم کی سادی ساڑی کے ہی لمبے پلّو سے چھپا دیا تھا۔

دلہن کے سر پہ گھونگھٹ ہونا تو ضروری ہے نا؟ بھلے زر تار اور لپ چھپ نہ بھی ہو!

دولہا میاں بڑی خوش دلی سے، بیٹھے بیٹھے مسکرائے جا رہے تھے۔ انہوں نے دولہن کو ایک نظر بھی دیکھنے کی قطعاً ضرورت ہی نہیں سمجھی۔

"بھئی اس ڈرامے کا ڈائریکٹر کون ہے؟"

دولہا میاں نے ہنس کر پوچھا۔

پیچھے سے کسی نے ان کی پیٹھ پر ایک دھپ مارا۔

"ابے سالے اگر زیادہ ہیرو بننے کی کوشش کی نا تو بھیجا ایک ہی گولی میں آؤٹ ہو جائے گا۔" اور اس آواز کے ساتھ ہی بازو پستول تھامے جو غنڈہ جیسا آدمی

کھڑا تھا، سامنے نکل آیا۔

دولہا میاں نے اب مسکرانے کی بجائے کچھ سوچنا شروع کر دیا۔

آج صبح ہی کی تو بات تھی۔ وہ اور ان کے سارے دوست ڈرامے کی ریہرسل کر رہے تھے۔ سین کچھ یوں تھا کہ ڈرامے کا ہیرو یعنی وہ خود ایک مالن کے پاس پہونچتے ہیں۔ پھولوں اور مالاؤں کو آس پاس بکھرائے مالن یعنی ہیروئن ہنس کر پوچھتی ہے۔

کھلے پھول چاہئیں یا گوندھی ہوئیں مالائیں صاحب جی۔"؟

ہیرو ہنس کر جواب دیتا ہے۔

"پھول بھی نہیں۔ مالائیں بھی نہیں۔ ہمیں تو کلی چاہیئے بس۔"

"کلی۔؟ کھالی ایک کلی۔"؟

"جی۔ کھالی ایک کلی۔"؟

"ایک کلی کا کیا کرو گے صاحب جی"

"جی۔ اپنے دل میں سجائیں گے۔"

ہیروئن ایک بڑے سے پتے میں بہت سارے پھولوں کے ساتھ ایک کلی بھی پیش کر دیتی ہے۔

"کتنے پیسے ہوئے"؟

"جانتی نہیں صاحب جی۔ بس دو ہی روپے۔"

ہیرو عاشقانہ مسکراہٹ کے ساتھ جیب سے پیسے نکال کر ہیروئن کی ہتھیلی پر رکھ کر کہتا ہے۔

" پھول تو بیچتی ہو لیکن بدلے میں دل خرید لیتی ہو۔ آئیں۔"؟ اور جیب میں ہاتھ ڈالے مسکراتے ہوئے جیسے ہی ہیرو پیسے دے کر پلٹتا ہے۔ اچانک دو آدمی اسے دبوچ لیتے ہیں۔ ہیرو حیران ہو کر سوچتا ہے۔" ارے PLAY میں تو یہ سین تھا

ہی نہیں۔" لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ اور سوچے سین بدل جاتا ہے۔ سر پر وہ زور دار گھونسہ پڑتا ہے کہ ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں۔

اور اب۔ ؟؟

سامنے قاضی صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ نیلی نیلی ساڑی میں ایک لڑکی جھکی جھکی بیٹھی ہے۔ چہرہ تو نظر نہیں آ رہا۔ میں دیکھوں بھی کیوں ؟ میری کون لگتی ہے وہ۔ ؟ ہاں گوری گوری ضرور ہو گی کیونکہ ہاتھ جو ساڑی کے باہر ہیں چاندی کی طرح چمک رہے ہیں۔ اور پھر یہ تین چار غنڈہ صورت، غنڈہ صفت لڑکے پستول اپنے ہاتھوں میں تھامے جو کھڑے ہیں، لگتا ہے کوئی غلط سا چکر ہے۔

"دلہن کا نام بتایئے جناب۔"

قاضی صاحب نے سامنے کھڑے شریف صورت لڑکے سے پوچھا "اصلی اور پورا نام۔"

"پروین رعنا" لڑکے نے ذرا بوکھلائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

جھکے ہوئے سر اور جسم میں کچھ حرکت سی ہوئی دلہن نے پریشان ہو کر سوچا "لیکن میرا اصلی نام تو مہتاب جنگ ہے۔ ! یہ سب کیا ہو رہا ہے خدایا۔"

لیکن وہ کسی سے کچھ بھی نہیں پوچھ سکتی تھی۔ اور اگر پوچھتی بھی تو کوئی کچھ بتاتا۔ ؟؟

قاضی صاحب پھر پوچھ رہے تھے۔

"دولہا میاں کا پورا نام بھی بتایئے جناب۔"

کسی کے سوال کرنے سے پہلے ہی دولہا میاں نے خود ہی اپنا اصلی نام مع پیشے کے بتا دیا۔ "عمران کاشف احمد۔ فرسٹ کلاس سول انجینئر۔ اور جی ہاں بندے کو گولڈ میڈل بھی ملا تھا۔"

قاضی صاحب نے مقدس آیتوں کا ورد شروع کر دیا۔ حاضرین سر جھکائے خاموشی

سے سنتے رہے۔ پھر وہ شریف صورت لڑکے سے مخاطب ہوئے۔

"آپ میں سے ایک وکیل۔ اور ایک گواہ بن کر ذرا پرلی طرف جاکر دولہن سے ایجاب قبول کروا آئیں"۔

حاضرین نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ایک نسبتاً موٹا آدمی اسی شریف صورت لڑکے کو مخاطب کر کے بولا۔

"یار اعجاز منہ کیا دیکھ رہا ہے۔ چلنا"۔ دونوں نے دولہن کے بعد قریب جا کر کچھ کھُس پھُس کی۔ پھر اعجاز گھونگھٹ میں منہ ڈال کو سرگوشی میں بولا۔ "منظوری ہلّو سے دے دیو انکار کی گنجائش ہی نہیں ہے"۔ پھر زور سے بولا۔

"پروین رعنا۔ تمہارا نکاح، عمران کاشف سے۔ بعوض ایک لاکھ سکۂ رائج الوقت .....

"عمران کاشف احمد اور ایک لاکھ مہر"؟ دولہا میاں بیچ میں چلّا کر بولے۔

"یار اِٹ از ٹو مچ ITS TOO MUCH ذرا آج کل کی مہنگائی کا زمانہ دیکھیں اور یہ بے تحاشہ مہر.....

"بکواس مت کرو۔ ایک غنڈہ چلّا کر بولا۔ ایک دم قاضی صاحب کی طرف دیکھ کر وہ ذرا نرم پڑ گیا"۔ میرا مطلب ہے عمران بیٹے۔ بزرگ جو کہتے ہیں ان پر عمل کرنا چاہیئے"۔؟

"بزرگ۔ کون بزرگ"۔ دولہا میاں چلّائے" ارے میں زندگی میں آج پہلی بار تو آپ لوگوں سے ملا ہوں ...... ان کی منہ کی بات منہ ہی میں رہ گئی۔ پیچھے سے کسی نے پستول کی نال ان کی پیٹھ میں چبھوئی۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ مابدولت ایک لاکھ مہر پر بھی راضی ہیں"۔

"ہاں تو پروین رعنا۔ تمہارا نکاح جناب عمران کاشف۔ سے بعوض ایک لاکھ سکۂ رائج الوقت، نصف موجّل اور نصف معجّل طے پایا ہے۔ تمہیں منظور ہے ؟

دلہن یونہی جھکی بیٹھی رہی۔

"کہو بی بی تمہیں منظور ہے"؟

دلہن پھر بھی کچھ نہ بولی۔

اجاڑ "اب ایسی بھی کیا شرم بی بی" اعجاز تقریباً گھونگھٹ میں گھس گیا۔ غصہ سے پھن پھنا کر سرگوشی میں بولا۔ "تمہے یاد رکھنا جو انکار کرے تو"

گھبرا کے دلہن نے سر ہلا دیا۔

مبارک ہو۔

مبارک ہو۔

مبارک ہو۔

اب قاضی صاحب نے رجسٹر سنبھالا اور دولہا میاں سے مخاطب ہوئے۔ لیکن دولہا میاں پر نظر پڑتے ہی وہ غصہ ہو گئے۔

"ایں۔ ؟ صاحبزادے یہ کیا حماقت ہے ؟ آپ عقد خوانی کے بیچ میں سگریٹ پی رہے ہیں"

عمران سنجیدگی سے بولا۔ "جی نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ سگریٹ نہیں سگار ہے! سگریٹ تو بہت ہی نازک اور حقیر سی شے ہوتی ہے اور یہ سگار آپ نہیں دیکھ رہے ؟ جی یہ کافی بھاری بھرکم ہوتا ہے اور ہم جیسے خاندانی رئیس لوگوں کو یہی سوٹ کرتا ہے" اس نے اطمینان سے کش لگایا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے میاں صاحبزادے" قاضی صاحب کا پارہ اونچا چڑھنے لگا۔ پھر وہ آس پاس کھڑے ہوئے چند حاضرین سے مخاطب ہوئے۔

"پہلی بات تو یہ شادی ہی ہمیں کچھ گڑبڑ نظر آ رہی ہے۔ خواتین کی عدم موجودگی سخت حیرت انگیز ہے۔ تس پہ یہاں کی فضا ہمیں خاصی پراسرار نظر آ رہی ہے۔

ایسی عقد خوانی سخت مشکوک ہے جہاں تلواروں کے سائے تنے ہوئے ہوں"۔

"تلواریں نہیں پستول۔" عمران تصیح کرتے ہوئے بولا۔ جنابِ عالی آپ کو تلوار اور پستول میں فرق محسوس کرنا چاہیئے"۔

اعجاز آگے بڑھ کر ترش روئی سے عمران سے مخاطب ہوا۔

"جناب انجینئر صاحب۔ فضول کے باتاں چھوڑ وہور چپن سے عقد خوانی پڑھوالیو۔ نئیں تو خواہ مخواہ میں آپ اِچ نقصان اُٹھائیں گے۔ بول دیا، ہیں"۔ اور وہ قاضی صاحب سے مخاطب ہو گیا۔

"بسم اللہ کریئے جناب آپ۔ انون کا تو دماغ خراب ہے بول کے"۔

"ارے صاحب دماغ ہی تو خراب نہیں ہے۔ اسی لئے تو سب کچھ سمجھ میں آرہا ہے"۔ عمران سراسر مزاح کے موڈ میں تھا۔

اعجاز نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ "ایک تگڑا ہاتھ دیو بھلا رکھ کو"۔ ایک موٹا سا آدمی آگے بڑھا اور بدتمیزی سے بولا۔

"سیدھی طرح مانتا ہے یا دوں ایک لات رکھ کے"!

"مطلب شادی کرنی ہی پڑے گی"! عمران مسمی شکل بنا کر بولا۔

"وہ تو تمہارے باپ کو بھی کرنی پڑے گی"۔ وہی آدمی تیزی سے بولا۔

"ارے باپ! باپ ہوتے تو پھر تو میرے ٹھاٹھ ہو جاتے۔ مزے سے یہ زبردستی کی دولہن ان کے سر تھوپ کر میں رفو چکر ہو جاتا"۔

قاضی صاحب جھلّا کر بولے۔ "ہم جائیں یا یونہی لن ترانیاں سنتے رہیں"۔

تین چار غنڈے آگے بڑھے تو عمران ڈر کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ شروع کیجئے اپنی کارروائی۔۔۔

"جناب عمران کاشف صاحب۔ آپ کے نکاح میں بی بی پروین رعنا کو بعوض

ایک لاکھ سکۂ رائج الوقت، نصف موجل اور نصف معجل، باندھا جاتا ہے۔ کیا آپ انہیں اور اس مہر کو قبول فرماتے ہیں۔؟

"پہلے تو مجھے یہ بتائیے کہ یہ موجل کیا ہوتا ہے اور معجل کیا ہوتا ہے۔ بغیر تفصیل جانے میں کیسے قبول فرمالوں"۔؟ عمران سنجیدگی کے پردے میں مزاحاً بولا۔

"میاں صاحبزادے موجل کا مطلب ہے دیری ادائیگی۔ اور معجل کا مطلب ہے جس وقت بھی اور جب بھی آپ کی منکوحہ اس ادائیگی کا مطالبہ کریں آپ کو فوراً ہی اتنی رقم دینی ہوگی"۔

"ارے باپ رے مرگیا۔ مطلب یہ کہ ایک لاکھ میں سے پچاس ہزار۔ جس لمحہ بھی یہ محترمہ ارشاد کریں میں کھٹ سے نکال کر دے دوں۔"؟

"جی ہاں"۔ قاضی صاحب سنجیدگی سے بولے۔

"اور اگر فرض کیجئے اس وقت میں بقول بمبئی والوں کے "کڑکا"۔ میرا مطلب ہے قلاشس ہوا تو میں تو گیا نا بارہ کے بھاؤ میں۔"؟؟ وہ سر ہلا کر اٹل لہجے میں بولا۔

"نو۔ قاضی صاحب اس میں کچھ ترمیم کچھ ردّوبدل کریں تبھی یہ گاڑی آگے بڑھے گی۔"!

قاضی صاحب نے ناگواری سے حاضرین کو دیکھا۔ اعجاز نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا پیچھے سے کسی نے پستول کی نوک عمران کی پیٹھ میں ذرا زیادہ مستعدی سے چبھوئی عمران ہڑبڑا کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے قاضی صاحب۔ جیسے آپ کی مرضی۔ میں تو بس ذرا یونہی مذاق کر رہا تھا"۔ اور وہ ہیں ہیں کرکے ہنسنے لگا۔

"میاں صاحبزادے"۔ قاضی صاحب حد درجہ ناگواری سے بولے۔ "شادی بیاہ کے معاملے مذاق نہیں ہوتے۔ یہ زندگی بھر کا سودا ہوتا ہے۔ سمجھے آپ"۔

جھکی ہوئی دلہن ان الفاظ کو سنتے ہی پوری کی پوری لرز گئی۔ اس کی ہمت بھر بھی نہ ہوئی کہ ذرا سا سر اٹھا کر، آنکھوں کے گوشوں ہی سے اس شخص کو دیکھ لے جسے اس کی زندگی بھر کا ساتھی بنایا جا رہا ہے!

یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں اس نے خوابوں کو ڈوبتے ابھرتے دور سے کہیں سنا۔ دولہا کہہ رہا تھا۔

"میں نے قبول کیا"!

"میں نے قبول کیا۔"!

"میں نے قبول کیا۔"!

اس نے اپنے آپ کو مخاطب کیا۔

"آنسہ مہتاب جنگ - !تم نے زندگی کے بارے میں کبھی اس رخ سے بھی سوچا تھا۔ ؟ آج تم ایک ایسے شخص کے حوالے کردی گئیں جس کا آج سے پہلے تم نے کبھی نام تک بھی نہیں سنا تھا۔ جس کی شکل تک بھی ابھی تک دیکھی نہیں ہے جس کے خاندان کا نام ونشان تک نہیں معلوم۔ جس کے بارے میں تمہیں یہ تک پتہ نہیں کہ یہ ہے کون۔ اپنے منہ سے کہہ دیا کہ انجینئر ہے۔ گولڈ میڈلسٹ ہے۔ خاندانی رئیس ہے۔ لیکن کیا یہ سچ بھی ہوگا؟ اور اگر سچ ہوگا بھی تو یہ کیا گارنٹی ہے کہ یہ شخص تمہیں دلہن کے اور بیوی کے روپ میں قبول بھی کرے اور زندگی بھر ساتھ بھی نباہے۔"؟ اسے گرا گر' چکر" پہ چکر آنے لگے۔

"یہ بھنور۔ زندگی کے سمندر کا جان لیوا بھنور تمہیں ڈبو نہ دے۔ اپنے آپ کو سنبھالو مس مہتاب جنگ۔ ہاتھ پاؤں مارنا سیکھو زندگی یوں ڈوبنے کا نام نہیں۔ تیرنے کی کوشش کرو۔" لیکن اس کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ دور سے اسے آوازیں آرہی تھیں۔

"قاضی صاحب کا نذرانہ دے دیا نا۔"؟

"ہاں دے دیا۔"

"اور سب کچھ ٹھیک ہے نا۔"

"اور سب تھا ہی کیا۔"؟

"اعجاز سیٹھ اب ہم جانا۔"؟

"ہو۔ اب آپ لوگاں جا سکتے۔ بہت بہت شکریہ بھائی۔"

"کبھی کام پڑا تو یاد کرنا اپن کو۔"

"ضرور ضرور۔ آپ لوگاں کو اچ تکلیف دیوں گا۔ مگر اب ایسا دکھتا کی تکلیف دینے کی نوبت نئیں آئیں گی۔ جاؤ۔ خدا حافظ"؟ یہ اعجاز کی آواز ہے نا۔؟ اس کے اپنے حقیقی ماموں زاد بھائی کی۔؟؟ اعجاز بھائی میری آپ سے کیا دشمنی تھی؟ میں تو سدا یہ سمجھتی تھی کہ آپ مجھے بہت چاہتے ہیں۔ حقیقی بھائیوں کی طرح۔ پھر آپ نے یہ کیا کیا۔ مجھے گھر سے شہر سے دور ایک ویرانے میں لا کے ایک غیر اور اجنبی کے ہاتھوں میں اس طرح سونپ دیا کہ میں خود کا شمار نہ زندوں میں کر سکتی ہوں نہ مُردوں میں۔ کیا بہنوں کو بیاہنے کا یہی طریقہ ہوتا ہے اعجاز بھائی۔؟

سب کچھ جیسے خواب میں ہو رہا تھا۔ اُسے اعجاز کی آواز سنائی دی۔ دنیا کے پرلی کونے سے۔ اتنی دور سے کہ اسے اپنے پورے وجود کو کان بنا دینا پڑا۔

"عمران صاحب۔ آپ کو ایسا لگتا تو ہوئیں گا کی آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی بول کے مگر اِتّا سچّی بولتاؤں کی آپ کو میری بہن کے ویسی دولہن اس ممبئی میں تو کیا پورے دنیا میں کہیں بھی نئیں مل سکتی تھی۔ پڑھی لکھی بھی ہے ہور دیکھنے دکھانے میں لوگاں بولتے پری کے ویسی ہے۔ بس سارا جھگڑا غریبی کا تھا۔ ہور آج کے زمانے میں اس ہندوستان میں کوئی بھی مذہب کی لڑکی ہونے دیو۔ کتّی بھی خوبصورت

ہور کتی بھی تعلیم یافتہ ہونے دیو۔ جب تک جہیز میں سونے چاندی کے ڈھیر نئیں
ملتے کوئی بھی نئیں پوچھتا۔ میں آپ کو اپنے پریشانیاں کیا بتاؤں۔ بس آپ کو
اِتّا بتاتاؤں کی میں نے اخباروں میں ایک خبر پڑھا۔ پھر ہور بھی پڑھا۔ پھر بار
بار پڑھا۔ ایک دو نئیں تین چار لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہوا کی اُنوں کے بھایاں، یا
باپ کوئی بھی اچھے لڑکے کو نظر میں رکھے۔ رکھے۔ پھر موخہ نکال کو لڑکے کو زبردستی
اپنے کرائے کے غنڈوں کی مدد سے اٹھا کر ویرانے میں لے گئے۔ زبردستی
سات پھیرے لگوا دیئے۔ یا زبردستی نکاح خوانی پڑھوا دیئے۔ پھر اللہ حوالے
کر کو بوجھ سے چھٹکارا پالیئے۔ میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں میں یہ خبراں اپنے
آنکھاں سے اخباروں میں پڑھا۔ سوچ سوچ کو میں بھی ایک پلان بنالیا۔ آپ
کو میں بار بار دیکھا۔ اپنے دوستوں کے ساتھ آپ کو ڈرامے کرتے وے بہوت
بار دیکھا۔ وہاں کے لوگاں سے دوستی بڑھا کر آپ کے بارے میں بہوت ساری
معلومات اکٹھا کیا۔ پتہ چلا کی آپ اچھّے گھرانے کے ہیں۔ شریف ہیں۔ انجنیئر ہیں
آپ کے پاس گھر دار گاڑی بنگلہ سوب کچھ ہے۔ میں سوچا میری بہن آپ کے
ساتھ خوش رہیں گی۔ پہلے پہل آپ کو غصہ بھی آئے گا مگر اُنے اِتّی پیاری ہے
کی آپ گر کو اُنے چاہیں گے۔ میرے کو سچّے دل سے آپ معاف کر دیو ہور
اپنی دولن کے ساتھ ہنسی خوشی سدھارو۔ اللہ آپ دونو کو خوش رکھّے ہور
دین دنیا کی ہر نعمت ہور دولت آپ کو نصیب کرے۔ خدا حافظ"

موٹے موٹے آنسو دولہن کی آنکھوں سے گر رہے تھے اور ہلکی ہلکی سسکیوں
سے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔

اعجاز کے قدموں کی آواز دور جا چکی تھی۔ "باراتی" تو نکاح خوانی ہوتے
ہی جا چکے تھے۔ قاضی صاحب اپنا نذرانہ یا محنتانہ جو کچھ تھا سمیٹ کر روانہ ہو چکے

تھے۔ اعجاز کے قدموں کی آواز دور ہوتے ہوتے معدوم ہوگئی تو سسکی سی اُچھل کر اس کے حلق میں آاٹکا۔

"اب تو یہاں کسی کی بھی آواز سنائی نہیں دے رہی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس سناٹے میں اکیلا چھوڑکر "وہ" بھی چلا جائے۔ نگاہیں اٹھا کر دیکھنے کی اس میں ہمت تھی نہ طاقت۔ اک دم کسی نے اس کے گورے گورے ملائم ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

اب بھئی زبردستی سے کہیئے یا زیردستی سے۔ آپ ہماری دولہن بنا ہی دی گئی ہیں تو چلئے۔ گھر چلیں۔"

"گھر۔"؟ ایک خوبصورت اور رنگین خواب اس کی آنکھوں میں بکھر گیا۔ اس خواب کو تو اس کی آنکھوں نے دیکھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ لیکن آج یہ سب اچانک ۔؟ وہ کمزوری اور بے تحاشہ چکرّوں کے باوجود، لڑکھڑاتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ پہلے وہ جو کوئی بھی تھا۔ تھا اب وہ اس کا اپنا تھا۔ اس کا دولہا۔ اس کا شوہر۔ اس کا سب کچھ۔ ہاتھ پکڑ کر سہارا دیئے بعد، دولہن کو اٹھا کر کھڑا کرنے کے بعد، وہ ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ مہتاب نے چھوٹے بچوں کی طرح اس کے بائیں ہاتھ کی کلمے کی انگلی مضبوطی سے اپنے چھوٹے سے پنجے میں داب لی۔ "میں اس انگلی کا سہارا پکڑ کر پاؤں چلنا سیکھوں گی۔ میں اسے مضبوطی سے تھامے رہوں گی تاکہ دنیا کی بھیڑ میں۔ بمبئی کی اس چکاچوند میں یہ ہاتھ یہ سہارا مجھ سے چھوٹ نہ جائے۔

"ایک نظر آنکھ اٹھا کر اسے دیکھ نہ لوں۔ وہ کیسا ہے۔"؟ اس کا پورا جسم شرم سے تپ گیا۔ پتہ نہیں "وہ" کیا سوچے۔" ابھی نہیں اب تو ہم گھر جا ہی رہے ہیں۔"!!

وہ دھیرے دھیرے اس سنسان سی جگہ سے کافی دور نکل آئے۔ بمبئی

شہر کی جگمگاہٹ اب ان کے راستوں میں بچھنے لگی تھی۔

اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کون سے راستے ہیں۔ کون سی گلیاں۔ کون سے قریے۔ بمبئی اس کے لئے بالکل اجنبی شہر تھا۔ ابھی اسے آئے دن ہی کتنے ہوئے تھے۔ اگر ابھی ابھی یہ اس کی زندگی کا ساتھی غلطی سے اچانک اس سے بچھڑ جائے تو اسے تو یہ بھی پتہ نہیں چلے گا کہ وہ کون سی لوکلٹی میں کھڑی ہے۔ اس نے اور بھی مضبوطی سے اپنے دولہے کی انگلی دبوچ لی۔

"ارے ارے بھائی میں کوئی بھاگا نہیں جا رہا۔ جو یوں کس کس کے مجھے پکڑ رہی ہو۔" ساڑی کا گھونگھٹ ابھی تک اتنا ہی لمبا اس کے چہرے پر گرا پڑا تھا۔ وہ چلتے چلتے شرما کر کچھ اور جھک گئی۔

"ارے یار۔ ایسے بھتنی کی طرح نہ چلو۔ لوگ باگ سمجھیں گے، ابھی ابھی سیدھے چلے پھپھج آباد یو۔ پی سے چلے آ رہے ہیں۔"

اسے زور کی ہنسی آ گئی۔ اس کا جسم ہنسی روکنے میں ہولے سے کانپ گیا۔

"اب یوں انار کی نازک شاخ کی طرح ڈولتی رہیں گی تو مجھے اس کے سوائے کوئی چارۂ کار نہ رہے گا کہ آپ کو اپنے کندھوں پر اٹھا لوں۔"

"اوہ نو۔" وہ گھبرا کر دھیرے سے بولی۔ اس نے انگلی اور بھی مضبوطی سے دبوچ لی۔ عمران کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔

"اس مصیبت کو کیسے ٹالوں۔ کم بختوں نے زبردستی پستول دکھا کے شادی کروا دی۔ چلتے چلتے یہ نکاح نامہ بھی جیب میں ٹھونس گئے۔ ارے لڑکے نہیں ملتے۔ بغیر جہیز کے لڑکی قبول لیتے نہیں تو یہ بھی کوئی تُک ہے کہ زبردستی پھیرے کروا دیئے۔ عقد خوانی کروا دی۔ ہاں خبریں تو ایسی میں نے خود بھی پڑھی ہیں۔ بلکہ پھوپھا صاحب نے تو ایک ایسا آنکھوں دیکھا واقعہ بھی سنایا جس میں بعد میں لڑکی بڑی اچھی دولہن ثابت ہوئی اور

خاندان بھی اچھا نکلا۔ لیکن مجھے تو ممّی تارہی ڈالیں گی۔ پہلے ہی اکلوتے بیٹے کی دلہن لانے کے ارمان میں مجھے مارے ڈال رہی ہیں۔ بہنیں الگ میری جان کو روتی رہتی ہیں کہ بہت ہو گئے ڈراموں کے شوق، بہت بن لئے ہیرو۔ اب اصلی زندگی میں ہیرو بن جاؤ اور ہیروئن لے آؤ اپنی۔ لیکن ایسے؟ سب سنیں گے تو مار مار کے میرا بھرکس نکال دیں گے۔ ارے بھرکس جب نکالیں گے تب نکالیں گے۔ پہلے تو گھر سے ہی نکال دیں گے۔ اور گھر سے نکال دیا تو میں جاؤں گا کہاں؟ سالی ابھی ابھی تو نوکری جوائن کی ہے۔ پہلی والی چھوڑ کے، کافی دن آرام کیا۔ ڈرامے کیے۔ ممّی نے ڈانٹ ڈانٹ کے یہ نئی والی نوکری دلائی ہے۔ اب دو ہزار تنخواہ تو پاکٹ منی کے طور پر نکل جاتی ہے یار۔ گھر سے نکال دیا تو بمبئی جیسے شہر میں فلیٹ تو لاکھوں کی چیز ہے۔ کرایے پر بھی لینے جاؤ ہزاروں کی بات ہے۔ کل ہی آصف کہہ رہا تھا فلیٹ لینا چاہتا ہوں۔ کرایے سے معقول سے ایریا میں۔ تین ہزار سے کم میں ملتا ہی نہیں۔ ماہانہ۔ سالانہ نہیں۔ پھر فون بھی نہیں۔ یہاں تو ممّی پپّا کا بنگلہ ہے۔ دو۔ دو فون ہیں۔ گاڑیاں ہیں۔ ویڈیو۔ ٹی وی۔ اے سی۔ قالین۔ صوفے۔ پاپا کا سارا سیٹ کیا ہوا بزنس۔ نوابوں کی طرح جی رہے ہیں۔ اگر یہ سب چھوڑنا پڑے تو دن میں تارے نظر آ جائیں عمران کاشف ...... اور وہ سالا غنڈہ ...... بمبئی کے داداؤں کی چھتر چھایا میں نکاح خوانی پڑھوائی اور بعد میں آنکھوں میں آنسو بھر کر بہن کی وکالت کرتا ہے کہ میری بہن واقعی پری جیسی ہے۔ آپ کو پسند آئے گی۔" اب یہی باقی رہ گیا ہے کہ میں اس پری کو اپنی رہائش گاہ لے جاؤں۔ اپنی ممّی اور بہنوں سے ملاؤں۔ اپنی خواب گاہ کی شریک بناؤں اور وہ سارے اختیارات اور اقتدار دوں جو ایک عزت دار گھرانے سے بیاہ کر آنے والی دولہن اور بہو کو دیئے جاتے ہیں۔" اس نے چلتے چلتے جھکی جھکی سی نازک سی ڈالی ایسی لڑکی کو دیکھا جو پوری طاقت سے اپنی نازک سی مٹھی میں اس کی انگلی

دبائے صرف اس کے اپنے اعتماد، یقین، اعتبار اور سہارے کو کافی سمجھ کر اس کے ساتھ آنکھیں بند کر کے پورا بھروسہ کر کے بڑھی چلی جا رہی تھی۔

"مسٹر عمران احمد۔ یہ تمہاری انگلی تو چھوڑنے سے رہی۔ بہتر یہ ہو گا کہ ہلکے پھلکے لائٹ موڈ میں پہلے آپ اسے ذرا CONFIDENCE میں لیں۔ کچھ ہنسی مذاق شرارت کریں۔ اپنائیت پیدا کریں۔ اس کے بعد موقعہ ملتے ہی اپنا پلان شروع"!

"تو ہاں۔ محترمہ۔ وہ کھنکار کر آواز میں ذرا ہنسی کا تاثر بھر کر بولا" تو مس پروین رعنا۔ اب تو خیر آپ مسز رعنا عمران ہو چکی ہیں۔ ویسے کیا خیال ہے آپ کا یہ نام جچ رہا ہے نا" مسز رعنا عمران"۔ اخیر۔ اصل میں آج گلا کچھ گڑبڑ ہے۔ ڈائیلاگ بہت زور زور سے بولے تھے نا آج۔ ویسے۔ ارے آپ کو شاید پتہ ہو گا۔ یا نہ بھی ہو کہ آپ کا یہ خاکسار بڑی شدت سے ہیرو ہے۔

ارے آپ مذاق نہ سمجھیں محترمہ۔ میں واقعی ہیرو ہوں۔ گیارہ ڈرامے کر چکا ہوں۔ جی ہاں فار یور انفرمیشن۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ سارے کے سارے گیارہ ڈراموں میں ہیرو یہ خاکسار ہی تھا۔ ارے صاحب بہت انعام جیتے ہیں۔ مہاراشٹر بمبئی کا ڈرامہ کمپٹیشن بھی آپ کے اسی غلام نے جیتا ہے۔ اصل میں کیا ہے میڈم کہ لوگ اس خاکسار سے جلتے ہیں۔ بہت جلتے ہیں ورنہ تو اب تک میں کہاں کا کہاں پہونچ گیا ہوتا"۔

مہتاب کو ہنسی آ رہی تھی۔ چند گھنٹے پہلے زندگی میں اس کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا۔ وہ اس وقت اسے رلا چھوڑنے کو بہت کافی تھا۔ لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ زندگی اس پر اچانک یوں مہربان ہو جائے گی۔ ایسے خوش باش، ہنس مکھ، مذاقیہ فطرت کے اتنے پیارے لڑکے سے اس کی زندگی وابستہ ہو جائے گی۔ سب تقدیر کے کھیل ہیں۔ وہ اتنے اچھے انسان کو، اس کے گھر والوں کو، جنہیں وہ ابھی جانتی تک نہیں۔ اتنا پیار دے گی۔ اتنی محبت دے گی کہ وہ لوگ کبھی بھول کر دل میں خیال تک بھی نہیں لائیں گے کہ یہ تو زبردستی

ہمارے بیٹے کے سر منڈھ دی گئی تھی۔

وہ کہنا چاہ رہی تھی "آپ ہیں ہی اسی قابل کہ لوگ آپ سے جلیں" وہ مسکرانے لگی۔"ارے میں نے ابھی انہیں دیکھا تک تو نہیں ہے۔ مجھے کیا پتہ بھلا وہ کیسے ہوں گے جو میں بڑے زعم سے سوچے جا رہی ہوں کہ" آپ ہیں ہی اسی قابل کہ لوگ آپ سے جلیں"

اچانک بہت سارے لوگوں کا ریلہ سا آگیا اور عین ممکن تھا کہ اسی زور میں اس کے ہاتھ سے عمران کی انگلی چھوٹ جاتی کہ وہ سنبھل گئی۔

"اصل میں آج کل ماؤنٹ میری کا فیسٹر میلہ چل رہا ہے باندرہ میں۔ اسی لئے اتنی رونق اور بھیڑ ہے۔ ذرا مضبوطی سے انگلی پکڑے رہنا ایسا نہ ہو کہ فلموں کی طرح ہم کھو جائیں اور پھر کہیں مدتوں بعد بوڑھے ہو کر ملیں۔ ہا ہا"

وہ ہنسا۔ لیکن مہتاب لرز سی گئی۔"اور ابھی تو ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں ہے اگر بچھڑ گئے تو بھلا پہچانیں گے کیسے۔ کم سے کم فلموں میں یہ تو ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے مل چکے ہوتے ہیں۔ اگر ہم بچھڑے نا مسز رعنا عمران۔ تو ساری زندگی بھی ایک دوسرے کو کھوجتے رہے تو مل نہ پائیں گے بلکہ میں تو شرطیہ کہتا ہوں کہ ساتھ ساتھ اور پاس پاس رہ ایک گھر میں رہ کر بھی ایک دوسرے کو پہچان نہ پائیں گے۔" وہ اس کی طرف مڑا۔" بھلا آپ ہی بتائیے کیسے پہچان پائیں گے۔ نہ آپ نے مجھے دیکھا نہ میں نے آپ کو دیکھا اس لئے اے میری انجانی دولہن۔ ذرا جلدی جلدی قدم اٹھایئے اور اس بھیڑ بھڑکے سے اور آدمیوں کے سیلاب سے مجھے جلد از جلد نجات دلایئے"

"یہ شخص امیر تو خاصا ہوگا۔ نکاح خوانی کے وقت کہا تھا انجینئر ہوں۔ کافی معقول تنخواہ ہوگی۔ بات چیت سے بھی مہذب اور امیر گھرانے کا لگتا ہے تو کیا چلتے وقت جیب میں چند روپے بھی ڈال کر نہیں چلا ہوگا جو ٹیکسی ہی پکڑ لے۔ ہائے کس بری طرح پاؤں دکھ

رہے ہیں۔ ضرور آج پیروں میں چھالے پڑ جائیں گے۔۔۔۔ اے خدا کاش تو اس شخص کے دل میں یہ بات ڈال دے کہ کسی ٹیکسی کو روک لے یہ۔۔۔۔

"ارے ارے ارے ابھی انگلی چھوٹ جاتی اور سارا بیڑہ غرق ہو جاتا۔ اے میری نئی نویلی دولہن۔ کاش آپ کو یہ احساس ہو سکے کہ یہ بمبئی ہے۔ باندرہ ہے۔ ماؤنٹ میری کا زبردست فیئر ہے۔ ایسا میلہ اور ایسا مجمع کہ انسان بچھڑے تو پھر کبھی نہ مل پائے۔ لیجئے ذرا مضبوطی سے میری انگلی پکڑے رہئے۔ آج بدھ ہے ویسے بھی یہاں زیادہ ہی رش رہتا ہے۔ "وہ خواہ مخواہ ہنسا" ارے بدھ پر یاد آیا۔ آپ کو پتہ ہے بدھ کو انگلش میں WEDNESDAY کہتے ہیں ویسے صحیح طور سے انگلش میں اسے وینز ڈے کہتے ہیں۔ یعنی ڈی D کو سائلنٹ کر دیتے ہیں لیکن خیر آپ کو ایک راز کی بات بتا ہی دوں۔ دراصل یہ WED جو ہے نا اس بدھ کے ساتھ۔ انگلش لوگ دھڑا دھڑ شادیاں کرتے تھے اس دن! اس لئے اس دن کا نام WED DAY پڑ گیا۔ ویسے ان انگریزوں کا کبھی سے کچھ ٹھیک نہیں رہا۔ آپ کو پتہ ہے FRIDAY کا مطلب کیا ہے۔ ارے صاحب اس خاص دن میں یہ لوگ بیحد تلن کرتے تھے۔ یعنی ہر چیز کو FRY کیا کرتے تھے۔ بس صاحب جمعہ کو کر دیا FIRDAY - ایسے تو مجھے ساتوں دنوں کی ہسٹری معلوم ہے جیسے ایک خاص دن میں بیحد دھوپ نکلی رہتی تھی ہر طرف SUN ہی SUN تو صاحب بس ان سرپھروں نے اس دن کا نام SUNDAY رکھ دیا۔ اور صاحب یہ سنیچر جسے SATDAY کہتے ہیں نا۔ صرف بیٹھے رہتے تھے یہ گورے لوگ۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے جسے دیکھو بس بیٹھا ہے۔ SAT - SAT - SAT اس دن کام دھام کچھ نہیں کرتے تھے۔ بیٹھنے کا دن بنا دیا اس دن کو۔ کر دیا SAT UR DAY۔ اسی لئے دیکھئے آپ فارن میں ویک اینڈ دنوں کا ہوتا ہے۔ SAT DAY اور SUNDAY آپ سمجھ رہی ہیں نا یہ سب کچھ۔۔۔۔

مہتاب کے پیروں میں اب اتنا شدید درد ہو رہا تھا کہ مسکرانا بھول گئی۔ ایک تو رش۔ آدمیوں، عورتوں، بچوں کے ریلے کے ریلے بہے چلے آ رہے تھے۔ کھوے سے کھوا رگڑ کھا رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بچاتے بچاتے بے حال ہو چکی تھی۔ اوپر سے گھونگھٹ اٹھا کر سیدھا سادا پلّو کندھے پر چھوڑ دے۔ مگر یہ بھی خیال آیا کہ اس نے آج تک اپنے خاندان میں، گھر باہر کی بھی، جتنی بھی شادیاں دیکھی تھیں کبھی کسی دولہن کو بنا گھونگھٹ کے نہیں دیکھا تھا۔ سہیلیوں نے بھی بتایا تھا اور ہزار بار فلموں میں بھی دیکھا تھا کہ پہلی رات کو دولہا ہی اپنے ہاتھوں دولہن کا گھونگھٹ اٹھا کر چہرہ دیکھتا ہے وہ رومانس ہی الگ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی سہیلیوں میں ہی یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ اگر کسی نئے زمانے کی پڑھی لکھی کا نوخطہ زدہ سہیلی نے بھلے تھکن ہی کے مارے ہی گھونگھٹ اور زرتار مہز اتار کر چھپر کھٹ کے سرہانے بھی رکھ دیا تو دولہا میاں کا منہ پھول گیا کہ "یہ تو میرا حق تھا۔ سارا رومانس غارت کر دیا۔"

وہ اپنے دولہے کو، بھلے کیسے ہی سنگین حالات میں شادی ہوئی ہو، یہ موقعہ شکایت کا، ہرگز نہیں دینا چاہتی تھی۔

"لیکن یہ پیر۔ اللہ۔ یہ تھکن۔ گر کے بیہوش نہ ہو جاؤں . . . .

عمران نے سیدھے ہاتھ سے، کہ بایاں ہاتھ تو دولہن کی سنگین گرفت میں تھا اور لگتا تھا کچھ ہی دیر جاتی ہے کہ انگلی ٹوٹ کے گر جائے گی۔ پکڑ ہی ایسی مضبوط تھی۔ پتلون کی جیب تھپ تھپا کر سگار نکالا۔ منہ میں سگار دبا کر پھر سے جیب تھپ تھپا کر لائٹر ڈھونڈا۔ پھر بڑی مشکل سے لوگوں سے بچ بچا کر نیچے جھک کر لائٹر جلا کر سگار سلگایا۔ ایک دو پف مار کے سگار کو تیز دہکایا۔ لائٹر واپس جیب میں ڈالا۔ ذرا ڈرتے ڈرتے بازو چلتی دولہن کو دیکھا۔ پھر سگار کے دہکتے ہوئے گول گول بڑے سے انگارے جیسے سرے کو دولہن کے سیدھے ہاتھ کی پشت سے چپکا دیا۔ ! اب تک جو ہاتھ بے حد مضبوطی سے

اپنے دولہا کی انگلی تھامے تھا، انگارے کی تپش سے ایک چیخ کے ساتھ چھوٹ گیا۔

لوگوں کے ایک زبردست ریلے نے مہتاب کو آگے ہی آگے دور تک پہنچا دیا۔

"عمران۔ عمران۔"

وہ بدحواس ہو کر چلائی۔

عمران جلدی جلدی لوگوں کے بیچ سے راستہ بناتا ہوا پیچھے ہی پیچھے بھاگا چلا جا رہا تھا۔

"عمران" شور شرابے کے باوجود عمران کے کانوں میں ایک درد بھری آواز گونجی۔

"عمران میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں۔"؟

اس کے بعد اور کچھ سنائی نہ دیا۔ عمران اس زبردستی کی شادی، بن مانگے کی دولہن اور اس اچانک آ پڑنے والی افتاد سے بہت دور، بہت دور، بڑے اطمینان کے ساتھ نکل گیا۔ ہجوم کو کاٹتا، راستہ بناتا وہ تیز تیز قدموں سے سڑک تک آیا۔ ایک ٹیکسی کا دروازہ کھول کر غڑاپ سے اندر گھسا اور پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو کر ہانپتا ہوا بولا۔

"جوہو۔ الیونتھ روڈ۔ جنت نگاہ۔" فاسٹ۔ فاسٹ۔ ایز فاسٹ ایز پاسبل

FAST - FAST AS FAST AS POSSIB "

ملائم ہاتھ کی ریشمی کھال پر کس قدر تپش ہو رہی تھی۔؟ لیکن یہ تپش اس آگ سے کہیں کم تھی جو دل میں دہک اٹھی تھی۔

مہتاب تنہا رہ گئی تھی۔ پتہ نہیں ایسا کیوں ہوا تھا۔ اسے کچھ کچھ یاد تھا۔ بس اتنا کہ چلتے چلتے اچانک اسے ایسا لگا کہ کسی نے اس کے دائیں ہاتھ کی پشت پر ایک دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا ہو۔ غیر ارادی طور پر اس نے اپنے ہاتھ کو جلن سے چھٹکارا پانے، جھٹکا اور یہی وہ کربناک لمحہ تھا جب اس کا ہاتھ عمران

کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ جس انگلی کو وہ اپنے سارے جسم کی طاقت سمیٹ کر مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی وہ اچانک ہی چھوٹ گئی۔ بھیڑ اتنی تھی کہ وہ دور تک آگے پیچھے گھسٹتی گئی۔ کبھی لوگوں کے ریلے میں آگے۔ کبھی پیچھے۔ لاکھ اس نے عمران۔ عمران کی آوازیں بھی لگائیں لیکن اس بلا کے قیامت خیز شور میں اس کی آواز بھلا کہاں عمران کے کانوں تک پہونچ پاتی۔؟

اور اگر اب وہ ڈھونڈنا چاہتی تو ڈھونڈھتی بھی کیسے۔؟ اس نے تو عمران کی صورت تک نہیں دیکھی تھی۔ ایک جھلک، ایک جھپک تک نہیں دیکھی تھی۔ سہاگ رات کے سپنے سجائے وہ تو طرح طرح کے خواب، رنگین دلاویز، رنگ رنگ قوس قزحی خواب بنتی چلی آرہی تھی اگر اسے پتہ ہوتا کہ ایسی بھی قیامت اس پر ٹوٹنے والی ہے تو کم سے کم وہ عمران کی طرف ایک نظر دیکھ تو لیتی۔ بھلے عمران کی نگاہوں میں وہ بے شرم ہی کہلاتی۔ لیکن اب۔؟ اب اتنی بڑی دنیا میں میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں عمران۔؟ اور کیسے ڈھونڈوں۔ نہ آپ کے گھر کا پتہ ہے نہ نشان۔ نہ آپ کے چہرے کے نقوش میری آنکھوں میں بسے ہیں۔"

وہ بھٹکتی بھٹکتی کہاں پہنچ گئی تھی MERRY GO ROUND پر بچے بیٹھے قہقہے لگا رہے تھے چلا رہے تھے۔ گول گول گھوم کر وہ پھر اسی جگہ پہنچ جائیں گے۔ جہاں ان کے ماں باپ اور بڑے بزرگ سنبھالنے والے کھڑے ہوئے ہیں۔

"مہتاب جنگ۔ تم زندگی کے اس میری گو راؤنڈ پر بٹھا دی گئی ہو جو زندگی بھر اسی طرح تمہیں چک پھیریاں دیتا رہے گا۔ ٹھہراؤ آئے گا بھی تو کوئی نہیں ہوگا جو تمہیں سہارا دے سکے۔ تمہارا ہاتھ تھام کر تمہیں اتار سکے۔ تمہیں یونہی زندگی بھر چکر کھاتے رہنا ہے کیونکہ وہ ہاتھ جسے تمہارا نگہبان بنایا گیا تھا تمہیں جھٹک کر کہیں جا چکا ہے۔

"کیا عمران نے جان بوجھ کر مجھے چرکا دیا ہوگا کہ میں گھبرا کر انگلی چھوڑ دوں اور وہ بھیڑ میں مجھے جان بوجھ کر چھوڑ کر نکل جائیں۔؟؟ نہیں ! نہیں ! ! اتنی پیاری باتیں کرنے والا۔ اتنی من موہنی فطرت والا۔ اتنا بڑا دھوکا کیسے کر سکتا ہے"۔ ؟

مہتاب جنگ۔ ؟ ہونہہ من موہنی فطرت۔ ؟ ؟ تم نے اسے کتنا پرکھا، کتنا جانا۔ ؟ اری بی بی انسان تو وہ پہیلی ہے کہ برسوں ساتھ رہنے پر بھی نہیں کھل پائے تم کون سی من موہنی فطرت کی بات کرتی ہو۔ یہ طے ہے کہ آج ہی آسمانوں پر وہ ساعت لکھی گئی جب تم دلہن بنیں۔ تمہارا جوڑا ان زمینوں پر اتارا گیا اور یہ بھی طے ہے کہ آج ہی کے دن آسمانوں پر تمہارے نصیب کا لکھا پورا ہوا۔ کاتبِ تقدیر نے خود تمہارے نصیب پر سیاہی پھیر دی ہے۔ جن زمینوں پہ تمہارا جوڑا اتارا گیا۔ انہی زمینوں پہ بچھڑاؤ بھی تمہارا مقدر تھا۔ اس حقیقت کو اب قبول کر لو کہ اللہ تعالیٰ کی اس بے حساب وسیع و عریض دنیا میں تم تنہا ٹھہریں۔ تم روؤ گی تو تنہا۔ ہنسو گی تو تنہا۔ اور کیا تم اب کبھی ہنس بھی سکو گی مہتاب جنگ۔ ؟

میلے کی بھیڑ بھاڑ کم ہو رہی تھی۔ بچے کھچے لوگ اپنے اپنے بچوں کا ہاتھ تھامے اپنے اپنے ٹھکانوں کی راہ لے رہے تھے۔ رات گہری ہو رہی تھی۔ مہتاب یونہی خالی الذہن۔ خالی خالی نگاہوں سے ہر ایک کو دیکھ رہی تھی۔ شوقین مزاج، آوارہ گرد بیہودہ جوان بھوکی بھوکی نظروں سے اسے تاک رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کا ذہن اس کا ساتھ نہیں دے پا رہا تھا۔

وہ ایک ٹک ایک مرد کو دیکھے جا رہی تھی۔ شاید یہی عمران ہو۔ مرد اس کی نگاہوں کا سہارا پا کر آگے بڑھا۔ ادھر ادھر دیکھ کر سرگوشی میں بولا۔

"پچاس روپے اور ایک اَدھا۔ چلنا ہے تو بول۔ پیچھے گڑبڑ نئیں کرنا"۔

مہتاب نے لرز کر یہ سب سنا۔ ایک ایسی بھیانک چیخ اس کے منہ سے

نکلی کہ صورِ اسرافیل اُسی کا ایک پرتو ہوگی۔

سارے لوگ اسی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مرد اس کی چیخ سے ڈر کر بھاگ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا۔ کیا ہوا۔ ابے کیا لفڑا ہے"۔؟

کئی لوگ اس کی طرف ہمدردی سے آگے بڑھے۔ وہ سہمی سہمی سی کھڑی ہوئی تھی۔

"میں میں۔"!

"ہاں بولو کیا بات ہے بہن۔ کوئی تم کو کچھ گالی بیلی دیا کیا"۔

"نن۔ نہیں۔ نہیں۔ میں یہاں اپنے شوہر کا انتظار کر رہی ہوں"۔ وہ روتی ہوئی بولی۔

"جو زندگی بھر ختم نہیں ہوگا مہتاب جنگ"۔ کوئی اس کے اندر سے بولا۔

"وہ آنے کو بول کے گیا تھا کیا"۔؟ کوئی عورت ہمدردی سے بولی۔

مہتاب اس کا منہ دیکھتی رہی۔ وہ کیا جواب دے۔؟ اس نے سر اٹھا کر سیاہ آسمان اور جھلستی ہوئی رات کو دیکھا۔

"شاید۔ شاید صبح تک آجائیں۔۔" وہ بے یقینی کے انداز میں اٹک اٹک کر بولی۔

"صبح۔؟ کوئی کلیجہ کو چیر دینے والی کاٹ کے ساتھ اندر ہی اندر بولا"۔ کیا تمہیں یقین ہے مہتاب جنگ کہ صبح ہوگی۔"؟؟

جھر جھر آنسو اس کی آنکھوں سے بہے چلے آرہے تھے۔ اس نے آنسوؤں کو روکنے کی قطعاً کوشش نہیں کی۔ اچھا ہے آنکھوں کا غسلِ صحت ہو جائے۔

اس نے آسمان کی طرف آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔

"مالک۔ تو تو کہتا ہے نا کہ تو ہر دکھی دل کی پکار سنتا ہے۔ تو الحیّ القیوم

ہے۔ نہ سوتا ہے نہ جھپک ہی آتی ہے۔ سب کچھ دیکھتا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ تیری یہ گنہ۔۔۔ کیوں میں خود کو گنہ گار کیوں کہوں۔؟ میں نے ایسے کون سے گناہ کر ڈالے ہیں کہ تیری رحمت کو جوش میں لانے کے لئے میں اپنے گناہوں کا حوالہ دوں۔ میری یادداشت میں، آج تک میں نے تو ایسی کوئی حرکت کی ہی نہیں جو دنیا والوں کو بھی ناگوار گذرے، تیری بارگاہ میں گناہ کرنے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا۔ میں تجھ سے پوچھتی ہوں کہ تیری اس بندی پہ تیری نظرِ کرم کیوں نہیں ہے۔ اپنی آج تک کی اس چھوٹی سی عمر کا سارا حساب کتاب تیرے سامنے کھول کر رکھ دوں تو خود تو بھی سوچنے پہ مجبور ہو جائے گا کہ آخر میں نے اس لڑکی کو ایسی زندگی کیوں دی۔ تو نے میرے نصیب واقعی سیاہی میں قلم ڈبو کر لکھے ہیں۔ لوگوں کے نصیب تو سونے کے پانی میں ڈبو کر لکھتا ہے۔ ہاں تجھے ضرور مجھ پر غصہ آ رہا ہوگا۔ لیکن میں تیری ہی دی ہوئی عقل سے سوچ تو سکتی ہوں نا۔"

اس نے دل ہی دل میں کرب سے سوچا۔ "تیری اتنی بڑی دنیا میں ایک اکیلی لاچار لڑکی کسی سہارے کے بغیر ایک قدم بھی چل سکتی ہے۔؟ سہارا تو جانے دے پیٹ میں جو آگ لگی ہے وہ بغیر پیسوں کے بجھ سکتی ہے"۔؟

اس نے سر جھکا لیا۔ ٹپ ٹپ آنسو اس کے ہاتھ کی پشت پر گرے۔ جلن اور تپش کی ایک ٹیس سی ابھری۔ سگار کے جلنے سے ایک چونی جتنا بڑا لال لال داغ اس کے گورے گلابی ہاتھ کی پشت پر ابھر آیا تھا۔ نمکین آنسو اس پر گرے تو ساری جان میں جلن کی ایک رو سی دوڑ گئی۔

اُس نے پھر آسمان کو دیکھا۔

کہاں جاؤں۔؟ اتنی بڑی دنیا میں، ان زخموں، ان آبلوں کو لے کر کہاں جاؤں"۔؟

آنسو پونچھنے کے لئے اس نے ساڑی کا پلو تھاما تو کڑ کڑ کی آواز کے ساتھ کونے میں کچھ بندھا نظر آیا۔ اسے یاد آیا اعجاز بھائی نے اس کی ساڑی کے پلو میں کچھ باندھا تھا۔ وہ سمجھی تھی یہ بھی شاید شادی کی کوئی رسم ہو گی۔ اس کے چہرے پر طنز اور کرب بھری مسکراہٹ ابھر آئی۔ SO CALLED MARRIAGE نام نہاد شادی ۔ اور رسمیں ۔ یہ رسمیں تو اس نے حیدر آباد میں دیکھی تھیں بس ۔ اور ہر لڑکی کی طرح کیسے کیسے دھنک رنگ خواب آنکھوں میں سجائے تھے کہ ایسا ہو گا اور ویسا ہو گا ۔ اور ہوا ۔ کہ ماموں زاد بھائی نے باہر چلنے کے لئے تیار ہونے کو کہہ دیا۔ ٹیکسی میں بٹھا کر پتہ نہیں کہاں لے پہنچے ۔ اجنبی اور غیر شریفانہ صورتوں والے دوستوں کی ہمراہی میں مارے باندھے کی شادی کروا دی ۔

اس نے بے دلی سے پلو کی گرہ کھولی۔

ایک لفافہ تھا۔ ایک خط اور ساتھ میں کچھ روپے ۔ اس نے پاگلوں کی سی وحشت کے ساتھ روپے گنے ۔ ۔ سو سو کے پانچ نوٹ ۔ ایک دم اسے ایسا لگا جیسے ساری بمبئی ۔ نہیں نہیں ساری دنیا اس کی ہے ۔ ان روپیوں سے تو وہ ساری زندگی گذار سکتی ہے ۔ اس نے شرمندگی کے احساس کے ساتھ آسمان کو دیکھا ۔ منہ سے کچھ نہ بول سکی ۔ دل نادم نادم ہوا جا رہا تھا ۔ "تو ۔ واقعی اپنے بندوں کا ہر حال میں خیال رکھتا ہے ۔ سوری اللہ میاں ۔ لو آر سو سوئیٹ " یہ اس کا اپنا اسٹائل تھا اللہ میاں سے معافی مانگنے کا ۔ بچپن میں جب مغلانی بوا کسی بات پر اسے ڈانٹتیں ۔ یا کبھی نماز قضا کر دینے پر تنبیہہ کرتیں تو وہ ہنس کر ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیتی ۔

"بوا ۔ اب اتی اتی باتوں پہ اللہ میاں پنش PUNISH کرنے سے تو رہے ۔ پھر بھی آپ کی خاطر ۔ سوری اللہ میاں ۔ لو آر سو سوئیٹ ۔"

اس نے آئس کریم کی اسٹال پر لگی گیس بتی کی روشنی میں اعجاز بھائی کا خط پڑھنا شروع کیا۔

میری بہوت اچھی پروں۔

تم کو میرا بہوت غصہ آرہا ہوئینگا۔ آنا بھی چاہیئے۔ بھایاں لوگاں بہناں کے واسطے کیا کیا نئیں کرتے ہور میں تمہارے واسطے کیا کرا؟ پرو میں تمہارے سگے ماموں کا بیٹا ہوں۔ چاہے تو میں خود بھی تم سے شادی کرے سکتا تھا مگر پرو میرا کوئی مستقبل نئیں۔ میں کتے کے مافق بے عزت ٹھوکروں میں پڑنے گرنے والا ناکارہ آدمی ہوں، بابا جان بہوت اچھے آدمی ہیں۔ میرے کو مالوم۔ مگر نئے اماں جان ایسا لگتا کی بابا جان کو اُلو کا گوشت بیس کو کھلا دیئے کی جوان کے خون میں، رگ رگ میں ایسا رل مل گیا ہے کی اب بابا جان کبھی بھی عقل کی جون میں واپس نہیں آسکتے۔

تم تو بہت چھوٹے تھے پرو۔ میں ذرا بڑا تھا۔ تم کو یاد نئیں ہوئینگا۔ میرے کو ایک سہ ایک بات یاد ہے۔ میرے سگے امی جان کے انتقال کے وقت میں بارہ سال کا ہوونگا۔ بابا جان میرے کو اتا چاہتے تھے کی دنیا میں شاید ہی کوئی باپ اپنی اولاد کو اتا چاہتا ہوئینگا۔ کتے لوگاں اُن کو دوسری شادی کا بولے مگر اُنوں سب کی باتاں ٹال جاتے۔ مگر پتہ نئیں کیا کر کے بابا جان کے ایک دوست اپنی بیوی کے ساتھ مہمان بن کر ہمارے گھر پر آکو اُترے۔

دوست تو تھوڑے دناں بعد غائب ہو گئیں پر وہ عورت ہمارے اچ گھر میں رہ گئی۔ پتہ نئیں کاں سے آئی تھی کون سے صوبے کی تھی۔ گجراتی بھی رپاٹے کے ساتھ بولتی تھی۔ مرہٹی بھی انگریزی بھی ہور بھی کئی زباناں۔ دھیرے دھیرے ہلو ہلو بابا جان اس کے نرغے میں آتے گئے پھر ایک دن نکاح پڑھا لیئے۔

حیدرآباد کا باباجان کا اتّا بڑا محل جیسا مکان بھی اُنے اپنے نام کرالی۔ میرے نام مرغی کا ڈربہ تک نئیں رہنے دی۔ باباجان ہمیشہ کے اللہ میاں کے گائے تھے اب تو خرگوش کا بچہ بن گئے۔ جو اُنے بولتی کرتے۔ بمبئی شفٹ ہونے کا مشورہ بھی اسی نے دی ہور باباجان کو آنکھاں بند کرکو ماننا پڑا۔ پھر یہاں سے دُبئی جانے کی اسکیم بھی اُنے اچ بنائی۔ جب بمبئی سے دُبئی جانے کا پروگرام بنائی تو باندرہ کا اتّا بڑا شاندار فلیٹ جو لاکھوں کی خیمت کا تھا بیچ کو اللہ معلوم پیسہ کیا کری ہور میرے رہنے کو یہ ایک کمرے کا چھوٹا سا برائے نام فلیٹ لے کو دی۔ وہ بھی خود کے نام پو۔

تمہارے امّی جان کے انتخال کے بعد میں جب تمہارا کوئی سہارا نئیں رہا ہور نزدیک دور کے رشتہ داروں نے لوے کی بچّی یتیم تو تھی اچ باپ نئیں تھا' یسیر بھی ہوگئی ماں بھی نئیں رہی تو اب یہ ماموں کا فرض ہوتا کی بھانجی کو پالنا، تو زبردستی تمہارے کو بمبئی بھجوانے کی لوگاں اسکیم بنائے۔

پہلے تو سوتیلے اماں جان نے بہت ہاتھاں پاواں پٹخے مگر جب اتّے سالاں بعد پہلی بار باباجان نے اپنا غصّہ دکھایا کی میری ایک اچ بہن تھی، وہ بھی مرگئی، بہنوئی تھا اُنے بھی مرگیا تو اُنے یتیم یسیر بچی کاں جائے گی، نئیں تم رکھ سکتے تو میرے کو چھوڑ دیو۔ میں طلاّخ کا گندا لفظ زبان پو نئیں لانا چاہتا پن تم خود میرے کو چھوڑ دیو تا کی میں اپنی بھانجی ہور بیٹے کے ساتھ باخی زندگی گذار دیوں۔"

تو اللہ مالوم کیا سوچ کو سوتیلے اماّں جان مان گئیں۔ ہور جب تم کو دیکھے تو میں دنگ رہ گیا کی کیا کیا محبت کرڈالے۔ بلائیاں لے رئیں واری جارئیں۔ باباجان خوش۔ تم ویسے اپنے امّی جان کے غم میں اداس تھے مگر یہاں آ

کو ہور ممانی جان کی محبت پا کو کم سے کم مطمئن ضرور ہو گئے۔
تم سوچ رئے ہوئیں گے پرؔو کی میں کیا لمبا خصّہ لے کو بیٹھ گیا۔ میں خط کو مختصر کرتاؤں۔

یہ اپنے ہمارے سوتیلی اماّں جو تمہارے مومانی ہوتے۔ اچھے خصم کی عورت نئیں ہیں۔ میں نے خدا کی مہربانی سے ایک عجیب وغریب طریخے سے ان کی پوری سازشں خود اپنے کاناں سے سن لیا ہوں۔ پرؔو اِتّا تو تم کو بھی مالوم ہوئینگا کی اللہ پاک نے تم کو بے حد خوبصورت بنائے ہیں۔ میں بچپن میں سنتا تھا تمہارا گھریلو نام پروین رعنا تھا۔ اسکول کا نونٹ میں تمہارا نام پھوپھی پھوپا مہتاب جنگ لکھوائے تھے۔ پروین چھوڑ سارے لڑکیاں تم نا پری۔ پری بولتے تھے۔ پرؔو بھی کتّے ہی لوگاں بولتے تھے۔ تم تھے بھی ہور آج بھی۔ ہئیں اِچ اُتّے خوبصورت تو ہمارے سوتیلے اماّں جان نے پلان بنائے تھے کی دبئی کے ایک عرب کے ہاتھاں تم کو ایک لاکھ دینار یا ریال (امیرے کو ٹھیک سے سکّے کے بارے میں نئیں معلوم) میں بیچ دینا۔ ہور سب سے غلیظ ہور نفرت انگیز بات یہ ہے کی سوتیلے اماں جان کا بولتے وہاں کاروبار اچ یہ ہے کی ہندوستان پاکستان سے دھوکا دے کو، یا جیسا بھی بہلا پھسلا کر، یا نوکری کا بہانہ جھانسہ دے کر لڑکیاں پھانستے، جھوٹے شادیاں کروا کے کتّے غریب ہور کبھی کبھی امیر بھی، پاکستانی، ہندوستانی لڑکیاں کو لا کو دبئی ہور کویت ہور پورے گلف میں اِنوں کا جال پھیلا ہوا ہے، بیچتے ہور حرام کا پیسہ کماتے۔ اِنوں کے ساتھ پورا گینگ ہے بولتے۔ میں اِنوں کے باتاں جو وہ خود کر لے رئے تھے اس سے سب یہ پتہ چلا یا۔

تو جب میں دیکھا کی تم اِتّے معصوم اتنے خوبصورت، اِتّے پڑھے لکھے

اعلیٰ خاندان کی بچّی کا یہ کمین عورت یہ حشر کرنے کا سوچی تو میری جان کی انگار لگ گئی۔ میں کِتنے ساتاں کِتّے دناں بس یہی سوچتا رہا کی کیا کر کے تم کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلاؤں۔ میں کیا بول کے تم سے شادی کر لے سکتا تھا۔؟ نہ کوئی آمدنی نہ کوئی مستخبل۔ بابا جان کی توجہ سوتیلی اماّں میرے پر سے ہٹا لیئے تو پڑھائی بھی کوئی خاص نئیں ہوئی۔ نہ زمین نہ جائداد۔ پھر آخر تم ناں میں بچاؤں تو کیسے۔؟؟

اتفاخ سے اخباروں میں میں ایک عجیب و غریب خبر پڑھا۔ ایک بھائی جو اپنے بہن کے لئے جہیز نئیں دے سکتا تھا، غنڈوں کا سہارا لے کو ایک معخول پڑھے لکھے کمائی کرنے والے لڑکے کو نظر میں رکھا۔ اپنے واخف کاروں سے اس کے حالات پوچھا۔ جب اطمینان ہوگیا کی کافی اچھی آمدنی ہور حالات ہیں تو ایک دن بہن کو بہانے سے باہر لے کر گیا۔ دو تین غنڈوں سے اس لڑکے کو آفس سے نکلنے کے ٹائم پر اغوا کرائے جیسا کیا ہور پنڈت کا انتظام کر کے سات پھیرے لگوا دیا۔

پھر چند روز گذرے تو پھر ایک ہور ایسی اچ خبر پڑھا۔ اب کے دولہا مسلمان تھا۔ پھر میری بھی ہمت بڑھی۔ بمبئی میں رہنے سے اچھے بُرے سبھی خسم کے لوگاں سے دوستی دشمنی ہے۔ میں نے ایک پلان بنایا۔

یہ چھوکرا، بڑے گھر کا ہے۔ پڑھا لکھا ہے۔ انجینئر ہے۔ ڈرامے کرنے کا اسس کو ہور اس کے دوستاں کو بہوت شوخ ہے۔ جہاں پر یہ لوگاں ڈرامے کیا کرتے تھے وہاں بھی بہوت بار گیا۔ آس پاس کے لوگاں بھی بولے بہوت اچھا لڑکا ہے۔ باپ نئیں ہے۔ بڑا کاروبار چھوڑ کو مرا۔ ماں ہے، مگر میرے کو ماں کے بارے میں زیادہ کر کے کچھ نئیں مالوم۔

پر میرے کو نئیں مالوم کی ایسے زبردستی کے شادیاں اجن کے بارے

ہیں میں اخبار میں خود اپنے آنکھاں سے خبراں پڑھا) ہو تو جاتے ہوئیں گے مگر ان کا انجام کیا ہوتا ہوئینگا۔ کیا مالوم ایسے زبردستی کے دولہے اپنے دولہناں کو نباہتے ساتھ رکھتے ہوئیں گے یا چھوڑ دیتے ہوئیں گے مگر تمہارے حد تک میرے کو یقین ہے کی تم اِتّے اچھے عادتاں کے ہور اچھے مزاج کے ہُیں کی ہر بڑے سے بڑے حالات میں نباہ کر کے بتا دیں گے۔

میں تم سے بہوت شرمندہ بھی ہوں پرتو کی بھائی ہو کر کچھ بھی نئیں کرسکا ہور تمہارا یہ حشر کر دیا مگر تم تہہ میں جاکر سوچیں گے تو میرے دل کو صاف ہور پاکیزہ پائیں گے کیوں کی در اصل میں، میں نے تمہارا ہر حال میں بھلا چاہا ہوں۔ میں نئیں چاہتا تھا، سوچ بھی نئیں سکتا تھا کی خدا نہ کرے یہ عورت تم کو ایک بازاری چیز بنا دے۔

خدا کرے کی یہ لڑکا تمہیں زندگی کے سارے سُکھاں ہور خوشیاں دے۔

میرے کو شرم تو آرہی ہے پر خالی ۵ سو روپے کیسا بھی توڑ جوڑ کر کے تم نا دے رہا ہوں۔ کبھی کام میں آسکتے ہیں۔ یہ گھر جس میں اب تک ہم رہ رہے تھے سوتیلے اماں اس کو بھی بکوا رہے ہیں۔ تم کو وداع کر کے میں اب حیدرآباد چلا جاؤں گا۔

خدا حافظ کہتے وخت میرا دل بہوت بھاری ہو رہا ہے پرتو۔ ہوسکے تو میرے کو معاف کر دینا یہ سوچ کو، کی میں تمہارے اچ بھلے کے لئے یہ سوب کچھ کیا ہوں۔

تمہارا ناکارہ بھائی اعجاز

"اعجاز بھائی۔" وہ دل تھام کر سسکی۔

"میں۔ میں آپ کو کس نام سے یاد کروں؟ فرشتہ کہنے سے تو آپ کی تعریف پوری نہیں ہو پائے گی۔ آپ تو۔ آپ تو بہت اونچی ہستی ہیں اعجاز بھائی۔ غالباً فرشتوں سے بھی زیادہ اونچے۔

سوتے جاگتے، مہربان، نامہربان۔ اچھے برُے لوگوں کے بیچ وہ تنہا، اداس

غمگین اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ میلے کا شور اب سناٹوں میں بدل رہا تھا۔

"میں کہاں جاؤں" ؟ مارے غم کے اُسے ہنسی آرہی تھی۔ ہر جذبہ اپنی شدت کو پہنچ کے اپنی ابتدا کو لوٹ آتا ہے۔ بچپن میں اس نے مذہبی کتابوں میں پڑھا تھا۔

"انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی، پچاس ہزار سال پہلے اس کی تقدیر لکھ دی جاتی ہے"۔

وہ اپنے آپ میں مسکرائی۔ "پھر میں یہاں کیا کر رہی ہوں۔ جو ہونا ہے وہ تو ہوگا ہی"۔!

اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ "تجھ سے مفر نہیں ہے۔ عبادت بھی تیری ہی، غصّہ بھی تجھی پر اور گلہ بھی تجھی سے۔ یہ بتا لکھنے والے کہ پچاس ہزار سال سے تو نے میری تقدیر کے ورق کو پلٹ کر دیکھا بھی ہے یا بس بھول گیا لکھ کے۔؟

ہونہہ۔ اور لکھا بھی کیا۔ سیاہ سیاہی سے سیاہ حروف۔ ارے ایک لفظ تو سنہری لکھا ہوتا"۔!!

ایک فقیرنی اپنے بچے کو سینے سے چمٹائے اس کے پاس آکھڑی ہوئی۔

"اے مائی۔ تیرا گھر والا، تیرا بچہ جیوے، میرے بچے کو کھانے کو کچھ دے دے"۔!

"مہتاب جنگ صرف اپنے آپ کو مت دیکھو دوسروں پر بھی نظر ڈال لیا کرو۔ اس کے بارے میں تمہاری مذہبی معلومات کیا کہتی ہیں۔؟ اس کے نصیب کیا سنہری پانی میں قلم ڈبو کر لکھے گئے ہیں۔؟ تم نے تو پھر بھی ایک خاص حصہ عمر کا، محبتوں، شفقتوں اور روپے پیسے کی ریل پیل میں گذارا ہے۔ گذارا ہے نا۔؟ اس کے بارے میں سوچو، یا اس سے پوچھو۔ جب یہ اپنے پر بیتنے والی باتیں بتائے گی نا تو تمہیں پتہ چلے گا کہ" ارے میرے غم تو کوئی غم ہی نہیں ہیں اس کے سامنے"۔!

وہ خالی الذہن، خالی خالی نگاہوں سے فقیرنی کو دیکھتی رہی۔

"اے مائی"۔ فقیرنی آس بھری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ کچھ دے نا"۔

"کیا چاہیئے"۔ وہ یونہی پوچھ بیٹھی۔

"آنہ - دو آنہ" وہ بڑی لجاجت سے بولی - اسے شاید یہ بھی نہیں معلوم کہ مدتوں پہلے آنہ دو آنہ بدل کر اب پیسوں میں حساب کتاب ہو گیا ہے -

"آنہ - دو آنہ تو میرے پاس نہیں ہے - اب تو پیسوں کا زمانہ ہے" وہ یونہی بات چلانے کی خاطر بولی -

"اے کیا کرے گا مائی - پانچ پیسہ - دس پیسہ میں تو ایک پاؤ بھی نئیں آتا - اپن کا دئی اچ جبان پہ آتا ہے آنہ - دو آنہ - کوئی کوئی جیاستی دے دیتا ہے تو اپن کا اور بچہ کا گُجارا ہو جاتا ہے"

کتنا پیسہ جوڑ لیا اب تک - اچانک اسے خیال آگیا، اخباروں میں کئی بار ایسی خبریں پڑھنے میں آتی ہیں کہ فلاں فقیر مردہ پایا گیا تو اس کی گودڑی میں سے ہزاروں روپے ملے -

"ارے مائی ہم کیا جوڑے گا - پیٹ بھرنے تک کا تو ملتا نئیں ہے"

"تو پھر گذارہ کیسے کر لیتی ہو"

"کوئی کوئی جن رات میں آکے سو جاتا ہے نا تو روپیہ دو روپیہ دے جاتا ہے - ایک دو دن نکل جاتا ہے اس سے"

مہتاب لرز گئی - عورت کی اس قدر ناقدری - ؟ اسے پسینہ آگیا -

"شادی نہیں ہوئی تمہاری" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا -

"شادی - ؟" فقیرنی زور سے ہنسی - "نئیں - شادی کیسے ہوئینگا - اور کون کرے گا - ایسے اِچ چلتا ہے بس"

"ایسے اچ چلتا ہے بس - مہتاب نے اس کا جملہ ذہن میں دہرایا -

لین دین - برنارڈ شا نے شاید ٹھیک ہی کہا ہے Marriage is a legal Prostitution شادی کر کے بھی یہی کچھ ہوتا ہے - ہونہہ -

اس نے فقیرنی کو غور سے دیکھ کر پوچھا۔

"عمر کیا ہو گی تمہاری۔"؟

"مالوم نئیں۔ ایک بابو میرے آنگ کو ٹٹول کر بولتا تھا بیس سے زیادہ کی نئیں دِکتی تُو۔

"کیا مالوم۔"

وہ خود بھی بیس کی تھی۔ کچھ مہینے کم ہی تھے۔ زندگی کیسے گذر جاتی ہے۔ بغیر آگاہ کئے۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اے مائی آنہ دو آنہ دے جانا۔" فقیرنی اُسے جاتا دیکھ کر لوکھلا گئی۔

"نوٹ کا چینج کروالوں تو دوں نا۔" وہ آئس کریم کے اسٹال والے سے بولی۔

"دو آئس کریم دینا۔"

آئس کریم والے نے ۲ کپ اس کی طرف بڑھائے۔

"نہیں۔ مجھے نہیں۔ اس عورت اور اس کے بچے کو دے دو۔"

فقیرنی نے بے پناہ حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ لاتعلق سی بنی کھڑی رہی۔ آئس کریم والے نے اسے چینج دیتے ہوئے بڑی حیرت زدہ نظروں سے دیکھا۔

فقیرنی آئس کریم کھاتے ہوئے اُسی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

"تم کہاں رہتی ہو۔" وہ بڑی ہمت جمع کر کے پوچھ رہی تھی۔

"ایئں۔ ؟ وہ آگے ہاتھ بڑھا کر بولی۔ "وہ۔ وہاں۔"

"آج رات میں تمہارے ساتھ رہ جاؤں۔"؟

اس نے بڑی سچائی سے پوچھا۔

فقیرنی کے ہاتھ سے کپ چھوٹ کر مٹی میں جا گرا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے لپک کر کپ اٹھایا اور مٹی جھاڑتی ہوئی بولی۔

"کیوں مسخری کرتی ہے مائی"

"نہیں۔ وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ مسخری نہیں کرتی ہوں سچ کہہ رہی ہوں۔ کتنے پیسے لوگی"

فقیرنی سراپا خلوص بن گئی۔

"اے مائی پیسہ کا ہے کا۔ جھونپڑا ہے میرا۔ اوپر ناریل کھجور کے پتے ڈلے ہیں۔ سردی یا بارش میں مصیبت ہوتا ہے پن یہ تو گرمی کا دن ہے نا۔ باہر بچہ کا کھٹولی تیرے کو ڈال دیوں گی۔ دو روپیہ دے دینا"

پاس پاس کئی ایسے ہی عبرتناک جھونپڑے تھے۔ مہتاب جنگ کو آتا دیکھ کئی عورتیں اپنے اپنے جھونپڑوں سے باہر آگئیں۔ تھوڑی دیر میں عجیب افراتفری مچ گئی۔

"یہ کوئی پرچے والی لگتی ہے" کسی مرد نے اپنی رائے جھاڑی۔

"فلم والی ہوگی نئیں تو۔ کوئی کوئی جنی اِدر میں اپن لوگ کا جھونپڑ پٹی کا لائف دیکھنے پریکٹس کرنے آتی ہے نا ایکٹنگ کا" کسی جوان سے لڑکے نے اپنی معلومات کا مظاہرہ کیا۔

"ارے یہ کوئی باہر کا میم صاب دکھیتی ہے۔ ادھر میں آکے ساڑی پہن کے ہندوستانی بن جاتی ہے نا جو لوگ"

"ہاں وہ ہرے راما ہرے کرشنا والی میم صاب لوگ"

"ہاں ہاں وہی اِچ ہوئے گا۔ دیکھ نا بال اک دم سنہری سونے کا مافق

ہے۔ اوپر سے آنکھ بھی نیلا نیلا ہے۔ اور رنگ ایک دم باہر کے میم صاب جیسا گورا بھک ہے"۔

"کیا بولتی کیا ہے"۔ کسی نے آگے بڑھ کر فقیرنی سے پوچھا۔

فقیرنی اچانک اہم بن گئی تھی۔ اپنے آپ کو ذرا اکڑا کر بولی۔

"میرے ساتھ آیا ہے میم صاب۔ تم لوگ کو کیا کرنے کا"؟

تو ہم کیا چھین رے ہے کیا تیری میم صاب کو۔ پن ہندی آتی کیا اس کو انگریجی تو کیا سمجھے گی"؟

"ارے نیئں نیئں اس کو ہندی بھی آتی انگریجی بھی"۔ فقیرنی ایک دم P.R.O بن گئی۔ "میرے کو بولتا تھا اس کو ادریں رہ کے ایک چوپڑی لکھنے کا ہے"۔

اس نے ذرا فخر سے مہتاب جنگ کو دیکھا۔ پتہ نہیں اسے کیوں یقین تھا کہ وہ اس کی کسی بات کو رد نہیں کرے گی۔

"میں کچھ کھانے کو لائی میم صاب"۔ فقیرنی دوسروں کو میم صاحب کہتا سن، خود بھی اسے میم صاب کہنے لگی۔

"نہیں نہیں۔ وہ اس خاطر مدارات سے گھبرا کر بولی۔ میں بس آرام کروں گی ذرا"۔

"نئیں نئیں۔ بھوکا کیسے سوئینگا میم صاب تم"؟ ایک ایک کے آگے ہاتھ پھیلانے والی، پیٹ بجا بجا کر بھوک کا اظہار کرنے والی اچانک ہی مہربان قسم کی میزبان بن گئی تھی۔

"تم لاؤ گی کہاں سے"۔ وہ دراصل کہنا یہ چاہ رہی تھی کہ تمہارے پاس ہو گا ہی کیا۔ لیکن وہ خاموش رہ گئی۔

"ارے اپن باجو والی سے مانگ لے گا نا میم صاب کل ادھاری چکا دینگا"۔

وہ بیحد خوشی سے بولی۔

"لیکن مجھے بھوک نہیں ہے تو کھاؤں کیسے۔" وہ بڑی مشکل سے مسکرائی۔

"تو چلئے چلینگا میم صاب۔"

"تھینک یو۔ مجھے بس سونے کی جگہ بتادو۔"

فقیرنی بھاگ کر ایک حددرجہ غلیظ کھٹولہ گھسیٹ لائی۔

"یہ میرے چھوکرے کا ہے میم صاب۔ تم کو چھوٹا پڑے گا۔ پن۔" اور وہ ندامت سے چپ رہ گئی۔

"اس کی کوئی بات نہیں۔ لیکن پھر تم کہاں سوؤگی۔"

وہ زمین کی طرف اشارہ کر کے۔ "یہ جمین جو ماں ہے نا۔ مرے بعد تو گود میں لیتی ہی ہے۔ جندگی میں بھی ساتھ دیتی ہے۔"

"تمہارا نام کیا ہے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"رجیا۔" وہ ذرا شرما کر بولی۔ سلطانہ۔"

مہتاب سُن رہ گئی۔ رضیہ۔ رضیہ سلطان! ماں باپ کتنے چاؤ اور ارمان سے کیسے کیسے نام رکھ دیتے ہیں۔ اس ملکہ رضیہ کو دیکھے کوئی۔ زندگی بھر سے ہاتھ لوگوں کے سامنے پھیلا ہوا ہے۔ گود میں ناجائز اولاد ہے۔ نہ گھر نہ بار۔ سڑک کے کنارے زندگی گذار رہی ہے۔

"اور تم کیا ہو مہتاب جنگ۔ تم تو چاند کا روپ ہونا۔ تمہارا نام کسی ملکہ یا شہزادی کا نہیں ہے۔ تو بھی تم کون سے عیش اُٹھا رہی ہو۔ کسی پر ترس کھانے سے پہلے خود پر بھی ایک نظر ڈالو۔ کسی محفل میں چلی جاؤ تو ساری آنکھیں فرشِ راہ ہو جائیں۔ لیکن تمہارے اس حسن کا کیا فائدہ ہے۔ تم میں اور رضیہ میں کیا فرق ہے؟ حیدرآباد دکن کے صاحبِ اقتدار وراثت یار جنگ کی پڑپوتی۔ آج تک "جنگ"

تمہارے نام کا حصہ بنا ہوا ہے۔ لیکن اس جنگ کا کوئی فائدہ ہے۔؟؟
کسی جنگ۔ کسی لڑائی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہم سب حالات کے مارے ہوئے ایسے مہرے ہیں جو زندگی کی بساط پر پٹ چکے ہیں۔۔۔

"یہ تکیہ لیو میم صاب"۔ فقیرنی نے بیحد چکٹ میلا ایک چیتھڑا سا بڑھایا۔

"نو۔ تھینک یو۔ مجھے تکیہ لینے کی عادت نہیں ہے۔ میں یونہی ٹھیک ہوں"۔

اس نے سونے سے پہلے سارے پیسے اور نوٹ بے حد احتیاط سے ساڑی کے پلّو میں دو دو گرہیں دے کر، کس کر باندھے اور اس کونے کو اپنی کمر میں اڑس کر آنکھیں بند کر لیں۔

"اب یہی میری ساری پونجی ہے اور اسی کے بل پہ مجھے یہ دنیا فتح کرنی ہے"۔

نیند اس کی آنکھوں سے ہزاروں لاکھوں میل دور تھی۔ دن بھر کے واقعات یاد آ آ کر اس کی سوچوں کو اور منتشر کر رہے تھے۔ "یہ سب میرے ساتھ ہوا ہے۔؟ میرے ساتھ"!! میلے کچیلے جھونپڑوں کی قطار میں ایک میلے کچیلے کھٹولے پر پڑی یہ میں ہوں۔ نواب وراثت یار جنگ کے خاندان کی آخری کرن"۔

اس نے بڑی مشکل سے جھلنگے کھٹولے میں کروٹ بدلی۔ "نہیں اب میں کچھ بھی نہیں سوچوں گی۔ اور سوچوں گی تو یقیناً پاگل ہو جاؤں گی۔ اور مجھے پاگل نہیں ہونا ہے۔ میں اپنے تمام تر حواسوں کے ساتھ زندہ رہوں گی۔ اس زندگی کے گن گن کر بدلے لوں گی۔ اس نادیدہ، انجانے، زندگی کے ہمسفر کو کھوجوں گی جو اس دنیا کی بے رحمیوں کے حوالے کر کے، مجھے تنہا چھوڑ کے کہیں روپوش ہو گیا ہے"۔

اس نے اندھیرے میں زمین کی طرف دیکھا۔ رضیہ اپنے بچے کو سینے سے لگائے زمین پر بے سدھ پڑی سو رہی تھی۔

"کاش میں بھی اسی طرح غافل ہو کر سو سکتی"۔ اس نے کرب کے ساتھ سوچا۔

نیند کتنی پیاری شے ہے۔ انسان کتنے سارے غموں سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے۔ بھلے چند گھنٹوں ہی کے لئے سہی۔!

پاپا کا انتقال ہوا تھا تو ممّی کس طرح بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ سب محلّے والے آ گئے تھے۔ انہیں پکڑ پکڑ کر بٹھا رہے تھے، لیکن وہ سب کی گرفت سے نکل نکل کر پاپا کی میّت کے پاس پہنچ جاتی تھیں ان کا چہرہ دیکھ دیکھ کر زور زور سے پکارتی تھیں۔ کتنی محبت تھی ان دونوں میں۔!

"میرے کو کس کے اوپر چھوڑ کر چلے گئے آقا آپ"۔ اخود بھی اتنے بڑے خاندان کی تھیں لیکن زندگی بھر پاپا کو آقا کہتی رہیں۔ کبھی کبھی میں ہنس کر غصہ ہو جاتی۔

"ممی آخر آپ پاپا کو یہ نوکروں کی طرح آقا کیوں کہتی ہیں"؟

"نکو چاند۔ وہ گول گول لہجے میں، آواز میں ممتا کا پورا شہد گھول کر کہتیں۔

"ایسا نئیں بولتے۔ شوہر بولے تو ہوتا اِچ بیوی کا آقا۔ لوگاں کیسا تو بھی شوہراں کے ناماں لیتے مالوم نئیں تم بھی پڑھ ماں اپنے میاں کو آقا اِچ بولنا"

ان کے "آقا"، چلے گئے تھے اور وہ پاگلوں کی طرح انہیں آوازیں دے رہی تھیں۔ حیدرآبادی نگوں کا جوڑا زندگی بھر ان کی کلائیوں سے چمٹا رہا۔ ہاتھ بھر بھر کے "سونا بائی" چوڑیاں۔ آس پاس نگوں کے جھم جھماتے کڑے۔ بیچ میں مصالحے کے کٹوری جڑے کڑے۔ خاندان بھر میں ان کے ہاتھ خوبصورتی کے لئے مشہور تھے۔ سدا مہندی سے رچے ہوئے۔ جب پاپا مرے ہیں چند ظالم بوڑھیاں پتھر لے کر آئیں اور ان کے ہاتھوں کے نگوں جڑے جوڑے، کڑے، سونا بائی چوڑیاں، پتھر مار مار کر توڑنے لگیں۔

"اگے نکو گے۔ یہ کیا کرتے ماں تُے"۔ وہ دہائی دیتی رہیں لیکن کوئی سننے کا روادار نہ تھا۔ پھر کلیاں کر کر کے ان کی مسّی دھلوائی گئی۔ رنگین کھڑا دوپٹہ

اتروا کے سفید موٹی ساڑی سر پر ڈالی گئی۔ سونے کے موتی اور سانچے لولو مرجان بھری کالی پوت، سہاگ لڑ کھینچ کھینچ کر، نوچ نوچ کر اتاری گئی۔

اور پاپا جو سدا انہیں پہنا اوڑھا دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے۔ خاموش گہوارے میں لیٹے رہے۔ کسی سے کچھ بھی نہ کہا کہ "کیوں اُنکے بے چاری پر ظلم کرتے۔" چیخ چیخ کر روتے روتے ممی بے حال ہو گئیں تو کسی نے چائے میں نیند کی گولیاں ملا کر زبردستی انہیں پکڑ باندھ کر وہ چائے پلا دی۔ پھر جو سوئیں تو جنازے کے روانہ ہوئے بعد ہی جاگیں۔ شاید اس دن ممی کو زبردستی کی نیند نہ سُلایا جاتا تو وہ خود بھی مر ہی جاتیں۔

کاش کوئی مجھے بھی نیند کی گولیاں کھلا کر سُلا دے"۔

ایک ساتھ چھالے کی جلن اور پیٹ کی جلن نے سر اٹھایا۔ اس نے ہتھیلی کی پشت اندھیرے میں منہ سے قریب لا کر پھونک ماری۔ شاید اسی طرح جلن کم ہو جائے۔ زخم نہ بن جائے۔ سیدھا ہاتھ ہے۔ کام تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ کل دیکھوں گی اجالے میں کتنا گہرا زخم ہے۔

بھوک کی ایک جان لیوا تیز لہر پیٹ میں اٹھی اور حلق تک بڑھی۔ ہاں میں نے کب سے کچھ نہیں کھایا۔ ؟؟ لوگ اپنے پیاروں کو، جگر کے ٹکڑوں کو قبر میں دفنا کر آتے ہیں۔ روتے ہیں، سسکتے ہیں، لیکن ہاتھ دھو کر دستر خوان سے لگ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اگر پیٹ نہ ہوتا۔ بھوک نہ ہوتی۔ تو۔ تو شاید دنیا کی کچھ اور ہی شکل، ہیئت اور صورت ہوتی۔

وہ منہ تک آنے والی بھوک کی اُبکائی کو روکتے ہوئے چلائی۔ بے صدا آواز سے
بھوک اور غموں سے لڑتے لڑتے I WANT SOMETHING TO EAT

پتہ نہیں کب اسے جھپکی آگئی ۔

چاروں طرف صبح کا خوشگوار لیکن مٹمٹیا سا اُجالا پھیل رہا تھا۔ ابھی تک بھی سب سوئے پڑے تھے ۔ "سب کے اٹھنے سے پہلے مجھے یہاں سے چل دینا چاہئے ورنہ میں ایک تماشہ بن کر رہ جاؤں گی" ۔ وہ بہت دھیرے دھیرے اُٹھی۔ بیس روپے کا ایک نوٹ پلّو میں سے نکالا۔ بہت آرام سے رضیہ کے بلاؤز کے گلے میں سرکا کے، وہ تھوڑی دیر یونہی کھڑی رضیہ اور اس کے بچے کو دیکھتی رہی ۔

"کون جانے وقت مجھے بھی تم جیسی زندگی گذارنے پر مجبور کر دے" ۔ اپنے بھیانک خیال پر وہ خود ہی لرز سی گئی ۔ آگے بڑھتے، پیچھے مُڑتے، وہ رک گئی ۔

"رضیہ، تم مجھے ہمیشہ یاد آؤ گی ۔ تم نے ایک بے سہارا لڑکی کو، خود نادار ہونے کے باوجود، ایک رات کے لئے سہی ،۔ چھت ۔ وہ ہنسی ۔ چھت تو وہاں تھی ہی نہیں ۔ چلو چھت نہ سہی، سہارا تو دیا ۔ ورنہ پتہ نہیں اس بے رحم اور سفّاک شہر میں، جہاں پہلی ہی رات میرا مول لگ رہا تھا ۔ پچاس روپے اور ادّھا ۔ ! میرا کیا حشر ہو جاتا ۔

"خدا حافظ رضیہ ۔ آئی ول آل ویز مس یُو I'll ALLWAYS MISS YOU

پیدل چلتے چلتے وہ جانے کتنی دور نکل آئی ۔ سورج نکل آیا تھا ۔ ہر سو اُجالے پھیل رہے تھے ۔ سوائے اس کی اپنی قسمت کے ۔ !

"اللہ ۔ تیرا کس زبان سے شکر ادا کروں کہ یہ دن ہے ۔ دن کتنا محفوظ اور مہربان لگتا ہے اور رات ۔ ؟ اپنے بے پناہ حسن کے باوجود ۔ نامہر ۔ ڈراؤنی اور رُلانے والی ۔ اللہ میاں کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اب کبھی رات آئے ہی نا" ؟

اس نے ایک ٹیکسی جاتے دیکھی تو غیر ارادی طور پر ہاتھ ہلا دیا ۔

ٹیکسی والے نے ٹیکسی روکی۔ میٹر گرایا اور سر باہر نکال کر پوچھا۔

"کہاں جانا ہے"۔؟

"کسی بھی ہاسپٹل۔ یا ڈسپنسری"۔ اس نے ہاتھ کی پشت کو دباتے ہوئے بڑی مشکل سے سسکی روکی۔

"کھار۔ فورٹینتھ روڈ پر ایک اچھا ڈاکٹر ہے۔ وہاں لے چلوں"۔

وہ دروازہ کھول کر تیزی سے اندر گھسی اور بے دم سی ہو کر پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گئی۔

ٹیکسی کا بل دے کر اس نے مرتی ہوئی نگاہوں سے کلینک پر لگا بورڈ دیکھا۔

ڈاکٹر رضا ہمدانی ... ڈگریوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے آگے وہ کچھ نہ پڑھ سکی۔ وہ سیڑھیوں پر ڈھیر ہو چکی تھی۔

جس کمرے میں اس کی آنکھ کھلی وہ خوابوں کا شبستان تھا۔

خوشگوار ہوا سے ریشمی پردے جھول رہے تھے۔ دیواروں پر ہلکے کریم کلر کی ہلکے چاکلیٹی شیڈ کے ساتھ کلر اسکیم تھی۔ بڑی بڑی کھڑکیوں میں خوبصورت بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ گل دانوں میں پھول مہک رہے تھے۔ جس بستر پر وہ لیٹی تھی اس پر مخملیں گدے اور پولی اسٹر کی بڑے بڑے پھولوں والی نفیس چادر اور اسی کی میچنگ کے غلاف، تکیوں پر لگے تھے۔ پیروں پر ریشمی چادر پڑی ہوئی تھی۔ سر پر خوشگوار شائیں شائیں کی آواز کے ساتھ کریم کلر کا پنکھا ہوا بکھیر رہا تھا۔ قالین اور صوفے بیحد شاندار تھے۔

بازو ٹیبل پر دوائیں رکھی ہوئی تھیں اور ناشتہ کی ٹرے۔

اس نے یہ سب کچھ بیحد حیرت سے دیکھا۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت سے سامنے کھڑے، خود اس پر قدرے جھکے ہوئے، اسٹیتھسکوپ لگائے ایک حد درجہ

مہربان اور مسکراتے چہرے کو دیکھا۔

اُسے آنکھیں کھول کر، گردوپیش کا جائزہ لیتے دیکھ کر مہربان چہرہ مسکرایا اور ایک خوبصورت آواز نے اس کے کانوں کو زندگی سے روشناس کروایا۔

"خدا کا شکر ہے آپ نے ہوش میں آتے ہی یہ نہیں پوچھا کہ "میں کہاں ہوں" ورنہ خاصا فلمی سین ہو جاتا"

اس کی سمجھ میں نہ آیا ہنسے، مسکرائے یا صرف خاموش رہے۔ حیرت نے اُسے اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

"کم سے کم آپ مسکرا تو سکتی ہیں" اُسی خوبصورت آواز نے اسے مخاطب کیا۔

"جی۔ جی" وہ واقعی مسکرادی۔

"اب آپ اچھی بچیوں کی طرح اٹھ کر پہلے منہ ہاتھ دھوئیں گی اور پھر ناشتہ کریں گی۔ دیکھئے آپ کی پریشانی میں۔ میں بھی ابھی تک ناشتے چائے اور سگار، ہر نعمت سے محروم ہوں"

سگار کا نام سنتے ہی غیر ارادی طور پر اس نے اپنی ہتھیلی کی پشت کو دیکھا۔ وہاں صاف ستھری بینڈیج کی ہوئی تھی۔

"جی ہاں" وہ بغیر اس کے سوال کئے اسی سے مخاطب تھے "میں نے آپ کے ہاتھ کا زخم دیکھ لیا تھا۔ میں اپنے بنگلے سے نکل کر آیا۔ جی ہاں میرے بنگلے سے ملحق ہی میرا یہ کلینک ہے۔ تو کلینک کی سیڑھیوں پر آپ کو بے ہوش پڑا پایا۔ مجھے سخت تشویش ہوئی۔ نرس کی مدد سے میں نے آپ کو اٹھایا اور بجائے کلینک کے یہاں اپنے بنگلے میں۔ اپنے کمرے میں لے آیا۔ میں دراصل آپ کا تفصیلی معائنہ کرنا چاہتا تھا۔ کیا آپ شادی شدہ ہیں۔"؟

"ج۔ جی۔ نہیں" وہ گھبرا کر بولی "آپ نے میری بے ہوشی میں میرا

معائنہ... شرم، سے اچانک اس کے ہونٹ سل گئے۔

"نا۔ نا۔ نا۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے بیحد مطمئن کر دینے والے انداز میں بولے۔" میں ایسی حماقتیں نہیں کیا کرتا۔ ویسے بھی بے ہوش مریض، یا مریضہ کو سب سے پہلے ہوش میں لانا طبی نقطۂ نظر سے سب سے زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ وہ رُکے۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ آپ شادی شدہ نہیں ہوں گی۔"

انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ سر سے پیر تک لرز گئی۔

"میری کیا حیثیت ہے۔ میں شادی شدہ ہوں۔ یا کنواری" وہ خواہ مخواہ اپنے جلے ہاتھ کی بینڈیج دیکھا کی۔

"محترمہ۔ میرا نام ڈاکٹر رضا ہمدانی ہے۔ آپ کی دعاؤں کی بدولت امریکہ سے ایف آر سی ایس کیا ہے۔ سرجن بھی ہوں اور فزیشین بھی۔ اور سب سے بڑھ کر ایک انسان بھی۔ چلئے میں نے اپنا تعارف کروا دیا۔ اب آپ اس حقیر فقیر کو چند لقمے توڑنے کی عنایت عطا کریں گی۔"؟؟

وہ بری طرح شرمندہ ہو گئی۔

ڈاکٹر صاحب۔ آئی ام سوری۔ آئی ایم ریلی سو سوری ٹو ٹربل یو۔

I AM REALLY SO SORRY TOTROUBLE YOU

آپ پلیز ناشتہ کر لیں۔

"اور آپ"؟ انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"جی مجھے بھوک نہیں ہے۔ وہ منہ پھیر کر بولی۔

"جی میں خاصا قابل ڈاکٹر ہوں۔ جب میں نے آپ کو بے ہوش پایا اور آپ کا سرسری معائنہ کیا تو پتہ چلا کہ آپ کم سے کم چوبیس گھنٹوں سے سخت بھوکی ہیں۔ اعصابی تناؤ کا شکار ہیں۔ پریشان ہیں اور وہ اچانک رُکے۔

"آپ کیا سمجھتی ہیں محترمہ کہ میں اس بات پر یقین کر لوں گا کہ آپ کے ہاتھ کے اس زخم کی وجہ سے آپ بے ہوش ہوئی تھیں۔۔؟؟ قطعاً نہیں۔ آپ کے دل دماغ اور اعصاب پہ کسی اچانک صدمے کا گہرا اثر ہے جسے فی الوقت میں جان نہیں پایا۔ دراصل مریض یا مریضہ۔۔۔

وہ کچھ رکے، مسکرائے۔" دراصل محترمہ میں اتنا بولتا نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو خاصا کنجوس واقع ہوا ہوں گفتگو کرنے میں۔ لیکن پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے مجھے آپ کو اچانک پا کر۔۔۔ اک دم وہ بوکھلا کر بولے۔ میرا مطلب تھا آپ کو اچانک بے ہوش دیکھ کر اور اب ہوش میں پا کر۔۔۔

مہتاب کو پہلی بار دل سے ہنسی آئی۔

"آپ ابھی ابھی ہنستی ہوئی اس قدر خوبصورت لگیں۔ وہ اچانک ٹھٹھک کر مسکرائے۔" آپ یقین کریں۔ میں نے اپنی اتنی لمبی زندگی میں پہلی بار کسی خاتون کی یوں تعریف کی ہے۔ دل سے نکلی ہوئی سچی تعریف۔۔۔۔

"اتنی لمبی زندگی۔۔۔ ان کے الفاظ دہرا کر مہتاب ہنسی۔" اب "اتنی لمبی زندگی" بھی نہیں لگتی آپ کی۔ خاصا جھوٹ بھی بول لیتے ہیں آپ۔"

"نا۔ نا۔ نا۔ محترمہ۔ میں نے عمرِ عزیز کے پورے ۳۷ سینتیس سال پورے کر لئے ہیں۔" وہ مسکرائے۔ اور وہیں پاس پڑے صوفے پہ ٹک گئے۔

"اوہ۔ نو۔" وہ حیرت سے بولی۔

"اوہ۔ یس۔" وہ اس کی نقل کر کے بولے۔ پھر اک دم مسکرا کر بولے۔ "بس اب آپ فوراً اٹھ کھڑی ہوں۔ یہ ساتھ ہی اٹیچڈ باتھ ہے۔ آپ فریش ہو کر آ جائیں۔"

"لیکن مجھے قطعاً بھوک نہیں ہے۔ میں آپ سے واقعتاً صحیح عرض کر رہی ہوں۔"

"مجھے پتہ ہے۔ اور وہ اس وجہ سے آپ خود کو بھوکی محسوس نہیں کر رہی ہیں کہ

آپ کی بے پناہ کمزوری کی وجہ سے میں نے آپ کو گلوکوز کی ڈرپ چڑھادی تھی اور چونکہ گلوکوز ایک مکمل ڈائٹ ہے اس لئے ویسے آپ بھوک محسوس نہیں کر رہی ہوں گی، لیکن اب آپ کو کچھ نہ کچھ کھا پی لینا چاہیئے کیونکہ اس واقعے کو بھی مدتیں گذر چکی ہیں"۔ وہ ہنسے۔

"مطلب۔"؟

"مطلب یہ محترمہ کہ آپ کل میرے کلینک کے سامنے بے ہوش پڑی پائی گئی تھیں۔ آج دوسرا دن ہے"۔

"اور۔ اور۔ وہ گھبرا کر بولی"۔ مطلب یہ کہ میں رات بھر۔۔۔

"جی ہاں"۔ ان کے چہرے پر خفیف سی پریشانی آکر گذر گئی۔

"آپ کی بیگم صاحبہ نے کیا سوچا ہوگا"۔

وہ ایک لمحے کو ٹھٹکے۔ پھر مسکرا کر بولے۔ "جی ابھی تک تو اس بیگم صاحبہ قسم کی وبا سے قطعاً محفوظ ہوں"۔

وہ اک دم بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "تو۔ تو۔۔۔

"تو۔ کے آگے بھی کچھ کہئے"۔ وہ مسکرائے

"میں۔" وہ پھر رک گئی۔

"جی نہیں۔ آپ کے لئے تردّد کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ سارا وقت آپ کے ساتھ نرس رہی ہے"۔

"اوہ۔" اس نے ایک زوردار ٹھنڈی سانس بھری۔

"اچھا ہے کچھ سانسیں اسی طرح لے لیجئے۔ بلکہ کھڑکی کے پاس کھڑی رہ کر لیجئے تو زیادہ آکسیجن آپ کو مل جائے گی۔ کیونکہ کھڑکی باغ میں ہی کھلتی ہے۔"

مہتاب دھیرے دھیرے اُٹھ کر چلتی ہوئی کھڑکی تک پہنچی۔ ڈاکٹر رضا حیرت سے اس حسن کے مکمل اور بے پناہ مجسّمے کو دیکھتے رہے۔ ان کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ سنہری موٹی چوٹی بلا مبالغہ اس کے گھٹنوں کو چھو رہی تھی۔

"آپ بال کھولتی ہوں گی تو غالباً زمین تک پہنچ جاتے ہوں گے وہ"۔ اچانک ہی ان کے منہ سے نکلا۔

وہ حیرت زدہ سی پلٹی۔ "جی"۔ پھر اچانک اس کے چہرے پر شرم سی چھا گئی۔ اس ایک لمحے میں انہوں نے دیکھا کہ اس کا بیضوی چہرہ اس قدر گورا تھا کہ بلا مبالغہ اس پر چاند کا شبہ بلکہ یقین ہوتا تھا۔ آنکھیں نیلے آسمان کی طرح شفاف اور کانچ کی طرح چمکیلی تھیں۔ ناک دونو صبیح رخساروں کے بیچ میں بیحد متانت کے ساتھ کھڑی تھی۔ ہونٹ اس قدر بے قرار اور کانپتے ہوئے سے تھے کہ ہر لمحہ لگتا تھا کہ کچھ بولنا چاہتے ہیں۔ بول پڑیں گے۔ بس کانپتے رہتے ہیں۔ بعض انسانوں کو اللہ اس قدر مکمل حسن کیسے دے دیتا ہے۔ کیا خود اپنے ہاتھوں ڈھالتا ہوگا"؟ انہوں نے عجیب تر سے ہوئے انداز سے سوچا۔

وہ ان کی نگاہوں کی زد سے بچنے کی خاطر واش روم کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کا سراپا۔ اس کے چلنے کا انداز۔ اس کے قدم اٹھانے کی نزاکت۔ اس کے جسم کی سجاوٹ کہ گردن سے لے کر کمر، قد، قامت ہر ہر نقش مکمل تھا۔

"آپ جب بھی بیمار ہوا کریں۔ میرے ہی غریب خانے پر تشریف لایا کریں"۔ انہیں خود سے اس قدر حماقت زدہ جملے کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ لیکن اب جملہ منہ سے پھسل چکا تھا۔ وہ حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھتی، زیر لب مسکراتی اندر چلی گئی۔

واپس آئی تو وہ چاند سورج کی طرح جگمگا رہی تھی۔

نازک نازک انگلیوں میں چائے کی پیالی تھام کر جب اس نے ڈاکٹر رضا کی طرف بڑھائی تو وہ خوش دلی سے ہنس کر بولے۔

"آپ کے چائے بنا کر پیش کرنے کا انداز بتا رہا ہے کہ آپ بہت اعلیٰ خاندان کی لڑکی ہیں۔"

وہ جھک کر اب اپنے لئے چائے بنا رہی تھی۔ ان کی بات سن کر وہ کتنی ہی دیر یونہی جھکی کی جھکی بیٹھی رہی۔

"آپ نے شاید سنا ہو۔ یا نہ بھی سنا ہو۔ بڑا مشہور نام رہا ہے حیدر آباد دکن کی تاریخ میں نواب وراشت یار جنگ۔ میں ان کے خاندان کی آخری یادہوں۔" وہ دھیرے دھیرے چائے میں چینی ہلا رہی تھی۔

"میرا نام مہتاب جنگ ہے۔ میں انگلش سے بی۔ اے پاس ہوں۔ بمبئی آئے اتنے کم دن ہوئے ہیں کہ مجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ اس وقت میں کس لوکلٹی، کس ایریا، یا کس جگہ پر بیٹھی ہوں۔ بمبئی پورا دیکھنے کی بات تو چھوڑ دیئے۔ ایک یا دو بار گھر سے نکلی ہوں گی بس۔ باندرہ میں فلیٹ ہے۔ جی نہیں فلیٹ تھا۔ اور پلیز فار گاڈ سیک اب آپ مجھ سے اور کوئی سوال نہیں کریں۔" یہ کہتے کہتے اس نے آنکھیں اوپر اٹھائیں تو نیلے گہرے نین کٹورے چھلک پڑنے کو بے قرار تھے۔

ڈاکٹر رضا اٹھ کھڑے ہوئے۔ کھڑکی کے پاس جاکر مہتاب کی طرف پشت کر کے وہ دھیرے دھیرے بولے۔

"میں اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت گردانتا اگر آپ مجھے صرف ایک سوال کرنے کی جرأت، مہلت، موقع یا اجازت دیتیں۔ لیکن آپ نے فار گاڈ سیک کہہ کے ساری راہیں بند کر دی ہیں۔ خیر۔ میں سوال نہیں کر سکتا آپ تو کر سکتی ہیں۔ کیونکہ اتنا میں جانتا ہوں کہ آپ ضرورت مند ہیں۔"

"آپ مجھے کسی اچھے سے دارالامان کا پتہ بتا سکتے ہیں۔"؟

"واٹ"؟ وہ تیزی سے مڑے۔

دارالامان۔؟ واٹ ڈو یو مین؟

WHAT DO YOU MEAN? ARE YOU IN YOUR SENSES

وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

"اگر آپ کو اتنی معقول اردو نہیں آتی تو میں سیدھی سادی ہندی میں سمجھا دوں۔"ناری سُدھار گھر" وہ سر جھکا کر خاموش بیٹھ گئی۔

"ناری سُدھار گھر"؟ وہ تلملا سے گئے"آپ کو اندازہ ہے آپ کیا کہہ رہی ہیں"۔

"جی ہاں مجھے اندازہ ہے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں"۔

"آپ۔آپ وہاں رہیں گی جا کر"۔ وہ لفظ وہاں پر زور دے کر بولے۔ پھر گھبرا کر اپنے سوال کی وضاحت کرنے لگے۔ دیکھئے میں قطعاً آپ سے کوئی سوال نہیں کر رہا ہوں کیونکہ آپ نے منع فرما دیا ہے۔ یہ بات آپ کے سوال سے نکلتی ہے دراصل۔ کیونکہ سوال آپ کا ہے نا... اسی لئے....

وہ اداس سے ہو کر چپ رہ گئے۔

"دیکھئے ڈاکٹر رضا ہمدانی صاحب"۔ وہ بڑے نرم لہجے میں بول رہی تھی، لیکن کہیں نہ کہیں طنز کی ایک کاٹ ضرور اس لہجے میں موجود تھی۔

"یہ اس طرح کے گھر ہم جیسیوں کے لئے ہی ہوتے ہیں۔آپ سوچ رہے ہوں گے کہ سدھار گھر کا مطلب تو یہ ہوا کہ بگڑے ہوؤں کو سُدھارا جائے۔ لیکن میرے خیال سے ایسے گھروں میں صرف بگڑی ہوئی عورتوں کے لئے ہی نہیں بلکہ بے سہارا عورتوں کے لئے جائے پناہ یہی گھر ہوتے ہیں"۔

نہیں کہ میں کس کی ہمسفر ہوں۔ وقت کی زنجیر نے مجھے کسی ایسے ان دیکھے ساتھی کے ساتھ باندھ دیا ہے کہ تلاش کے سارے راستے بند ہیں۔ میں اسے کھوجوں گی رضا ہمدانی۔ اپنے بدن کی چاندی اور بالوں کا سونا، راکھ اور مٹی کا ڈھیر کر دوں گی لیکن اس کی کھوج جاری رکھوں گی اور کون جانے کب تک چلتی رہوں۔ تھکوں گی نہیں رضا ہمدانی۔ جب تک دو نینوں کے یہ چراغ بجھ نہ جائیں . . .

"سو کائنڈ آف یو! SO KIND OF YOU تھینک یو سو مچ —

خدا حافظ"

وہ تھکے تھکے قدموں سے دو چار قدم ہی چلی ہو گی کہ ڈاکٹر رضا بے تابی سے آگے بڑھ کر اپنے دونو ہاتھ پھیلا کر اس کا راستہ روکتے ہوئے بولے۔

"میں آپ کو جانے سے کیسے روک سکتا ہوں، لیکن آپ میری پیشنٹ رہ چکی ہیں اور ایز اے ڈاکٹر، میں آپ کو ہرگز اڈوائس نہیں کروں گا کہ آپ اتنی کمزوری کے عالم میں، یوں اکیلی، اور وہ بھی پیدل کہیں جائیں۔ میں۔ میں... آپ کو ہرگز ہرگز ایسے نہیں جانے دوں گا" ان کی آواز میں اچانک بھراہٹ آگئی جیسے ابھی ابھی رو پڑیں گے۔

مہتاب بے بس سی وہیں کھڑی رہ گئی۔ وہ انہیں بڑی دیر تک دیکھا کی۔

"یہ شخص۔ یہ شخص آخر کس حد تک مہربان ہو سکتا ہے"!!

اُن کے ملیح اور معصوم سے چہرے پر عجیب اداسی چھا کر رہ گئی تھی۔ بالوں میں اکا دکا سفید بال تھا لیکن قلمیں اچھی خاصی گرے تھیں جس کی وجہ سے اُن کی وجاہت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے سجیلے قد و قامت سے کسی بھی لڑکی کے دل میں گھر بنا سکتے تھے۔ اس وقت وہ کیسے بچوں کی طرح معصوم نظر آ رہے تھے!

"بے سہارا۔"؟ ڈاکٹر رضا نے بے چارگی سے منہ کھولا پھر چپ رہ گئے۔

"آپ چاہیں تو . . . . وہ اٹک اٹک کر بولنے لگے۔ دیکھئے سوال اور مشورے میں فرق ہوتا ہے۔ میں سوال نہیں کر رہا ہوں مشورہ دے رہا ہوں۔ ابھی آپ بتا رہی تھیں کہ آپ بی۔اے پاس ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ میرے ! کسی کلینک میں کوئی جاب کر لیں۔ کسی بھی قسم کا۔ میں آپ کو باقاعدہ تنخواہ دوں گا۔ رہنے کے لئے اسی بنگلے میں ایک کمرہ دوں گا۔ آپ کی کمپنی اور دد سراہٹ کے لئے. . . .

"آپ دارالامان کا پتہ دے رہے ہیں مجھے۔"؟ وہ بے صد زمی سے بولی۔

ڈاکٹر رضا نے ٹیبل پر پڑی نوٹ بک اٹھائی۔ اس پر بے دلی سے کچھ لائنیں گھسیٹیں اور کاغذ اس کے آگے بڑھا دیا۔ پھر ایک دوسری بک میں سے ایک کاغذ پھاڑ کر اسے دیتے ہوئے بولے۔

"اس کاغذ پر میرا نام پتہ۔ فون نمبرز، سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ خدا نہ کرے کہ زندگی میں آپ پر کوئی مصیبت پڑے۔ بہر حال آپ میرے دروازے سدا اپنے لئے کھلے پائیں گی۔"

وہ جانے کے لئے اٹھی تو دل بھاری بھاری سا تھا۔ ڈاکٹر رضا بڑے صبر کے ساتھ دروازے تک آئے۔

"یہ سوال نہیں ہے۔ گذارش ہے۔ التجا ہے ریکوئسٹ ہے۔ آپ کو اپنی گاڑی میں آپ کی منزل تک چھوڑ آؤں۔"؟

"ڈاکٹر رضا ہمدانی۔ میری منزل۔؟؟ مجھے خود پتہ نہیں میری منزل کہاں ہے۔ کیا ہے۔ آپ میرا کہاں تک ساتھ دیں گے۔؟ اور کس رشتے سے دیں گے؟ آپ کو پتہ نہیں میں شادی شدہ ہوں۔ ! یہ اور بات ہے کہ خود مجھے ہی پتہ

مہتاب کو ان پہ ترس سا آ گیا۔

اس نے خاصا غیر تعلق سا سوال اچانک ہی ان سے پوچھ لیا۔

"آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی"۔ وہ مسکرائے۔

"چلئے اندر بیٹھ کر کچھ دیر باتیں کرتے ہیں"۔

وہ ان کے، ہاتھ سے اشارہ کرنے پر فرمان بردار بچی کی طرح کھنچی چلی آئی۔

وہ، جب تک مہتاب بیٹھ نہ گئی، کھڑے رہے۔ وہ بیٹھ گئی تو خود بھی آپ صوفے پر گر سے گئے۔

اچانک ان کی نظر ٹیبل پر پیپر ویٹ کے نیچے دبے ہوئے نوٹ پر پڑی۔

انہوں نے تیزی سے نوٹ اٹھایا، الٹ پلٹ کر دیکھا اور حیرت سے بولے۔

"یہ سَو کا نوٹ کہاں سے آگیا یہاں"؟ انہوں نے مہتاب کی طرف دیکھا۔

مہتاب نیچے خواہ مخواہ اپنے پیروں کو دیکھ رہی تھی۔

وہ اپنے غصّہ کو دبا کر، بہت ضبط کے ساتھ بولے۔

"تابی۔ یہ روپے تم نے یہاں رکھے تھے"؟

مہتاب اک دم گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

تابی۔!

تابی۔!!

تابی۔!!!

وہ اپنے لہجے کی بے پناہ اپنائیت سے خود بھی بے طرح خائف ہو گئے۔ اپنے گھنے بالوں کو ایک ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے وہ سراسیمہ سے انداز میں بولے۔

"معاف کیجئے گا مس مہتاب جنگ۔ میں.... میں دراصل....

وہ پریشان سی ہو کر انہیں خود ہی تسلی دینے لگی۔

"جی نہیں آپ معافی کس بات کی، مانگ رہے ہیں۔ مجھے کئی لوگ۔ خود میری ساری سہیلیاں پیار سے تابی ہی کہتی ہیں۔"

"پیار سے۔ وہ حیرت زدہ سے ہو کر بولے۔ جی ہاں دراصل میں..... میں نے بھی اپنائیت ہی سے آپ کو تم بھی کہہ دیا اور نام.... خیر وہ نوٹ پھر سے اسے دکھاتے ہوئے بولے۔

"میرے اس بیڈ روم میں، سوائے میرے، یا پھر نوکروں کے، کوئی نہیں آتا۔ کسی کے روپے یہاں رکھ کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ براہ کرم بتائیں گی کہ آپ نے کس طرح جرأت کی کہ میرے خلوص کا اس طرح مذاق اڑائیں"؟ وہ قطعاً سنجیدہ اور ساتھ ہی رنجیدہ نظر آ رہے تھے۔

"دیکھئے ڈاکٹر صاحب۔ وہ بڑی معصومیت اور متانت سے ہاتھ اٹھا کر انہیں سمجھانے لگی۔"

"یہ ہاسپٹل۔ یا کلینک یا ڈسپنسری، جو بھی آپ نے کھولی ہے، خیراتی تو نہیں نا۔ میں تو یہاں بس، یوں آ گئی تھی کہ ٹیکسی والے نے آپ ہی کے دروازے پر لا کر چھوڑا۔ میں اگر.....

اُن کے چہرے پہ دکھ کا ایک سایہ سا آ کر گذرا۔

"یعنی مطلب یہ کہ اگر ٹیکسی والا یہاں لا کر نہ چھوڑتا تو آپ نہ آتیں۔....؟ اُن کے لہجے میں ایک ایسی فہمائش تھی کہ "خدا کے لئے اب یوں جواب نہ دیجئے گا کہ واقعی نہ آتی"۔ اچانک مہتاب کو ہنسی آ گئی۔

"آپ تو بڑے سخی داتا ہیں۔ مفت علاج بھی کرتے ہیں۔ گھر پہ مہمان بھی رکھتے ہیں اور الٹے پیسے بھی واپس کر دیتے ہیں۔ اوپر سے غصہ بھی ہو جاتے ہیں"۔

کوئی چہرہ ہنسی سے ایسے بھی جگمگا سکتا ہے؟ ڈاکٹر رضا نے بے پناہ

حسرت سے اسے دیکھا۔

"یوں ہنسیں نہیں۔ برائے خدا یوں نہیں ہنسیں آپ تو ایک بار ہنس دیں گی، اور ہم ساری زندگی روتے رہیں گے۔" وہ منہ سے کچھ نہ بولے۔ دل ہی دل میں اسے نہارتے رہے۔

"دیکھئے ڈاکٹر صاحب۔" انہیں مستقل خاموش پا کر وہ پھر سے گویا ہوئی۔ "آپ اگر لوگوں کا یونہی مفت علاج کرتے رہیں گے نا۔۔۔۔

وہ اچانک چونک کر ذرا غصہ سے بولے۔ "آپ لوگوں میں شامل نہیں ہیں۔"

بڑی دیر خاموشی رہی۔

مہتاب اپنے زخم کی بینڈیج کو خواہ مخواہ ہاتھ گھما گھما کر دیکھتی رہی۔

"ٹھیک ہو جائے گا ایک دو دنوں میں۔" وہ محض خاموشی کی سل کو توڑنے کی خاطر بولے۔

مہتاب نے ایک بار نظر اٹھا کر بس تھوڑی سی دیر کو انہیں دیکھا۔

"اور میں بحیثیت ایک ڈاکٹر کے آپ کو حکم دیتا ہوں کہ جب تک آپ کی کمزوری پوری طرح دور نہیں ہو جاتی۔ آپ کمپلیٹ BED REST لیں گی۔ جو میں کھلاؤں گا۔ آپ کھائیں گی۔ جو میں کہوں گا۔ وہی آپ کریں گی۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر، جیسے بچوں کو تنبیہہ کرتے ہیں، ذرا سختی سے کہا۔ "اینڈ نو آرگیومنٹ AND NO ARGUEMENT."

"اصل میں میں۔" وہ بولتے بولتے رک گئی۔

"جی فرمائیے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ بات آپ کے جانے سے متعلق نہ ہوگی۔" وہ مسکرائے۔

"ناؤ گو اہیڈ NOW GO AHEAD"

وہ ذرا ندامت سے بولی۔

"اس وقت تو میں باہر جا کے کچھ شاپنگ کرنا چاہ رہی تھی۔"

"جی۔"؟ وہ حیرت سے ذرا آگے جھک کر بولے۔ اس کمزوری میں۔"؟

وہ جلدی سے بول گئی۔ "اصل میں میرے پاس جسم کے اس جوڑے کے علاوہ ایک بھی کہ ا میر ب تی چا تی تھی دارالامان۔ میرا مطلب ہے" ناری سدھار گھر" جانے سے پہلے بس کم سے کم سستے قسم کی ۱-۲ ساڑیاں ہی خرید لیتی....

ان کے چہرے پہ کرب سا پھیل گیا۔ بڑی مشکل سے بولے۔ "مس مہتاب جنگ۔ آپ سوچیے آپ کس خاندان کی چشم و چراغ ہیں اور آپ یہ کہاں جانے کا سوچ رہی ہیں۔ چلئے آپ میرے پاس کام نہیں کرنا چاہتیں نہ سہی، میرے کئی ملنے جلنے والے ہیں اور بڑے اچھے لوگ ہیں اور آپ خود بی اے پاس ہیں تو.... میں آخر آپ کو کیسے سمجھاؤں....

وہ دھیرے سے بولی۔ "کبھی وقت آئے گا تو میں خود آپ کو سمجھاؤں گی۔ لیکن پلیز اس وقت آپ مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیجئے۔"

ڈاکٹر رضا ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کھڑے ہو گئے۔ "چلئے آپ کو شاپنگ کروا لاؤں۔"

"جی۔"؟؟ وہ اپنی ہیرے موتیوں والی آنکھیں جھپکا کر حیرت سے بولی۔ "آپ۔؟ آپ مجھے شاپنگ کروائیں گے۔"

"کیوں۔؟ کیا میں اتنا بُرا ہوں کہ آپ کو میرے ساتھ چلتے ہوئے شرم آئے۔"؟

"اوہ نو" وہ شرمندہ سی ہو کر بولی۔

"اوہ یس"۔ وہ مسکرا کر بولے۔ "ویسے آپ کو شاید ہی یقین آئے کہ زندگی میں پہلی بار آج یہ سعادت نصیب ہوگی۔" اُن کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے ان کے پیچھے چلتی جب باہر پہونچی تو وہ کار کا فرنٹ سیٹ کا

پٹ کھولے، مودّب بنے اس کا راستہ دیکھ رہے تھے۔

وہ عجیب کشمکش و پیچ کا شکار ہو کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے مس جنگ۔ وہ مسکرائے یہ خاکسار اتنا بُرا ڈرائیور بھی نہیں ہے کہ آپ کو اپنی جان کا خطرہ محسوس ہو"۔

"جی۔جی۔وہ۔میں۔میں کچھ اور سوچ رہی تھی" وہ جھجک جھجک کر بول رہی تھی۔ شیشہ نیچے کرتے ہوئے وہ بالکل اسی کے لہجے میں بولے۔"جی کیا سوچ رہی تھیں۔۔؟

"لوگ کیا سوچیں گے۔؟ وہ جلدی سے کہہ گئی۔ وہ بھنا گئے۔"کن لوگوں کی بات آپ کر رہی ہیں؟ اور کس لئے کر رہی ہیں۔ میں چاہے جو کروں اپنے ہر فعل کا ذمہ دار میں ہوں۔ لوگ اس میں کہاں سے آ گئے"؟ وہ کافی تلخ ہو رہے تھے۔ وہ سہم سی گئی۔

"دیکھئے آپ کے طرزِ رہائش سے میں اندازہ لگا چکی ہوں کہ آپ نے شادی اب تک تو نہیں کی ہے۔ آس پاس کے لوگ آپ کو تنہا آتے جاتے دیکھنے کے عادی رہے ہوں گے۔ اب اچانک وہ آپ کے ساتھ کسی لڑکی کو دیکھیں گے تو... آپ کے متعلق کچھ غلط بھی سوچ سکتے ہیں نا۔؟ میں تو خیر چلی جاؤں گی۔ آج نہیں تو کل۔ لیکن مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا کہ میرے چند گھنٹوں کے ساتھ کی وجہ آپ کا کردار مشکوک مشہور ہو جائے" وہ رُکی تو وہ کچھ جھلا کر بولے۔

"اور کچھ۔"؟

"آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی" وہ کار کے دروازے کے ہینڈل پر اپنی نظریں جما کر بولی۔

"اس لئے کہ۔ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولے" کہ آپ کا انتظار تھا"

وہ اک دم کار کے پٹ پر وزن دے کر جھول سی گئی۔

ڈاکٹر رضا گھبرا کر لپکے۔ کیا ہوا مس جنگ۔ آپ ٹھیک تو ہیں نا۔ آر یو آل رائٹ"۔؟

وہ تھکن سے چور لہجے میں بولی۔

YES DOC I M PERFECTLY ALRIGHT

ڈاکٹر رضا نے اسے سہارا دے کر سامنے کی سیٹ پر بٹھایا، پھر خود پیچھے سے گھوم کر اسٹیئرنگ پر آ کر بیٹھ گئے۔

"ڈاکٹر صاحب۔ میں بہت غریب لڑکی ہوں آپ مجھے کسی ایسی SHOP پہ لے چلیں جہاں زیادہ سے زیادہ ۲۵۔۳۰ روپے میں ایک ساڑی مل جاتی ہو"۔ وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔

"پچیس۔ تیس روپے میں ایک ساڑی۔"؟ ان کے چہرے پہ کرب سا چھا گیا"۔ مہتاب جنگ آپ کو پتہ نہیں.....

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "جی نہیں آپ کو پتہ نہیں کہ میری ساری جائداد کل تین ساڑھے تین سو روپے ہیں جن سے مجھے ایک عمر گذارنی ہے۔ اور ہیں! "وہ مضبوط لہجے میں بولی"۔ ڈاکٹر رضا ہمدانی۔ میں آپ سے ایک پائی کی بھی مدد نہیں لوں گی۔ کم سے کم فی الوقت بالکل نہیں"۔!

دوسرے دن جب دوپہر کو لنچ کے لئے وہ اپنی ڈسپنسری سے نکل کر بنگلے میں آئے تو بنگلہ انہیں اچانک بالکل ویران اور سنسان لگا، حالانکہ وہ عمر بھر سے تنہا ہی رہتے چلے آ رہے تھے لیکن آج اچانک انہیں بے پناہ تنہائیوں کا احساس ہوا۔

انہوں نے ڈرتے ڈرتے سارے کمروں میں جھانکا۔ ہر کمرہ خالی تھا۔

ملازم نے جب کھانے کے لئے پوچھا تو وہ بے حد چپ چاپ تھے۔

"صاحب۔ وہ میم صاحب آپ کے جانے کے بعد چلی گئیں"۔

ڈاکٹر صاحب نے خالی خالی نگاہوں سے ملازم کو دیکھا۔"وہ گئی نہیں ہیں۔ وہ ہمارے دل میں ہیں"۔

صاحب کو خاموش پا کر ملازم کھانا لگانے چلا گیا۔

ٹرن۔ ٹرن۔ ٹرن۔

عمران فون کی گھنٹی سن کر، دودھ چولہے ہی پہ چھوڑ کر، تیزی سے لپکا۔

"ہلو۔ ہائے۔ کون ہے۔"

"ارے سالے پہلے ہی ہائے ہائے کر ڈالی"۔

"کون مراد۔"؟ عمران چہکا۔

"اور کون ہو سکتا ہے تمہارا چاہنے والا۔ سوائے مراد کے"۔ مراد بشاشت سے بولا۔

"ارے نامُراد۔ تو نے کل سے فون کیوں نہیں کیا۔"؟؟

"ارے کیا تھا یار۔ تو ہی گھر پہ نہیں تھا۔ اب بتا کیا ہو رہا ہے۔ کیا کر رہا ہے۔"؟

عمران نگاہوں کی سیدھ میں کچن کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔"ارے یار خاندانی رئیس ہیں ہم۔ اس وقت دودھ کی ندیاں بہا رہے ہیں"۔

"مطلب۔"؟ وہ چلایا۔

"مطلب یہ الو کے پٹھے" کہ تمہارے فون کی گھنٹی سنتے ہی میں دودھ چولہے پہ چھوڑ کر فوراً ہی فون اٹھانے دوڑ پڑا۔ گیس سلو slow کرنا بھول گیا۔ بس دودھ کو ابال آیا اور ایسا آیا کہ ندی نالے ایک ہو گئے۔ کافی شاہی منظر ہے۔ بلکہ ایک طرح سے جنت کا تصور آ رہا ہے جہاں دودھ کی ندیاں بہتی ہیں۔۔۔

مراد نے اس کی بات کاٹی ۔" لیکن یہ کون سی مصیبت ٹوٹ پڑی تم پر کہ جس سبق لینے کی نوبت آ گئی ۔

عمران ممنا کر بولا ۔" یار ممی نے سزا کے طور پر نوکروں کو چھٹی دے دی ہے ۔"!

" کیوں ۔ کیوں ۔"؟

" وہ کہتی ہیں کہ نوکروں کے ہوتے آرام بہت ہے مجھے اسی لئے شادی کی فکر نہیں کرتا ۔ جب خود سے سارے کام کرنے پڑیں گے تو تلملا کر بیوی لانے کے بارے میں سوچوں گا ۔"

" بات تو ٹھیک ہے ۔" مراد اسے چڑانے کو بولا " خاک ٹھیک ہے ۔ بزرگوں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے شادی خانہ بربادی ۔" وہ ہنسا ۔

" یار عمران مذاق چھوڑ ۔ آخر تو شادی کر کیوں نہیں لیتا ۔" مراد اسے سنجیدگی سے سمجھانے لگا ۔

ایک دم عمران کو کچھ یاد آیا ۔" لیکن یار میری تو شادی ہو بھی گئی ۔"

بات کچھ ایسی سنجیدگی سے کہی گئی تھی کہ اُدھر مراد چونک پڑا ۔

" کیا بک رہا ہے بے ۔ ؟ کس کی شادی ہو گئی ۔"

عمران چلّا کر بولا ۔" ابے میری اور کس کی ۔"؟ مراد نے ریسیور ایک کان سے ہٹا کر دوسرے کان سے لگایا ۔" یار عمران آواز صاف نہیں سنائی دے رہی ۔ ذرا اونچا بول ۔ ابے ذرا زور سے بول ۔"

عمران پوری طاقت سے چلّا کر بولا ۔" ابے بہرہ ہو گیا ہے کیا ۔ میں کہہ رہا ہوں کہ میری شادی ہو گئی میری ۔ عمران کی ۔"

" تو پاگل ہو گیا ہے ۔" مراد نے فیصلہ سنایا ۔

" ارے یار پاگل واگل نہیں ۔ سچ کہہ رہا ہوں ۔"

" نہیں یار ہم دونوں میں سے ایک ضرور پاگل ہے ۔ جب تو اپنے تعلق سے یقین سے کہہ رہا ہے کہ تو پاگل نہیں ہے تو پھر یقیناً میں پاگل ہوں ۔"

"مراد - ہلو - مراد! بات سن - میں قطعاً سیریس ہوں "۔ عمران چلایا۔

"اگر تو سیریس ہے تو پھر بات کیا ہے۔ کیا واقعی شادی ہو گئی "؟

"ارے ہاں یار - دو تین دن ہوئے - ہو گئی "۔

"مگر کیسے "۔؟

"یار چند غنڈوں نے مجھے کڈنیپ KIDNAP کر لیا تھا"

"ہا ہا ہا - مراد اُدھر سے خوب گلا پھاڑ کے ہنسا - تجھے اور کوئی کڈنیپ کرے - ؟ ارے تجھے تو ہائی جیک کیا ہو گا"۔

عمران بے بسی سے بولا - " اے مراد یار مذاق مت کر - ہائی جیک تو ہوائی جہازوں، شپس اور VEHICLES کو کرتے ہیں یار "۔

"ارے ہائی جیک بڑی بڑی چیزوں کو کرتے ہیں - تو اس قدر لمبا تڑنگا چھ فٹ کا جہاز! سالے تجھے بھی کسی نے جہاز سمجھ کر ہائی جیک کر لیا ہو گا - بعد میں پتہ چلا ہو گا کہ آدمی ہے - ہی - ہی - ہی "۔ وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

عمران سنجیدگی سے بولا - " اے مراد تو ذرا آجانا یار کچھ باتیں کریں گے - کافی بوجھ سا ہے ذہن پہ "۔

"تو چائے بنا کر رکھ - بس میں یوں نکلا اور یوں پہنچا "۔

بڑی سی شیشے کی صاف شفاف میز پر چائے کی ٹرے نہایت سلیقے کے ساتھ سجی رکھی تھی۔

مراد نے ذرا سیریس ہو کر عمران کو دیکھا۔

"یار معاملہ واقعی کچھ سنجیدہ لگتا ہے - کیا ہوا کیا - مجھے ساری بات شروع سے بتا "۔

عمران پیالیوں میں چائے انڈیلتے ہوئے بھی کچھ سوچ رہا تھا - سنہری سنہری چائے پیالیوں کی بجائے نیچے طشتریوں میں گر رہی تھی۔

"لا مجھے کیتلی دے۔ تو خاصا پریشان لگ رہا ہے"۔

چینی گھولتے ہوئے عمران، مسلسل مراد کے چہرے کو تکتا رہا۔

"یار عمران۔ ایسا لگ رہا ہے تو کسی اور دنیا میں ہے۔ بتا نا کیوں نہیں بات کیا ہوئی"۔ مراد اسے سختی سے بولا۔

"نہیں یار بات کچھ بھی نہیں اور بہت کچھ ہے"۔

وہ پیالی ہاتھ میں اٹھا کر ایک سپ بھر کر بولا۔

"تین دن پہلے میں اپنے ڈرامے کی ریہرسل کر رہا تھا"۔

"تو۔"؟

"یار تجھے اپنے ہال کی سچوئیشن تو پتہ ہی ہے نا۔"؟

"ہاں ٹھیک ہے۔ پھر۔"؟

"سبھی لوگ تھے یار۔ وہ اپنا ڈرامہ ہے نا "کانچ کی دیوار"۔ اس میں ایک رول وہ پھول والی مالن کا نلنی کر رہی ہے نا۔ اور ڈرامہ چونکہ جلد ہی کھیلا جانے والا ہے اس لئے ہم لوگ کاغذی پھولوں، کلیوں سے ذرا AUTHENTIC قسم کی ریہرسل کر رہے تھے۔

"کڈنیپ ہونے سے اس سین کا کوئی خاص تعلق ہے"؟ مراد جھنجھلا کر بولا۔

"ارے سن تو سہی نامراد۔ یہ سیٹ ایسا ہے نا کہ ہیرو مالن سے پھول کلیاں خرید کے بس وہیں کے وہیں دروازے سے باہر نکل جاتا ہے۔ میرا مطلب ہے ہال کے جس حصے میں ہم ریہرسل کر رہے تھے، وہ حصہ اور دروازہ بس سڑک پر ہی جا کھلتا ہے نا۔"

"تو دروازے سے اس REAL LIFE ڈرامے کا کیا سلسلہ ہے"؟

"ہے یار ہے۔ اب ہم جب بھی ریہرسل کرتے ہیں تو یہ تھوڑی ہے کہ

ڈائریکٹر ہمارے سروں پر ہی سوار رہے۔ ہم ایکٹرز اپنے طور پر مشق کرتے رہتے ہیں۔ اور ایسے موقع پر کہ شاید فلمی ستاروں میں سے کسی کے دیدار ہو جائیں۔ کیونکہ کبھی کبھی تو جاتا ہے نا کوئی نہ کوئی اسٹار آتا ہی رہتا ہے، تو باہر والے شوقین بھی اندر آجاتے ہیں۔ ہم لوگ منع بھی نہیں کرتے۔ کیا ہرج ہے۔ ایک طرح سے ہمیں بولڈ ہونے کا موقع ملتا ہے کہ جتنے لوگ زیادہ ہوں گے سامنے۔ اتنا ہی اچھا ACT کرنے کا چانس ملے گا۔۔۔۔

"میں سمجھ رہا ہوں تو مطلب کی بات پر جلدی آ۔ میں کافی ٹنس اَپ ہو رہا ہوں۔" مراد چہرے سے پسینہ پونچھتا ہوا بولا۔

"بس یار میں اپنے ڈائیلاگس بول کر۔ سین کے مطابق پھول والی کو پیسے دے کر جیسے ہی پلٹا، اچانک دو آدمیوں نے مجھے دبوچ لیا۔ اب مصیبت یہ ہوئی کہ باہر والوں نے تو یہ سمجھا ہوگا کہ یہ بھی ڈرامے ہی کا کوئی ٹکڑا ہے اور خود جو اصلی ڈرامے والے لوگ تھے وہ ہال بڑا ہونے کی وجہ سے بکھرے بکھرے رہتے ہی ہیں، پتہ نہیں کہاں تھے اپنے اپنے کاموں میں بزی ہوں گے۔ غرض یہ کہ کسی نے MIND ہی نہیں کیا۔ اور خود میرے سر پہ تو وہ زوردار گھونسہ پڑا تھا کہ دن میں سارا نظامِ شمسی گھوم کر رہ گیا۔ پھر مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔" وہ رک گیا۔

"ہوں۔ مراد، کچھ سوچتا ہوا بولا۔" پھر وہ تجھے ٹیکسی میں ڈال کر لے گئے ہوں گے۔"

"مجھے کچھ پتہ نہیں یار۔ میں سچ کہہ رہا ہوں وقتی طور پہ میں ضرور بے ہوش ہو گیا ہوں گا، ورنہ مجھے کچھ تو پتہ چلتا۔ بعد میں آنکھ کھلی تو اک دم فلمی منظر تھا۔ تو یقین نہیں کرے گا سامنے ایک باریش، قاضی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ ذرا دور ہی پر ایک لڑکی نیلی ساڑی میں جھکی ہوئی بیٹھی تھی۔ کہ خاص بھاری کپڑے

یا پھول زیور نہیں نظر آرہے تھے، لگتا تھا سے بھی میری ہی طرح اچانک اٹھا کر لایا گیا ہے۔ پھر ادھر اُدھر جو نظر کی تو چند غنڈہ صورت، دادا قسم کے لوگ پستول ہاتھوں میں تھامے نظر آئے۔ پھر قاضی صاحب نے دلہن کا نام پوچھا۔ کسی نے پروین رعنا بتلایا۔ پھر میرا نام پوچھا گیا میں نے خود ہی بتا دیا۔ میں کچھ اس سچویشن کو مذاق میں ٹالنے کا موڈ بنا رہا تھا، مگر معاملہ سیریس ہی ہونے لگا۔ پھر قرآن شریف کی آیتوں کے ورد کے بعد قاضی صاحب نے ایک لڑکے سے کہا کہ جا کر لڑکی سے ایجاب قبول کروائیں۔

"ایجاب۔" ؟ مراد نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں یار ہم لوگ ایسے تو کافی شادیاں، نکاح خوانیاں اٹنڈ کرتے ہیں نا لیکن ایسی باریک باریک باتوں پر ہلتے گلے" میں زیادہ دھیان نہیں دیتے۔ وہ ایک بہت ضروری رسم ہوتی ہے جس کے بغیر نکاح ممکن ہی نہیں ہے۔ یعنی لڑکی کی منظوری۔ بقائمی ہوش وحواس۔"

"یار ایک ہی شادی میں کافی تجربہ کار ہو گیا ہے تو۔" مراد ہنسنے لگا۔

"ارے یار تو ہنس رہا ہے۔ پہلے میں بھی مذاق ہی سمجھ رہا تھا بلکہ ایک بار تو میں نے یہ بھی پوچھا کہ "اس ڈرامے کا ڈائریکٹر کون ہے۔" تو کافی زوردار مرمت ہوئی۔"

"اور تو سالا اتنا لمبا تڑنگا، موٹا تازہ بھینسا۔ مار کھا گیا۔" ؟ مراد واقعی غصہ سے بولا۔

"ارے یار چاروں طرف سے پستول تنے ہوئے ہوں نا تو اچھے اچھوں کی چھٹی ہو جاتی ہے۔ تو سُن ٹھیک ہے۔ ویسے ہی میں کافی پریشان ہوں۔"

مراد سیریس ہو کر بولا۔ "ارے عمران جب تو کہہ رہا ہے کہ ایجاب۔ یعنی لڑکی کی منظوری کے بغیر عقد ہو ہی نہیں سکتا تو مطلب یہ کہ اس ساری سازش میں وہ خطرناک لڑکی بھی شریک ہی ہو گی نا۔" ؟

"کچھ کہہ نہیں سکتے یار۔ تو دیکھنا جب مجھے یعنی ایک اچھے خاصے طاقت ور اور ہیرو ٹائپ لڑکے کو وہ لوگ کڈنیپ کر کے مجبور کر سکتے تھے تو وہ تو آخر کار ایک لڑکی ہی تھی نا۔ کمزور سی۔

"بہت ہمدردی ہو رہی ہے۔ مراد اسے ستانے لگا۔

عمران سنجیدہ تھا۔ "اس وقت نا، مراد میں کوئی خاص سیریس نہیں تھا۔ لیکن جب جبری ہی سہی باقاعدہ نکاح خوانی ہو ہی گئی تو مجھے لگا کہ جو کچھ ہوا برا ہوا۔"

کیا برا ہوا۔ ؟ میرا مطلب ہے بعد میں کیا ہوا جو برا ہو گیا۔"

"تو سنئے تو سناؤں نا۔ بہر حال ایجاب قبول کروانے لڑکا۔ بعد میں پتہ چلا اس کا نام اعجاز تھا یار صورت سے پتہ نہیں کیوں مجھے وہ اچھا خاصہ شریف خاندانی اور مہذب نظر آیا تھا۔ تو بہر کیف اعجاز نے گھونگھٹ کے قریب جا کر، مجھے کچھ ایسا اسٹرائک ہوا کہ دلہن کو دھمکی دی تھی کہ انکار نہ کرے۔ ANY WAY۔ ہم سے بھی ساری شرائط سنا کر بعوض ایک لاکھ مہر۔ نکاح خوانی پڑھوا دی گئی۔"

"مراد بیٹھے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک لاکھ۔" ؟ پھر دوبارہ بیٹھ کر تقریباً چلا کر بولا۔ ارے یار تجھے پتہ ہے ایک لاکھ کتنا ہوتا ہے۔"

"پتہ ہے۔" وہ مری ہوئی آواز میں بولا۔

"اچھا موجل تھا یا معجل۔" ؟ مراد نے بڑی بزرگی سے استفسار کیا۔ ؟

عمران دیدے پٹ پٹا کر اسے دیکھنے لگا۔ "ارے یار تجھے یہ باتیں کیسے معلوم۔ میں نے تو یونہی ٹالنے کی خاطر، بات کو لمبا کرنے کی خاطر پوچھ لیا تھا۔ پتہ چلا تھا آدھا موجل۔ آدھا معجل۔ موجل MEANS دیری ادائیگی۔ اور معجل کا مطلب ہے جس وقت بھی اور جب بھی بیوی اس رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کر دے بھرنا پڑے گی۔ یعنی رقم دینی ہی پڑے گی۔ میں

واقعی کترا رہا تھا مراد ۔ لیکن جب بار بار پستول کی نوکیں پیٹھ میں چبھوئی جائیں تو بہرحال دنیا میں اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ پیاری چیز اپنی جان ہی تو بنائی ہے نا ۔“؟

”تو تو نے تین بار ”میں نے قبول کیا“ کہہ دیا“؟

مراد سر پکڑ کر بولا ۔

”اور کیا کرتا یار ۔“؟

اور تو نے یہ نہیں سوچا کہ تو نے واقعی شادی کر لی ہے ۔“؟

”ایسا کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا نا ۔ بڑی عجیب سچوئیشن تھی“ عمران ہاتھ ملتا ہوا بولا ۔

تھوڑی دیر دونوں خاموش بیٹھے رہے ۔ عمران بڑی امید سے بولا ۔ ”یار مراد یہ شادی کینسل نہیں ہو سکتی ۔“؟؟

”شادی ۔ ؟؟ کینسل“ مراد اس کی عقل پر شک کرتا ہوا بولا ۔ ”شادیاں کینسل کیسے ہوتی ہیں مجھے اس بارے میں کوئی پتہ نہیں ۔ یہ کوئی پروگرام ہے کیا کہ لیا اور کینسل کر دیا“ !

اچانک مراد کچھ سوچ کر بولا ۔ ”میرے خیال سے اس شادی کو ہم ”جبری شادی“ کے زمرے میں رکھ کر ایک فتویٰ نکال سکتے ہیں“

”وہ کیا“ عمران بے تابی سے بولا ۔

”میں بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں عمران ۔ غور سے سننا ۔ حضرت امام مالکؒ کو کوڑے لگوائے گئے ، زدو کوب کیا گیا ۔ زندان میں ڈالا گیا ، لیکن آپ یہی کہتے رہے کہ جبری طلاق ہرگز نہیں ہوتی ۔“

عمران ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھ رہا تھا ۔

”تو نہیں سمجھا نا ۔ دیکھ جیسے اب چند لوگوں نے زبردستی ، جبری طور پر تیری شادی

کروادی ہے نا۔ اسی طرح حضرت امام مالکی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں کسی نہ کسی نے کسی نہ کسی کو جبری طلاق، ایسے ہی تلواروں کے زور پر دلوادی ہوگی، تبھی امام حضرت مالکیؒ نے فتویٰ دیا، جسے اس وقت کے علماءؒ نے غلط ٹھہرایا۔ نتیجے میں آپؒ کو سزائیں دی گئیں" لیکن حضرت امام مالکیؒ پھر بھی اپنے موقف سے نہیں پھرے۔ تو اب میں یہ شق اس واقعے سے نکالتا ہوں کہ اگر جبری طلاق جائز نہیں تو جبری شادی کیسے جائز ہوسکتی ہے۔"؟

عمران بڑی دیر بعد بولا۔" دیکھ مراد مانا کہ اسلامک ہسٹری پر تیری گہری نظر ہے، تو کتنا بھی قابل بن۔ لیکن یہ مسئلہ اس طرح حل ہونے والا نہیں۔"

" وہ دولہن کہاں ہے۔" اچانک مراد نے پوچھا۔

عمران کافی دیر تک سر ہاتھوں میں تھامے بیٹھا رہا۔" یار میں ابھی اپنی رذالت اور ذلالت کی داستان پوری طرح تجھے سنا نہیں پایا ہوں۔ حالانکہ دو تین دنوں سے میں نے اس سارے EPISODE کو بہت LIGHT موڈ میں۔ بہت ہی مذاق کے طور پر لینے کی کوشش کی، لیکن کہیں نہ کہیں رہ رہ کے میرے دل میں ایک کانٹا سا کھٹک رہا ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔

مراد اپنے صوفے سے اُٹھ کر، عمران کے بازو آکر بیٹھ گیا اور پوری سنجیدگی سے، اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر بولا۔

" عمو۔ بات کیا ہے۔ مجھے پوری بات سنا تو سہی۔" اس کے لہجے میں عمران کے لئے بے پناہ محبت چھلک رہی تھی۔

" جب ہماری شادی ہوگئی تو میں نے کہا نا کہ جو لڑکا بہت پیش پیش تھا، وہ میرے پاس آیا اور معافی کے انداز میں بولا کہ میں نے ممکن ہے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہو، لیکن میری بہن اتنی پیاری پڑھی لکھی اور پری کی طرح حسین ہے کہ آپ کبھی اس

فیصلہ پر پچھتائیں گے نہیں۔ پھر اس نے اپنی مجبوری بتائی کہ آج کے اس مفاد پرست اور زر پرست دور میں کوئی بھی مذہب کی لڑکی بغیر دولت کے ڈھیر کے نہیں بیاہی جا سکتی اس لئے جب اخباروں میں میں نے اس طرح کی خبر ایک بار۔ ۲ بار۔ تین بار بار بار پڑھی کہ کس طرح اچھے لڑکوں کو نظر میں رکھ کر، انکوائری کر کے کہ گھر دار سے خوش اور شریف ہیں، باپوں اور بھائیوں نے زبردستی غنڈوں کی مدد سے انہیں اٹھوا کر، پھیرے لگوا دیئے، یا نکاح کروا دیا تو مجھے بھی اپنی بہن کے مستقبل کا بس یہی ایک حل نظر آیا۔۔۔۔۔ مراد نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں یار عمران۔ ایسی خبریں تو میں نے بھی پڑھی ہیں اور ریجنل لینگویج کے پرچوں اور اخباروں کی بات میں نہیں کر رہا۔ میں نے تو بڑے معتبر انگریزی اخباروں میں خود پڑھی ہیں ایسی خبریں۔ لیکن ان غریب بھائیوں اور باپوں کو کچھ پتہ بھی نہیں ہوگا کہ WHAT IS HERE AT THE OTHER SIDE OF M--!! جانے کتنے جتنوں سے انہوں نے بیٹیوں اور بہنوں سے چھٹکارا پایا ہوگا اور یہ حشر سوچا بھی نہ ہوگا۔ چچ۔ چچ۔ چچ۔ مراد واقعی دکھی ہو گیا تھا۔

"یہ حشر۔ ؟ مطلب۔" ؟ عمران نے رکتے رکتے مراد سے پوچھا۔

"ظاہر ہے عمران تم اس غریب لڑکی کو ڈچ کر چکے ہو۔ بہر حال اپنی کہانی تو پوری کر دو کہ پھر ہوا کیا آخر۔" ؟

عمران کا لہجہ اک دم بدل گیا۔ ابھی ابھی وہ جتنے جوش و خروش سے ساری باتیں سنا رہا تھا اس اچانک اس کے لہجے میں غم اُبھر آیا تھا۔

"پتہ نہیں یار ساری زندگی تو بمبئی میں ہی گذری، یہیں پلے بڑھے، ایجوکیشن لی، سارے راستے روڈز AREAS دیکھے بھالے ہیں معلوم نہیں ان لوگوں نے کون سے ویرانے میں وہ شادی رچائی تھی کہ مین روڈ پہ آتے آتے بھی کافی دیر لگ گئی۔

پھر باندرہ کا جانا پہچانا ایریا آ گیا۔ ماؤنٹ میری کے FAIR میلے میں کتنا بھیڑ بھڑکا ہوتا ہے یہ تو ہم بمبئی والوں کو معلوم ہی ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ لڑکی جس کی شادی اس طرح مجھ سے کر دی گئی ہے ویرانوں میں ڈر جائے، اس لئے میں اُسے ذرا بھیڑ بھڑکے میں لا کر چھوڑنا چاہتا تھا۔"

مراد جن نگاہوں سے عمران کو دیکھ رہا تھا اُن سے عمران کو سخت ندامت محسوس ہو رہی تھی ان نگاہوں میں نفرت صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

"ایک ساتھ ہی بکواس کرتا آ رہا تھا کہ وہ مجھ سے تھوڑی سی فری ہو جائے اور یہ اعتماد کرے کہ نہیں یہ شخص اتنا بُرا نہیں ہے۔ اسی لئے میں نے اس سے خود کہا کہ میری انگلی مضبوطی سے پکڑی رہے۔" اب عمران بجائے مراد کی آنکھوں میں دیکھنے کے نیچے دیکھ کر داستان پوری کر رہا تھا۔

"اس نے میرے بائیں ہاتھ کی کلمے کی انگلی اپنے سیدھے ہاتھ سے اس قدر زور سے دبوچ رکھی تھی کہ میں نہیں سمجھتا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس گرفت سے میری انگلی چھڑا سکتی تھی۔ اسی لئے میں نے ایک پلان بنایا۔"

مراد نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا عمران حالانکہ نیچے دیکھ رہا تھا لیکن اس کی نفرت کی چبھن اتنی تیز تھی کہ اس نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھنے پر خود کو مجبور پایا۔

"میں نے اپنے سیدھے ہاتھ کی مدد سے پہلے سگار نکالا۔ جیب سے پھر اسی طرح لائٹر نکالا۔ پھر سگار کو جلا کر بار بار کش لے کر اس کے سرے کو خوب دہکایا۔ اور ایک جگہ جب بہت رش کا ریلا آیا تو میں نے اپنے سیدھے ہاتھ میں پکڑے سگار سے، اس کے سیدھے ہاتھ، کی ہتھیلی کی پشت پر ایک زوردار چرکا لگا دیا۔ اور اتنی دیر تک دبائے رکھا کہ آگ کی تپش سے وہ چیخ اٹھی اور اسی

بوکھلاہٹ میں میرا ہاتھ چھوڑ دیا، اور یہی میرا مقصد تھا۔"

"عمران" مراد اٹھ کر دھیرے دھیرے چلتا ہوا کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس کی پشت عمران کی طرف تھی۔

"میں تم سے اس وقت اتنی نفرت محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ عدالتوں میں قتل کے جتنے مقدمے آتے ہوں گے ان میں سے آدھے سے زیادہ اسی ایک لمحے کی پیداوار ہوتے ہوں گے۔ سخت نفرت کا یہ لمحہ۔ میں چاہتا ہوں جلد سے جلد ٹل جائے۔ اس لئے فار گاڈ سیک تم اپنا بیان جاری رکھو۔ میرے ضمیر کی عدالت میں، میں جو اس وقت خود کو قاتل کے روپ میں پا رہا ہوں ڈر رہا ہوں کہ واقعتاً ایسا نہ ہو جائے۔"

"پھر مجھے اتنے رش اور شور شرابے کے باوجود دو تین بار عمران۔ عمران کی چیخیں سنائی دیں لیکن میں بھاگتا گیا۔ بھاگتا گیا میں نے پہلی نظر آنے والی ٹیکسی پکڑی اور سیدھا گھر آ گیا۔"

"گھر۔" مراد کٹیلے لہجے میں بولا۔ "تم مرد ہو کر گھر آ گئے۔ محفوظ ہو گئے مطمئن ہو گئے لیکن ان تین دنوں میں تم نے یہ سوچا کہ اس غریب لڑکی پر کیا گذر رہی ہو گی جس کا نہ گھر تھا نہ دار، نہ اپنا نہ پرایا۔ جس کے بھائی نے تمہارے حوالے کیا تو یہی سوچ کر اور دیکھ بھال کر کہ تمہارا گھر تھا۔ اچھی پوزیشن تھی۔ تعلیم تھی عزت تھی ایک ٹھکانہ تھا۔ اب اس غریب لڑکی کا کہاں ٹھکانہ ہو گا۔"؟

عمران مری ہوئی آواز میں بولا۔ "اسی لئے تو میں بھی اتنا ڈسٹربڈ ہوں۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ یہیں بیٹھے بیٹھے۔ تین بار طلاق طلاق طلاق دے دوں۔"

"تو کہا کیوں نہیں۔ مراد طنز سے بولا جھگڑے چھاٹ ہو جاتے۔ بلا ٹل جاتی۔ مسلمان ہونا۔ کافی مراعات مذہب نے دے رکھی ہیں۔" پھر کافی دیر چپ رہ کر غصہ

سے بولا۔ بٹ فار یور انفرمیشن۔ اگر آپ اپنی بیوی کو طلاق دے رہے ہیں تو اس کی موجودگی ضروری ہے اور اگر تحریری طور پہ دے رہے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ وہ اس کی نظر سے گزرے۔ اور اگر وہ جاہل ہے تو کوئی اسے وہ تحریر پڑھ کر سنائے۔ طلاق میں بیوی کے کانوں کی موجودگی کا بہت بڑا اہم رول ہے۔ اگر آپ جنگل کے جھاڑوں کو جا کر سنادیں کہ ہاں صاحب میں نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دی تو اس سے بڑی کوئی حماقت نہیں۔ اور ویسے بھی احمق آدمی۔ تین بار طلاق۔ طلاق۔ طلاق کہہ دینا قطعاً غلط ہے۔ ہم مسلمان پتہ نہیں اتنے جاہل کیوں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارک ہے کہ وقفے وقفے سے طلاق دو۔ مذہبی طور پہ جتنے کاموں کی اجازت دی گئی ہے اس میں طلاق جائز ہونے کے باوجود سب سے مکروہ اور اللہ کو ناپسندیدہ فعل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وقفے وقفے سے طلاق دینے میں یہ حکمت بتائی ہے کہ صرف ایک بار طلاق کہنے کے بعد، ممکن ہے میاں بیوی ساتھ رہیں تو پرانی محبتیں جاگ جائیں اور وقتی طور پہ غصہ کے عالم میں جو طلاق دے دی تھی وہ چونکہ صرف ایک بار دی تھی تو دائمی جدائی کی نوبت نہ آئے۔ اسی طرح بار بار۔ الگ الگ وقفوں میں تین بار طلاق کا مشورہ دیا گیا ہے کہ زندگیاں تباہ نہ ہوں۔ اور اک تم ہو۔! ہم مسلمان اگر اتنے جاہل نہ ہوتے تو آج ساری دنیا میں اتنی پچھڑی ہوئی قوم نہ مانے جاتے۔ لاکھوں درود اور لاکھوں سلام اس پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعارف کروایا۔ ہمیں اچھی اچھی باتیں سکھائیں اور ہمارے لئے اللہ کی لازوال کتاب چھوڑ گئے۔ لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو اس نبیؐ اور اس کتاب کو فالو کر رہے ہیں۔"؟؟

فضا میں بیحد تلخ اور بوجھل سناٹا چھا گیا تھا۔

بڑی دیر بعد مراد ہی بولا۔

"لڑکی سے بات ہوئی تمہاری۔"؟

"میں نے اسے دیکھا تک نہیں"۔ وہ دھیمے سے بولا۔

"تم نے اسے دیکھا تک بھی نہیں"۔ ؟ مراد چلّا کر بولا

"کیسے دیکھتا یار۔ یہ لمبا گھونگھٹ جیسا پلّو لوگوں نے اس کے منہ پر ڈال رکھا تھا۔ ہاتھ البتہ باہر تھے۔ بےحد حسین۔ گورے۔ چاندی کی طرح چمک رہے تھے"۔

مراد سر پہ ہاتھ مار کر بولا۔ "مطلب یقیناً خوبصورت رہی ہوگی۔ جب کہ اس کے بھائی نے بھی تمہیں کہہ دیا تھا کہ پری کی طرح حسین ہے اب سوچو بمبئی جیسے ذلیل اور عبرتناک شہر میں ایک تن تنہا، خوبصورت، اکیلی اور لاچار لڑکی کا کیا مستقبل تم بنا آئے ہو"۔

نہیں عمران نہیں۔ خداوند تعالیٰ اگر تمہارا یہ گناہ معاف بھی فرمادے تو میں تمہیں کبھی، کبھی معاف نہیں کروں گا۔ وہ اک چیخ روک کر بولا۔

"اگر تم اسے گھر لے آتے تو تمہارا آخر کیا بگڑ جاتا"۔

"ممی آئیں تو پھر میں کیا جواب دیتا۔"؟

وہ کر بولا۔

"ممی آئیں تب آئیں۔ تب تک ہم دونوں مل کر کوئی حل ڈھونڈ ھ ہی نکالتے۔ اب سوچو وہ بےچاری کہاں گئی ہوگی۔ کیا کر رہی ہوگی۔"؟

مہتاب جنگ دھیرے دھیرے سہمے سہمے قدموں سے دارالامان میں داخل ہوئی۔

"مجھے یہاں کے نگران سے ملنا ہے"۔ بھدّی سی بدنما میز کے گرد بیٹھے ہوئے دو تین لوگوں سے بیک وقت وہ مخاطب ہوئی۔ سفید ساڑی۔ سفید لمبی آستینوں کا سوئیٹر۔ بلاؤز اس نے دو چار دکانوں میں ڈھونڈے تھے، سلے سلائے نہیں

مل پا رہے تھے، اس نے سستے مول کا سوئیٹر رے لینے کو ہی مناسب جانا تھا۔ ایک جھولا۔ کپڑے اور سامان رکھنے کے لئے بیگ نما۔ ایک کنگھا، صابن ۔ رومال ۔ دو ساڑیاں۔ ٹوتھ برش ۔ پیسٹ ۔ انسان گذارہ کرنا چاہے تو کتنے کم سامان میں ہو سکتا ہے! پہلے کے اتارے ہوئے کپڑے اور نیا خریدا ہوا سامان اس نے بیگ میں بھر کر کندھے سے لٹکا لیا تھا۔ کم کم کرتے کرتے بھی ستر روپے نکل گئے تھے۔ پیسہ بڑی ضروری چیز ہے اس دنیا میں ۔ تھوڑا بھی ہو تو دل کو اطمینان رہتا ہے۔ اور زیادہ ہو تو۔؟؟ زیادہ کے پیچھے ہی یہ دنیا بھاگ رہی ہے ۔ اسی زر کے پیچھے، جو اگر آج اس کے پاس ہوتا تو بیناموں کی ایک لائن اس کے لئے کھڑی ہوتی ۔ وہ بھی کسی بڑے گھر کی عزت دار بہو بن کے کسی ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں اپنے فوم کے مخملیں ڈبل بیڈ پر آرام کر رہی ہوتی ۔ نیچے اترتی تو ایرانی قالین اس کے سومی پیروں کو بوسے دیتے۔ لیکن وہ یہاں معمولی سی چپلیاں پہنے اُکھڑے ہوئے فرش پر سہمی سہمی کھڑی تھی ۔

"مجھے یہاں کے نگران سے ملنا ہے۔" اس نے متجسّس نگاہوں کے وار سے بچ کر پھر سے اپنا سوال دُہرایا ۔

"ہندی میں بات کرونا ۔ تم پاکستان سے آیا ہے کیا ۔" سامنے والے ادھیڑ عمر کے مرد نے کرختگی سے کہا۔

"اردو میں بات کی جائے تو پاکستانی ہونے کا لیبل لگنا ضروری ہے۔" ؟ اس نے اپنے آپ میں سوچا۔ پھر ذرا آہستگی سے بولی ۔

"جی مجھے ایک ڈاکٹر رضا ہمدانی صاحب نے یہاں کسی کپور صاحب کے نام ایک خط دے کر بھیجا ہے۔"

"اچھا اچھا ۔" اب ڈاکٹر رضا ہمدانی صاحب کا نام سن کر اسی آدمی کے رویے میں اک دم کھنچ سا آ گیا۔

"بیٹھئے۔ بیٹھئے۔ پھر ایک کرسی گھسیٹ کر اس نے ذرا سامنے کی۔" آپ آرام سے بیٹھو۔ ابی اندر جا کر ہم کپور صاحب کو بولتا ہے۔ شاید آپ کو ادھر مینجر کی پوسٹ کے واسطے بھیجا ہوئیں گا۔"

مہتاب حیران سی رہ گئی۔

"مینجر کی پوسٹ کے لئے۔۔؟ ہونہہ۔ اسے دل ہی دل میں ہنسی آگئی۔" نہیں ڈاکٹر رضا ہمدانی۔ میں کرسی اور اقتدار کے لائق نہیں ہوں۔ میں زمین پر رُلنے کے لئے ہوں۔"

وہی ادھیڑ عمر آدمی بڑی مستعدی دکھاتا ہوا اندر بھاگا بھی۔ باہر آیا بھی۔

"آئیے۔ آئیے۔ وہ بڑی عزت سے اسے مخاطب کر رہا تھا۔

"سر آپ کو اندر بلاتا ہے۔"

مہتاب اندر داخل ہوئی تو ایک مہذب سا آدمی اسے اندر داخل ہوتا دیکھتے ہی غیرارادی طور پر کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

کئی لمحوں تک وہ صرف اسے دیکھتا ہی رہا۔

مہتاب نے عجیب بے چینی محسوس کی۔ اچانک اس آدمی نے ہڑبڑا کر، ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کرسی دکھائی۔

"بیٹھئے۔ بیٹھئے۔ کھڑی کیوں ہیں آپ؟"

"تھینک یو۔" غیرارادی طور سے اس کے منہ سے نکلا۔

اس نے اپنے بیگ سے ڈاکٹر رضا ہمدانی کا خط نکال کر ٹیبل پر اس آدمی کے سامنے رکھ دیا۔

"غالباً آپ ہی کپور صاحب ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "یہ خط آپ کے نام ہے۔ ڈاکٹر رضا ہمدانی نے دیا ہے۔"

کپور صاحب کے لہجے میں ایک احترام سا اُبھر آیا۔ "ڈاکٹر رضا ہمدانی کے ہمارے اس ناری سدھار گھر پر بہت اُپکار ہیں۔ وہ پیسے سے بھی ہماری سہایتا کرتے رہتے ہیں اور پیسے سے بھی۔

He is such a nice Philanthropist

"میں جانتی ہوں وہ کتنے اچھے انسان ہیں۔ ایسے ہی لوگوں سے اس دنیا میں انسانیت زندہ ہے۔" وہ اپنے آپ میں بولی۔

"انہوں نے اس خط میں آپ کے بارے میں بہت اونچے آدرش ظاہر کیے ہیں۔ لکھا ہے کہ آپ کے لئے ہم جو کچھ بھی سیوا کر سکتے ہیں کریں۔"

وہ راستے میں یہ خط پہلے ہی پڑھ چکی تھی۔ اسے احساس تھا کہ صرف دو دنوں کے ساتھ نے رضا ہمدانی کے دل میں اس کے لئے بہت جگہ پیدا کر دی ہے۔ بہت اونچی جگہ۔ بہت نرم گوشہ۔ عورت جذبوں کی پہچان میں بہت ماہر ہوتی ہے۔

"آپ یہاں کس حیثیت سے رہنا پسند کریں گی۔" کپور صاحب اس سے بہت صاف اردو میں گفتگو کر رہے تھے۔ اکا دکا ہندی کا لفظ بھی بول لیتے تھے۔

"آپ کے اسٹاف کو ہندی کے علاوہ اور کوئی زبان بھی آتی ہے۔؟" اردو کا لفظ وہ جان بوجھ کر حذف کر گئی۔

"کام چلاؤ انگلش بھی آتی ہے۔ ہندی تو خیر ہماری قومی زبان ہے ہی۔ میں خود چونکہ آزادی سے پہلے کی پیداوار ہوں اس لئے اردو پڑھ، لکھ، بول اور سمجھ لیتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔ "آپ مسلمان ہیں۔"؟

اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

"ویسے کوئی بھی آپ کو دیکھ کر آسانی سے امریکن یا برٹش کہہ سکتا ہے۔"

"جی۔ وہ خوش دلی سے بولی۔" میرے گرینڈ فادر کے بھی گرینڈ فادر، بالکل انگریز،

کی طرح گورے، خوبصورت، نیلی آنکھوں اور سنہرے بالوں والے تھے۔ بس انہی سے یہ سلسلہ چل نکلا جو مجھ تک بھی آپہونچا۔"

کپور صاحب نے ایک گھنٹی بجائی۔ چپراسی آیا تو بولے۔ "دو کپ چائے اور ساتھ میں کچھ بسکٹ وغیرہ لے آؤ۔"

"آپ ناحق تکلیف کر رہے ہیں۔" وہ معمولی سے احتجاج کے ساتھ بولی۔ اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ وہ ہر طور اپنے پیسوں کی بچت کرنا چاہتی تھی۔

کپور صاحب سراپا سپاس بن کر بولے۔ "آپ یہاں کس قسم کا کام کرنا پسند کریں گی۔"؟

"جی۔"؟ وہ اچانک بوکھلا سی گئی۔ یہ تو سراسر نوکری کی دعوت تھی اور وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان حالات میں قسمت اس پر اچانک اس طرح بھی مہربان ہو سکتی ہے۔!!

"جی۔" وہ اٹک اٹک کر بولنے لگی۔

اصل میں۔ میں . . . .

"اچھا۔ !کپور صاحب نے خود ہی بات آگے بڑھائی۔ آپ ہماری اس سنستھا کے بارے میں کوئی کتاب یا پیپر لکھنا چاہتی ہیں۔"؟ ؟

جی یہ بھی۔" اس نے بات بنائی۔ اور میں کچھ اس ماحول میں گھل مل جانا بھی چاہتی ہوں۔"

کپور صاحب نے ذرا حیرت سے اسے دیکھا تو وہ سنبھل کر بولی۔ "اصل میں میں ابھی سر دست آپ کو کچھ بتانا نہیں چاہتی۔ بس میں یہ چاہتی ہوں کہ اس ماحول کو قریب سے دیکھ سکوں۔"

کپور صاحب پریشانی سے بولے۔ "اس کے لئے تو آپ کو انہی عورتوں کے

ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، سونا پڑے گا" تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ وہ تھوڑا سا مسکرائی۔ "وہ بھی عورتیں ہیں۔ میں بھی عورت ہوں۔"

کپور صاحب نے اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھا۔ "لیکن آپ اتنے اعلیٰ خاندان کی مہذب، تعلیم یافتہ لڑکی ہیں۔ یہ سب عورتیں MoSTLY نچلے طبقہ سے، حالات کی سنگینی کا شکار ہو کر آتی ہیں۔ آپ کے ان کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے مس جنگ۔"

وہ بدستور پریشان تھے۔

"ویسے۔ وہ اٹک اٹک کر بولنے لگے "آپ اگر لیڈی مینجر کی پوسٹ خالی ہوئی ہے، وہ جگہ لے لیں تو آپ کو تنخواہ بھی ملا کرے گی۔" پھر جلدی سے بولے۔ حالانکہ مجھے یقین ہے کہ آپ جیسی محترمہ کو اتنی حقیر تنخواہ کی ضرورت بھی کیا ہے۔"

اس کا دل خوشی کے مارے بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر رضا ہمدانی۔ آئندہ اپنی ساری زندگی کی جملہ خوش نصیبی، (اگر کوئی ہے) میں آپ کے نام کرتی ہوں۔ مغلانی بوا بچپن میں مذہبی قصے سناتی تھیں تو فرشتوں کا بہت ذکر آتا تھا۔ کیا کیا میرا جی چاہتا تھا کہ کسی فرشتے کو دیکھوں۔ آپ زمین پر کیسے آ گئے۔؟؟ اپنے خیالات سے چونک کر وہ کپور صاحب سے مخاطب ہو گئی۔ "جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ لیکن میں رہوں گی انہی عورتوں کے ساتھ۔"

کپور صاحب گڑبڑا کر بولے۔ "لیکن مس جنگ آپ کو باقاعدہ کمرہ مل سکتا ہے تو آپ خواہ مخواہ تکلیف کیوں اٹھائیں۔"

اس لئے کہ وہ میرا مقدر ہے۔ یہ بات اس نے دل میں سوچی۔ مسکرا کر بولی۔

"میں جب محسوس کروں گی کہ مجھے تکلیف ہو رہی ہے تو میں آپ سے کہہ دوں گی، پھر آپ مجھے کمرہ عنایت کر دیجئے گا۔"

کپور صاحب نے احترام بھری نظروں سے اس نازک خوبصورت، مہذب اور

صاف ستھری گفتگو کرنے والی لڑکی کو دیکھا اور سر جھکا کر بولے۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

"اور پلیز۔ اس نے پلیز تو کہا لیکن اس کے لہجے میں حکم سا تھا۔" آپ کے ایڈمنسٹریٹر یا کسی بھی ادارے کے کارکنان آئیں تو آپ مجھے کبھی بھی اس پوسٹ یا عہدے کے تعلق سے حوالہ دے کر قطعاً متعارف نہیں کروائیں گے۔"

"جی بہتر۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ مجھے اس "ناری سدھار گھر" سے تھوڑا بہت واقف کروا دیں۔"؟

"جی کیوں نہیں۔ ضرور بضرور۔ آیئے آیئے تشریف لایئے۔"

وہ جدھر جدھر بھی کپور صاحب کے ساتھ گئی بے پناہ آنکھیں اس کے ساتھ ساتھ چلیں۔ اللہ جانے کتنی عورتیں تھیں۔ عجیب بات تھی معمر اور عمر رسیدہ عورتیں بہت کم تھیں۔ اکثر جوان بلکہ نوجوان تھیں۔

ایک ہال میں بہت سی لڑکیاں سلائی بنائی کرتی سیونگ مشینوں پر جھکی ہوئی تھیں۔ کچھ ہاتھوں سے سلائی اور نیٹنگ کر رہی تھیں۔ سب سلائی بنائی چھوڑ کر اسے تکنے لگیں۔ وہ آگے بڑھ جاتی تو اس کی سنہری ناگن جیسی جھولتی چوٹی پر نظر ٹھہر جاتی۔ اس کے گذرنے کے بعد بھی ساروں کی آنکھیں آپس میں سوال جواب کرتی رہتیں۔

دوسرے کمرے میں پلنگ ہی پلنگ بچھے ہوئے تھے۔

"اس حصے کو آپ اس ہوم کا ایک طرح سے ہاسپٹل کہہ سکتی ہیں۔ ذرا ذرا سی دکھ بیماری کے لئے ہاسپٹل لے جانا لانا تو مشکل کام ہے اس لئے یہیں ہفتہ میں دوبار ڈاکٹرز آ کے انہیں دیکھ جاتے ہیں۔"

"اللہ نہ کرے جو کبھی ڈاکٹر رضا ہمدانی یہاں آتے ہوں۔" اس نے لرز کر سوچا۔

پھر لا تعلق سی ہو کر بولی۔

"کوئی اسپشلسٹ ڈاکٹرز۔"؟

"جی ہاں آنریری طور پر دو ڈاکٹرز آتے ہیں۔ ڈاکٹر بھلّہ۔ بی۔ ام بھلّہ اور ایک لیڈی ڈاکٹر مسز ماتھر۔ دونوں فزیشن بھی ہیں اور سرجن بھی۔ مسز ماتھر گائناکولوجسٹ ہیں۔ اسپشلسٹ ہیں۔"

"میرے خیال سے گائناکولوجسٹ کی کوئی خاص ایسی ضرورت تو نہیں پڑتی ہوگی۔"

وہ یونہی بائی داوے بولی۔

"کپور صاحب ذرا شرمندہ ہو کر بولے۔" جی ایسی کوئی خاص بات تو ہے نہیں۔ کبھی پڑ بھی جاتی ہے۔ کبھی نہیں بھی پڑتی .... اور وہ کھسیانی سی مسکراہٹ مسکرانے لگے۔

آگے ایک اور کمرہ تھا۔ یہاں ایسی لڑکیوں کی پڑھائی جاری تھی جو اسکول کی عمر سے تو یقیناً آگے نکل چکی تھیں، لیکن چونکہ برے حالات سے گذر کر یہاں تک پہونچی تھیں تو بہر حال "سدھار،، کرنا ضرور تھا۔

دائیں بازو باورچی خانہ اور بھنڈری تھی۔ کئی عورتیں شور مچا مچا کر، برتن کھڑ کھڑا کھڑ کھڑا کر کھانا پکا رہی تھیں۔ ایک بے حد قطر میں بڑے سارے توے پہ بیک وقت پندرہ بیس چپاتیاں پڑی سِنک رہی تھیں۔ چند عورتیں سبزیاں کاٹنے اور کچھ جھگڑنے میں مشغول تھیں۔

"اے۔ اے۔ بڑا صاب آئے لا ہے۔" ایک نے دوسری، دوسری نے تیسری، تیسری نے چوتھی۔ غرض ایک نے سلسلہ چلا کر سبھیوں کو آگاہ اور متوجہ کر دیا۔

ساری عورتیں کپور صاحب کو چھوڑ کر اُسی کو دیکھنے لگیں۔

"ہے ہے کتنی سندر ہے رے۔"

"آکاشس سے اتری اپسرا لگتی نا۔"؟

"ارے میم لگتی ہے۔ آئی ہوئے گی اپن لوگ کو پڑھانے سکھانے۔"

"اللہ کرے مسلمان ہو۔" ایک لڑکی دھیرے سے بولی۔

"مسلمان ہوئے گی تو کیا چاٹے گی کیا اسس کو"؟

ایک نے آنکھ مار کر دوسری کو اشارہ کیا۔

"ہٹ بے شرم مردی۔ میں نماز سیکھوں گی۔ پوری نماز نئیں آتی میرے کو۔"

"اے سن۔" ایک نے بے حیائی سے تیسری کو آنکھ مار کے مخاطب کیا۔

"نماز سیکھ کے یہ اپنے پاپ دھوئے گی۔"

مہتاب بظاہر انجان تھی۔ مگر سب سن رہی تھی۔

باہر کافی بڑا لان تھا۔ وہاں بھی چند عورتیں کچھ نہ کچھ کام کر ہی رہی تھیں۔

کپور صاحب ذرا فخر سے بولے۔

"وہ کچن کے پچھواڑے بیک یارڈ دیکھ رہی ہیں آپ۔ وہاں یہی عورتیں سبزیاں اگا لیتی ہیں۔ کافی فائدہ ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کا وقت بھی گذر جاتا ہے۔ دل بھی بہل جاتا ہے۔"

پیچھے سے کوئی تیز سی عورت سرگوشی جیسی آواز میں بولی لیکن مہتاب نے سن لیا۔

"دل بہلانے کو اور بھی بہت کام ہیں یہاں۔ سبزیاں اگانے سے دل بہلتا کیا۔؟ پاگل موا۔"!

کچن سے ملحق جو کمرہ تھا۔ پینٹری۔ وہاں عجیب دھکم پیل ہو رہی تھی۔ مہتاب بے بس سی کھڑی دیکھ رہی تھی۔

"اے بائی۔ لا تیرا کھانا میں لا دیوں۔"؟ مہتاب کو یونہی بے چارگی سے کھڑی

دیکھ کر ایک جوان سی لڑکی نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

"نہیں۔ تم کیوں تکلیف اٹھاؤ۔ میں ہی لائن میں لگ جاؤں گی۔"

"تم۔"؟ وہ اسے سر سے پاؤں تک حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔

مہتاب سمجھ گئی۔ وہ اس ماحول سے اس قدر مختلف تھی کہ ہر کوئی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"تم تو بڑا اصاب کے ساتھ گھومتا پھرتا تھا نا ادھر ہیں یہ سارا گھر دیکھتے وے۔"

"ہاں۔ وہ تو میں یہ پورا "ناری سدھار گھر" دیکھنا چاہتی تھی نا اس لئے گھوم رہی تھی۔ ہوں تو میں تمھی جیسی لڑکیوں جیسی نا۔"؟

وہ لڑکی قریب آکر رازداری سے پوچھنے لگی۔

"کسی کے ساتھ بھاگا تھا کیا تم۔"؟

مہتاب سن ہو گئی۔ بولی کچھ نہیں۔

"کچھ لفڑا کرا تھا۔ بیٹ گرایا تھا۔"؟

"اوہ نو۔" مہتاب نے دونو ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ پلیٹ کھن کھناتی ہوئی فرش پر جا گری۔

"اسے۔ کھانا بانٹنے والی بہن جی زور سے چلائی۔ یہ کون ہلہ کرتا رے۔"؟

مہتاب یونہی کھڑی تھی۔ ساتھ والی نے اس کی ایلومونیم کی پلیٹ اٹھا کر اس کے ہاتھ میں پکڑا ائی۔

"میں تم کو بولتی کی میں کھانا لا دے گی تو تم ویسا بھی نئیں مانتا، اوپر سے گالی بھی کھاتا۔"

بہن جی بڑا سا چمچہ ہلاتی ہوئی قریب آئی اور قریب آکر ٹھٹھک سی گئی۔

"تم۔ وہ اٹک اٹک کر بولی۔" تم ادر میں کب آیا۔"

"جی - آج -"

"بڑا بہن جی کو معلوم ہے کی تم اِدر ہیں رہنے کو آیا -"؟

"جی مجھے پتہ نہیں - غالباً" وہ رجسٹر میں کچھ لکھ تو رہی تھیں"۔

بہن جی کے چودہ طبق روشن ہو گئے -

"گالین - ؟ وہ کیا ہوتا -"؟

مہتاب کو اپنے آپ پر غصہ آ گیا -

"میں اپنے آپ کو نہیں تو کم سے کم اپنی زبان دانی کو تو تھوڑا لو لماہ کر ہی سکتی ہوں نا" وہ ذرا سنبھل کر باآوازِ بلند بولی -

"جی میں یہ کہہ رہی تھی کہ جب میں یہاں آ ہی گئی ہوں تو میرے نام کا اندراج تو یقیناً" ہوا ہی ہو گا نا -"؟ پھر خود ہی سنبھل کر بولی -

"آپ بڑی بہن جی سے پوچھ سکتی ہیں" چھوٹی بہن جی نے تھک کر جیسے ہار مان لی -

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے - اپنا تھالی اٹھا کر بھوجن لینے لین میں لگ جاؤ"

وہ چپ چاپ لائن میں کھڑی ہو گئی -

"مہتاب جنگ - یہ تم ہو - تم ہی ہو نا - ؟ تمہارے آبا و اجداد بھلے ہی مخملیں قالینوں پر چلے ہوں - سونے چاندی کی منقش رکابیوں میں انہوں نے بریانی، متنجن، شاہی ٹکڑے اور کباب کھائے ہوں - لیکن بہر حال فاقے تو تم نے بھی نہیں کئے تھے - اور اس طرح خیرات کی تھالی اٹھائے تم کبھی لائن میں بھی نہیں لگی تھیں - وقت تم سے یہ کس زمانے کے بھولے بسرے بدلے گن گن کرے رہا ہے -"؟

دھیرے دھیرے لائن میں آگے کھسکتی وہ کھانے کی گاڑی تک پہنچ چکی تھی - کھانا پروسنے والیاں چار تھیں - ایک تہہ کی ہوئی چار چار چپاتیاں تھالی میں ڈالتی تھی -

دوسری دال ڈونگے چمچ سے، دو دو چمچ ڈالتی تھی۔ تیسری سالن جسے وہ لوگ بھاجی کہہ رہی تھیں، پروس رہی تھی اور چوتھی ایک پتلے چپٹے چمچے سے ایک ایک چمچہ چاول تھالی میں جھٹک دیتی تھی۔

اس نے بڑی حیرانی سے یہ سب دیکھا۔ اس کی تھالی کافی بھر گئی تھی۔

"جی یہ چار چپاتیاں بہت زیادہ ہو جائیں گی۔ آپ تین نکال لیں۔ ایک مجھے کافی ہو جائے گی۔" وہ بڑی ملائمیت کے ساتھ بولی۔

چاروں عورتوں نے ایک دوسرے کو بیحد حیرت سے دیکھا۔

ایک دھیرے سے بولی۔

کسی پکچر میں کام کرنے والی کے جیسی دکھتی نا۔"؟

"ہے بھی کیتی سندر۔"؟

"میم لگتی ہے۔ ماں کسم"۔

"کیا مالوم کس کے حصے میں جائیں گی"۔ آخری والی کی بات سن کر مہتاب ٹھٹھک سی گئی۔

"کس کے حصے میں۔"؟ بات اس کی سمجھ میں آ نہ سکی۔

کسی نے چپاتیاں واپس لینے کی ضرورت نہیں سمجھی تو وہ دھیرے دھیرے یونہی تھالی اٹھائے ایک کونے میں آ بیٹھی۔

"اے بائی میرے کو تیری روٹی دے دینا تو اُدر میں واپس دیتی تھی۔ میں کھا کر تیرے کو دعا دے گی"۔ کوئی غریب سی جوان لڑکی بولی۔

مہتاب نے چپ چاپ تین چپاتیاں اُسے اٹھا کر دے دیں۔

اُسے مہربان پا کر وہ لڑکی اس کے قریب کھسک آئی۔

"میرا نام رادھا ہے"۔ وہ اپنا تعارف آپ کروانے لگی۔

مہتاب نے نوالہ توڑ کر دال میں بھگویا اور منہ تک لے جانے ہی والی تھی کہ رادھا کے اگلے جملے سے ٹھٹھک سی گئی۔

"بائی تیرے کو کون جلایا تھا"؟ رادھا خود ہی وضاحت کرنے لگی۔" میرے کو میرا پتی اور ساس گھاسلیٹ کا تیل ڈال کے آگ لگا دیئے تھے۔ پورا آنگ جل گیا تھا۔ دیکھ۔ اس نے کھاتے کھاتے ہی بے دھڑک اپنا ڈھیلا ڈھالا بلاؤز اٹھا کر بتایا۔ "دونو چھاتیاں جل گئے۔ اگر کبھی بچہ گچہ ہوتا تو دودھ کاں سے اور کیسا پلاتی بائی ہیں؟ پن وہ تو بھگوان کی اچھا"گی سال بھر شادی کو ہوا تھا تو بھی بچہ نہیں ہوا تھا"

زخم بھر گئے تھے لیکن کھال جلنے بعد جسم سے کہیں چپک گئی تھی، کہیں ابھی تک لال لال تھی مہتاب کے ہاتھ کا نوالہ چھوٹ کر پلیٹ میں جا گرا۔

"لیکن تمہاری ساس اور پتی نے تمہیں جلایا کیوں۔"؟؟

"ارے پیسے کے واسطے بائی۔ اب دیکھو بائی ہمارا ماں گریب آدمی۔ باپ پہلے اچ مر گیا تھا۔ اب جتنا کچھ دے سکتا تھا ہمارا ماں دیا۔ چھ ماشے کا منگل سوتر دیا۔ چاندی کا پائل دیا۔ ۵ جوڑی کپڑا دیا۔ اوپر سے گھر والے کو پھارن کا گھڑی، ریڈیو سب دیا، پن گونے کے بعد بھی دن رات ایک اِچ بات بولتا تھا ساس بھی پتی بھی کی بس ماں سے جا ستی پیسہ مانگ کے لا۔ پیسہ مانگ کے لا۔ میں کیسے جائے گی بار بار۔ کیوں کہ میرے کو تو معلوم تھا کی ماں کے پاس کچھ نئیں۔ اس نے بڑا سا نوالہ منہ میں رکھ کے بات پوری کی۔" بس ایک دن گھاسلیٹ چھڑک کر ماچس سے میرے کو انگار لگا دیا۔ بولا۔ نئیں پیسہ لاتی مت لا۔ جل کے مر جا۔"

"پھر۔"؟ مہتاب سہم سی گئی تھی۔

" پھر کیا۔ پڑوس والا ہم کو ہاسپٹال میں پہونچایا۔ اُدر میں پولس آیا۔ بہت لفڑا ہوا۔ پھر جب ہم اچھا ہو گئی تو ہاسپٹال والا اور پولس والا صاحب ہم کو پوچھا تو

کدھر رہنے کو مانگتا۔ ماں کے گھر۔ پتی کے گھر یا ادھر میں۔ تو ہم بولی۔ ہم کو پتی تو مانگتا اچ نئیں۔ ماں گریب ہے۔ سو ہم ادھر آگئی۔" بات ختم کر کے اس نے تائید چاہی۔ کیوں بائی جو پتی جلا دے اس کے پاس رہ کے بھائیدہ ہے کوئی۔"؟

"میرے پتی نے بھی مجھے جلایا ہے آدھا۔ فرق اتنا ہے بس کہ میں جانتی تک نہیں کہ وہ ہے کون۔" اس نے بنا کچھ کہے، خاموشی سے اپنے سیدھے ہاتھ کی پشت کو دیکھا۔

اس نے خود ہی ڈاکٹر رضا ہمدانی کی محبت سے باندھی ہوئی بینڈیج نکال پھینکی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ زخم بھر جائے اور اس کے دل سے یہ بات نکل جائے۔ کہ وہ اتنی بڑی دنیا کے اس میلے میں کس کی وجہ سے کھوئی ہے۔ میں اسے ڈھونڈوں گی مہتاب جنگ۔ اگر یہ داغ مٹنے لگا، اگر یہ زخم کبھی بھرنے بھی لگا تو میں اسے پھر کھرچ کر، نوچ کر ہرا کر لوں گی۔ اس زخم کو چراغ بنا کر روشن رکھوں گی کہ دنیا کے اندھیروں میں اس چراغ کی جوت سے میں اپنے راستے روشن رکھ سکوں"۔!!

رات، کھانے کے بعد سب اپنے اپنے بستروں پہ جانے لگیں تو ایک بہن جی نے اسے بھی آ کے اس کا بستر بتا دیا۔

ایک سخت سا گدا۔ پتھر جیسا تکیہ، نیلے رنگ کا چبھنے والا کمبل

اس کا بستر اِک دم کونے میں تھا۔ اسے اچھا لگا۔ سب سے الگ تھلگ۔ سب کے ساتھ مل کر سونے میں اسے یقیناً ذہنی تکلیف ہوتی۔ ویسے ابھی بھی ہو ہی رہی تھی۔ ہال میں مرغیوں جیسی کڑکڑاہٹ، چیں چیں اور لڑائیاں، جھگڑے، ہر قسم کا شور تھا۔

رات کی ڈیوٹی کی ایک تیسری ہی بہن جی آئیں اور چلائیں۔

"گُپ چُپ کر کے سو جاؤ نئیں تو ڈنڈا پڑے گا۔" آوازوں میں ذرا کمی ہوئی۔

"بہن جی ہم کو ٹی۔ وی دیکھنے دیونا" کوئی لڑکی لجاجت سے بولی۔

"فلم دیکھ دیکھ کے تو منہ کالا کر کے گھر سے بھاگی تھی۔ ابھی دل نہیں بھرا"؟

ویسے ہال کے پرلی سرے پر ٹی وی آن تھا۔ نیوز آ رہی تھی۔ اندرا گاندھی غالباً کے کسی ڈِگنی فائیڈ منسٹر کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔

کمبل اپنے سینے تک کھینچتے ہوئے مہتاب جنگ نے دل ہی دل میں پوچھا۔

"اندرا جی۔ ہم جیسیوں کے لئے آپ نے کیا کیا ہے۔ دیش کی اُنتی والے پروگرام میں ہمارے حصے میں کیا آیا ہے"۔؟

بہن جی سب لائٹس آف کرتی ہوئی چلی گئیں۔ صرف دور ایک چھوٹا سا بلب آن تھا۔

"اب اسی طرح سونے کی عادت ڈالو مہتاب جنگ کم سے کم یہ سوچ کر خوش ہو لو کہ آج تمہارے سر پر چھت اور پیروں کے نیچے زمین تو ہے۔"!

پاپا مرے تھے تو غم کے ساتھ ساتھ۔ نہیں بلکہ غم سے زیادہ اسے پاپا پر غصہ آیا تھا۔ کوئی یوں حقیر سی زمین کے لئے اتنا کر ہتا ہے کہ زندگی جیسی قیمتی اور پیاری شے دے بیٹھے۔

آبا و اجداد کی، لُٹے پٹے بعد بھی بے حساب زمین اور جائداد تھی۔ ممّی اور مغلانی بوا جو قصے بالکل بادشاہوں کی کہانیوں کی طرح کے، پڑدادا اور دادا ابا کے سُناتی تھیں خیر ویسی شان و شوکت تو مہتاب نے کبھی نہیں دیکھی تھی کیونکہ انیس سو سینتالیس کے بٹوارے اور تقسیم کے بعد جب حیدر آباد دکن میں بھی تباہی مچی اور پولس ایکشن ہوا تو خود پاپا بھی ینگ ہی رہے ہوں گے۔ اپنے دادا کے ٹھاٹ باٹ تو خود پاپا نے بھی نہیں دیکھے تھے تو وہ کہاں سے دیکھ پاتی۔ لیکن حیدر آباد دکن کے نہایت ہی پر فضا مقام بنجارہ ہلز پر دادا ابا کی دی ہوئی خوبصورت جگہ ضرور تھی جہاں وہ لوگ مدتوں اس

افراتفری کے بعد بھی بہت شان اور سکون سے رہے ۔ حیدرآباد میں پھر بہت کچھ بدلا بہت تبدیلیاں آئیں ۔ یہ بھی تبدیلیاں آئیں کہ جسے دیکھو منہ اٹھائے بس امریکہ، لندن اور کینیڈا چلا جارہا ہے ۔ اپنی اپنی بچی کھچی جائداد زمین اور بڑی بڑی حویلیاں، گھر بار چھوڑ کر بہتوں نے پاکستان بسایا ۔ لیکن انگریزی پڑھے ہوئے اور حالات کو زیادہ بہتر جاننے والے فارن سدھارے ۔ "پاکستان جانے سے مہاجر کا ٹھپّہ لگ جاتا ہے۔ ہاں امریکہ اور انگلش اسپیکنگ کنٹریز جیسے لندن ۔ کینیڈا ۔ آسٹریلیا جانے سے انسان اک دم سے M o D اور فارینیز بن جاتا ہے ۔ دادا ابّا نہ خود گئے نہ اپنی اولاد کو کہیں جانے دیا۔ ان کی شان شوکت، جاگیریں، چھن جانے کے باوجود بھی باقی تھیں ۔ وہ خود جاگیر پہ موضع میں رہتے تھے ۔ حیدرآباد سے آنا جانا لگا رہتا تھا ۔ دو ہی بیٹے تھے وراثت یار جنگ اور بشارت یار جنگ ۔

"وراثت یار جنگ ۔ پاپا کے بڑے دادا ابّا کا نام بھی وراثت یار جنگ تھا۔ انہی کے نام پہ دادا ابّا نے اپنے بیٹے کا نام بھی وراثت ہی رکھا تھا۔ حالانکہ حیدرآباد دکن میں وراثت یار جنگ کا نام دراصل پڑدادا حضرت کا مشہور تھا، لیکن پاپا کو بھی لوگ اتنی ہی عزت اور مان دیتے تھے ۔ یوں بے چارے پاپا تو اس دولت اور شان شوکت کا عشرِ عشیر بھی نہ دیکھ پائے جوان کے دادا ابّا کی تقدیر تھی ۔ لیکن مجھے یہ شرف حاصل رہا کہ ایک وراثت یار جنگ کی پڑ پوتی رہی تو ایک وراثت یار جنگ کی بیٹی ۔ اور ایسے ایسے بڑے نوابوں کی بیٹی کہ جن کی زمینات دیکھنے کے لئے لوگ نکل جاتے تو صبح سے شام ہو جاتی شام سے پھر صبح ہو جاتی ، زمینیں ختم نہ ہوتیں ۔

بشارت چچا ساری جائداد اور زمین کی دیکھ بھال کرتے تھے ۔ صرف حیدرآباد دکن کی بنجارہ ہلز والی زمین، جس پہ وہ خوبصورت سا مکان بنا ہوا تھا، ان کی اپنی

تحویل میں تھا۔ پاپا نے سارے کاغذات پر۔ بلینک پیپرز پر جگہ جگہ دستخط کر کے بشارت چچا کو دے دیئے تھے کہ زمینات کا سارا حساب کتاب وہی رکھتے تھے جن پر کب کس وقت کہاں دستخط کی ضرورت پڑ جائے بڑے بھائی کی۔ ! پاپا کہا کرتے تھے۔

"میرے بھائی کے ویسا خیال ہور محبت والا بھائی ایک تو بتا دیو کوئی دنیا بھر میں" ؟ ؟

بڑی پابندی سے ڈھیروں روپے لال مدرسے کی چھپری تھیلیوں میں سی کر، منہ بند کر کے ایماندار نوکروں کے ہاتھ سے سال کے سال بھجوا دیا کرتے۔ اور ایک سال نوکروں کے ہاتھ خط بھجوا دیا۔ وہ خط۔

بھائی میاں۔

حالات نے ایسا مجبور کر دیئے ہیں کی اچانک ساری جائداد ہور زمین بیچ باچ کو میں امریکہ جا رہا ہوں۔ مع اہل وعیال کے۔ امریکہ کی گورنمنٹ نے نیا قانون بنائی ہے کی باہر کے ملکوں کے لوگاں کبھی چالیس ہزار ڈالر فی کس لے کو آئیں ہور یہاں کوئی فیکٹری ڈالیں جس میں آدھے گورے لوگاں کو نوکر رکھیں ہور آدھے اپنے ہندوستانی پاکستانی لوگاں کو، تو کتے وہ مستقل امریکہ کی سٹی زن شپ دے دیتے بولتے۔

اب یہاں ہمارا کیا مستقبل رہا۔ ؟ ہور ہم کیا ہور ہماری زندگیاں کیا۔ اب تو اصل سوچ بال بچوں کا ہوتا، اسی واسطے میں سوب کچھ بیچ باچ کو آتے مہینے کی دس تاریخ کو بمبئی امریکہ عازم سفر ہو جاؤں گا۔ دیگر احوال یہ ہے کی خط لکھنے کا مقصد بھی ہے کی زمینات سارے ہی شروع سے ہی آپ خود دستخطاں کر کو میرے نام پو منتقل کر دیئے تھے، گذارش یہ ہے کی میں ہنجارہ ہلز کی وہ جگہ بھی خدا کی مہربانی سے اچھے داموں میں بیچ دیا ہوں جس میں آج کل آپ، بھابھی پاشا ہور ہماری پیاری بھتیجی مہتاب پاشا رہتیں۔ میں ہر سال ایمانداری سے اتنا ہزار دو

روپیہ بھجوا رہا ہوں کی آپ حیدرآباد میں کہیں بھی سستی قیمت پو کوئی بھی معقول سی جگہ خرید لے سکتے۔ بابنا بنایا گھر بھی لے سکتے۔ آپ خود عقل مند ہیں۔

تازہ خلم یہ ہے کی جن صاحب کو میں آپ کا بنجارہ ہلز کا مکان بیچا ہوں اُن کو اسی ہفتہ میں مکان کا قبضہ چاہیئے۔ کیوں کی انوں وہ مکان تڑوا کو کہتے بنجارہ ہلز پو شاندار ہوٹل بنانے کا پلان تیار بھی کرو رئے ہیں۔

یہاں سب خیریت ہے۔ باقی وہاں بھی خدا کے فضل سے خیریت ہی ہوئیں گی۔

آپ کا تابعدار بھائی

بشارت

خدا کے فضل سے خیریت ہی ہوئی۔ خط پڑھتے ہی پاپا نے بس اتنا کہا۔

"ہائے۔ میری اتی بہوت سی زمین"! امی "آغا۔ آغا" کر کے ان پر واری صدقے جانے لگیں۔ "میرے آغا اُجاڑ ماری زمین کا کیا ہے۔ آپ زندہ رہو ایسے ایسے ہزار زمیناں ہور گھراں ہم خرید لیں گے"۔ لیکن پاپا کو جو ہچکی لگی تو پھر نہ ٹوٹی۔

"میرے اللہ۔ میری بیوی ہور بچی تیرے حوالے ہیں۔ انوں کو بے گھر، بے زمین مت کرنا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بس اس کے بعد کچھ نہ رہا۔ میں پاپا پر دل ہی دل میں کس قدر غصہ ہوئی تھی۔ HELL TO زمین۔ کوئی اس طرح غم جی سے لگا لیتا ہے کیا۔؟!

مہتاب جنگ۔ آج تم خوش اور مطمئن ہونا کہ کسی نہ کسی طرح تم زمین کے ایک ٹکڑے پر اپنی پیٹھ تو ٹکا سکتی ہو۔ آج تمہیں احساس ہوا کہ زمین کی کیا قدر و قیمت ہے اور کیوں اس زمین کے لئے جھگڑے ہوتے ہیں۔؟ سگے، اپنے ہی سگوں کو دھوکے دے کر مٹی میں ملا دیتے ہیں۔"؟

اس نے بے پناہ حیرت کے ساتھ سوچا۔

"انسان۔ یہ انسان کس قدر حیرت انگیز اور سخت جان چیز ہے۔ اتنے سارے دکھ اٹھا کر بھی میں زندہ ہوں۔!! اور حد ہے کہ خود کشی کے بارے میں سوچتی تک نہیں"۔؟

وقت کا اندازہ نہیں تھا۔ گھڑی اس کے پاس تھی نہیں۔ رات کے پھر بھی کوئی دو یا تین بج رہے ہوں گے۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ کوئی سانپ اس کے بستر میں گھس آیا ہے۔

اللہ جانے نیند کی کیفیت تھی یا واقعتاً وہ جاگ گئی تھی۔ لیکن چلانے کے باوجود آواز نکل نہیں رہی تھی۔

"سانپ۔ سانپ"۔ اس نے اپنی پوری طاقت سے چیخنے کی غالباً کوشش کی۔ اور سانپ کو ہاتھ سے جھٹک بھی دیا۔

گو وہ پوری طاقت سے چیخی تھی، لیکن اس کی بڑی کمزور سی چیخ پاس والیوں نے سنی اور سب کی سب اک دم سے ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھیں۔ مدھم اجالے میں کسی نے جلدی سے جا کر بڑی لائٹ آن کر دی۔

مہتاب نے غصہ کی ایک تیز لہر اپنے اندر دوڑتی محسوس کی کیونکہ ساری ہی عورتیں اور لڑکیاں کھی کھی، کھُک کھُک کر کے ہنسے جا رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں ہنسی کا راز نہ آیا۔ اس کے بستر کے قریب ہی ایک بیحد تنومند جوان عورت ہانپتی ہوئی بیٹھی تھی۔

عورتیں اس تنومند عورت کو ہدف بنا کر ٹھٹھول کر رہی تھیں۔

"بھوکی تھی بے چاری"۔

"تازہ مال تھا نا۔؟ لپک پڑی"۔

"بھگوان جانے کچھ ملا بھی کی ایسی اچ پکڑے گئی"۔

"شکر خورے کو شکر ملتا اِچ ہے۔ اب دیکھنا... اس کی بات ادھوری ہی تھی کہ رات والی بہن جی شور مچاتی آ گئی۔

اے کیا بھانگڑ چال لی ہے اِدر میں.....

دبی دبی ہنسی کچھ اونچی ہو گئی۔

ایک عورت بستر سے اٹھ کر بہن جی کے بہت قریب آ کر بولی۔

"وہ رنگا بائی ہے نا۔ وہ نوی چھوکری جو آج آئے لا ہے نا، اس کے بستر میں گھس گیا ہوتا۔ وہ بے چاری ڈر کے اُٹھ گیا..."

بہن جی ڈنڈا لہراتی ہوئی رنگا بائی کے پاس پہونچ گئی۔

اے ہلکٹ تیرے کو کِتّا باری بولا اسے اپنے مرد کے سنگات چلا جا۔ اِدر میں ایسے لپھڑے کرنے کو منگتا تیرے کو، مرد نئیں منگتا نا؟"

رنگا بائی بے حیائی سے بولی۔ "مرد ڈھیلا ہے اپنا۔ کر کے تو اس کو چھوڑ کے بھاگا تھا۔"

"ارے تیرے جیسی ٹالس اس کے پلّے پڑ گیا نا اس واسطے بے چارہ ڈھیلا پڑ گیا۔ پڑوسن کے مرد کو لے کے بھاگا، وہ بھی بس نہیں پڑا، تھانے میں پولس والوں کے نیچو پَسر کے بھی تیرے کو ٹھنڈک نئیں پڑا اب اِدر میں گریب چھوکری لوگ کو کھراب کرتا ہے حرام جادی.....

مہتاب کا دل حلق میں آ اٹکا۔

"میرے اللہ۔ تو یہ بات تھی۔" عورتوں کی ہنسی سے تو اس کے کچھ بھی پلّے نہیں پڑا تھا، بہن جی نے اتنا کھلّم کھلّا اُسے ڈانٹا تو سمجھ میں آیا۔ اُسے اچانک کالج کے دن یاد آ گئے۔ لڑکیوں لڑکیوں کی دوستی کوئی معیوب اور غلط بات نہیں ہوتی لیکن دو چار "دوستیاں" ایسی تھیں کہ پروفیسرز بھی ان سے غصہ دکھائی دیتیں۔

"سمجھ میں نہیں آتا سلطانہ آپا دونو سے ناراض کیوں رہتی ہیں۔ پڑھائی میں خاص انٹرسٹ لیتی ہیں۔" مہتاب ایک دن سیدہ سے حیرت سے بولی۔

"اس لیٹے کی اُنے دونو بھی پڑھائی سے بڑھ کر انٹرسٹ ایک دوسرے میں لیتیں بول کے۔"

مہتاب نے حد درجہ حیرت سے دیکھا۔ "سعیدہ واٹ ڈو یو مین۔"؟

آئی مین اِٹ۔ دے آر بیڈ پارٹنر" اور سعیدہ زور زور سے ہنسنے لگی۔

"اوہ نو" وہ نفرت سے بولی۔ اسے یاد آیا بچپن سے ہی اس کی ممی اکثر اسے سمجھاتی رہتی تھیں۔

"پاشا اپنے سنگات کے سہیلیاں کے ساتھ کبھی نہاؤ نکو۔ کپڑے نکو بدلو۔ سہیلیاں سے بھی ویسا اچ شرم لحاظ کرو جیسا مرداں سے کرتے ماں۔"

پھر جب وہ ذرا بڑی ہونے لگی تو اس کو وہ اشاروں میں سمجھاتی رہتی تھیں۔ لیکن کوئی اس کی بھی اس حد تک گہری سہیلی بن ہی نہ پائی کہ وہ ایک بستر میں سوتیں یا ساتھ نہاتیں۔ کچھ کچھ باتوں کا پتہ ہوسٹل میں رہنے والی سہیلیوں سے چلتا رہتا تھا۔ لیکن اسے آج تک علم نہیں تھا کہ دراصل دو لڑکیوں کی دوستی میں ہوتا کیا ہوگا۔ سعیدہ بڑی مزے دار لڑکی تھی۔ دنیا بھر کی معلومات بہم پہونچانے کا ٹھیکہ اس نے لے رکھا تھا لیکن جب دو لڑکیوں کی "بیڈ پارٹنر شپ" کا مسئلہ آجاتا تھا تو وہ خود بھی حیرت سے بولتی تھی۔

"تا بی مرد ہور عورت تو بیڈ پارٹنر ہوتے اچ۔ ہور سمجھ میں بھی آتا کی کیا کرتے ہوئیں گے، پن آج تک کوئی ایسا نئیں ملا جو اپنے کو پوری معلومات دے کی اس میں کیا ہوتا ہور فریقین کو کیا SATISFACTION ملتا بول کے۔؟

ANY WAY ANY DAY I WOULD GO THROUGH IF I SWEAR IT'S A SOCIAL PROBLEM

"سوشیل پرابلم سُلجھاتے سُلجھاتے ایک دن تم خود VICTIM نہ بن جاؤ -"
مہتاب الجھ کر بولی تھی -

"میں صرف جاننا چاہتی کیا ہوتا ہوں کے - میں ایسا کیسا VICTIM بن بنے
سکتی - "؟ سعیدہ غصہ سے بولی تھی -

اور ایک دن سعیدہ خود ہی VICTIM بن گئی تھی - مہتاب کو اس نے
روتے روتے بتایا تھا کہ اکنامکس کی پروفیسر اس پر اچانک ہی ایک رات ٹوٹ پڑی
تھیں جب کہ وہ ان کے گھر، اکیلے کمرے میں ٹیوشن لے رہی تھی -" میرے کو تو کچھ بھی فرخ
نئیں پڑا - انے اِج بھوکے کتّے کے ویسا میرے سارے آنگ کو بھبھوڑ رئے تھے...

تو آج - ؟

آج کیا میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہونے جا رہا تھا - ؟ اللہ - میں ان لوگوں کے
ساتھ کیسے جیوں گی - اُسے یاد آیا جب اس نے دارالامان آنے کی بات کی تھی تو ڈاکٹر
رضا ہمدانی نے کس قدر غصہ سے کہا تھا WHAT DO YOU MEAN, ARE YOU
IN YOUR SENSES

اب اسے پتہ چلا کہ وہ کیوں اس قدر غصہ ہو گئے تھے - !

لیکن صرف اسی ایک بات پر بس خاتمہ ہو جاتا تو ٹھیک بھی تھا - آنے والے دنوں
میں تو ایک سے بڑھ کر ایک ذہنی صدمہ مل رہا تھا -

اس رات بہن جی ڈانٹ ڈپٹ کر اور دو چار ڈنڈے رنگا بائی پر برسا کر چلی گئی تھی
لیکن مہتاب کے دل میں ایک ڈر سا بیٹھ گیا تھا - وہ نسبتاً شریف لڑکیوں اور عورتوں سے
ربط بڑھانا چاہ رہی تھی تاکہ اسے اس طرح کی گھٹیا اوچھی اور کراہت آمیز باتوں کا سامنا
نہ کرنا پڑے -

اس سے اگلے دن اس نے سوچا کہ ان واہیات لڑکیوں میں بیٹھنے سے اچھا ہے کہ

بیک یارڈ میں جا کر گارڈننگ ہی کرے۔ اسے باغبانی کا بے حد شوق تھا۔ پاپا کے ساتھ مل کر وہ گھنٹوں اپنے پچھواڑے میں رہتی جہاں پاپا شوقیہ سبزیاں اور پھل اُگاتے تھے۔ پھلوں کا تو یہ تھا کہ چلو درخت اُگا لیئے۔ آپی آپ سال کے سال پھل دیتے رہتے ہیں سبزیوں کی بڑی دیکھ ریکھ کرنی پڑتی تھی۔ سامنے لان تھا جہاں بے حد خوبصورت سوئیوں کی طرح باریک اٹالین ITALIAN گھاس پاپا نے لگوائی تھی۔ ان کے ایک دوست اٹلی کے رہنے والے تھے انہی نے پہلے سیمپل دیا بعد میں پوری کیاری کی کیاری پریزنٹ کر دی تھی۔ اٹالین گھاس کے ساتھ اس نے اور پاپا نے لان میں حاشیے کے طور پہ صرف موتیا کے پھولوں کے پودے اُگائے تھے۔ اور بیچ بیچ میں موتیا کے ساتھ ساتھ چند گلاب کے پودے۔ آتی گرمیوں میں جب سفید سفید موتیا کے بیچ سرخ سرخ گلاب کھلتے تو سارا لان اس قدر خوبصورت لگتا اور مہکتا الگ۔ وہ گھنٹوں باغبانی میں گذار سکتی تھی۔

کیاریوں کی صفائی کرنے والی لڑکی کی اس طرف بیٹھی تھی۔ مہتاب نے جا کر دھیرے سے پوچھا۔

"میں بھی ہاتھ بٹاؤں تمہارا۔"؟

لڑکی نے پلٹ کر دیکھا اور مہتاب گنگ سی رہ گئی۔

"اس قدر خوبصورت لڑکی۔" مہتاب کو احساس تھا کہ وہ خود ایک بے پناہ حسین لڑکی ہے، جس جس نے، جب جب بھی اس پر نظر ڈالی اسے نگاہوں اور زبانوں سے بے پناہ COMPLIMENTS ملے۔ داد تحسین۔ واہ۔ آہ سب کچھ۔ وہ خدا کی شکر گذار بھی تھی کہ جہاں لڑکیاں آئے دن رنگ گورا کرنے کے لوشن، ابٹن، کریمیں اور جانے کیا کیا ملتی رہتی ہیں۔ بالوں کو لمبا، گھنا اور چمکدار بنانے کے لیئے دن رات جتن کرتی رہتی ہیں وہ ان باتوں سے اللہ کی مہربانی کی وجہ سے کوسوں

دور تھی۔ کئی بار آئینے کے سامنے ہوتی تو اُسے ایک عجیب سا تشکر آمیز خیال آتا کہ اس نے خود بھی کبھی اتنا حسین چہرہ کبھی، کہیں نہیں دیکھا۔

اور اس وقت وہ خود دنگ تھی۔ وہ لڑکی خود بھی کھُرپی پکڑے پکڑے مہتاب ہی کو دیکھے جا رہی تھی۔ آئینہ، آئینے کے مقابل پڑ گیا تھا جیسے۔

مہتاب مسکرائی۔

وہ بھی مسکرائی۔

"تم یہاں کب سے ہو۔"؟ مہتاب اس کے قریب اکڑوں بیٹھ گئی تھی۔

"میں دو گھنٹہ سے یہاں ہوں۔ کیوں۔"؟ وہ حیرت سے بولی۔

مہتاب ہنسی۔" نہیں! میں یہاں تمہارے بیک یارڈوں میں کب سے ہونے کی بات نہیں کر رہی ہوں میں پوچھ رہی ہوں تم اس ہوم میں کب سے ہو۔"؟

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔"جانے کب سے ہوں۔ بھگوان ہی جانے۔ شاید ہزاروں برس سے۔" اس کے چہرے پہ کرب آمیز غم کا سایہ سا چھا گیا۔

"تو مہتاب جنگ تم ایک ہی حالات اور دکھوں کی چکّی میں نہیں پس رہی ہو، یہاں تو کئی ہیں۔ اور تمہیں کیا پتہ کتنے ہوں۔"!!

"تمہارا نام۔"

"میرا نام۔؟ وہ کچھ طنز سے مسکرائی۔ کافی دیر خاموش رہ کے جیسے مجبوراً بولی۔" اجالا۔" پھر خود ہی غصہ سے بولی۔" ماؤں باپوں کو یہ ادھیکار کون دیتا ہے کہ بھاگیہ سے الٹ نام رکھ دیں۔ دیکھو میرا نام اجالا ہے نا۔ جیون بھر صرف اندھیرے ہی سمیٹے ہیں میں نے۔"!

مہتاب۔

چاند۔

اُجالا۔

روشنی

خود مہتاب کے اپنے کتنے معنی اور کتنے روپ ہیں۔ اس کے ساتھ بھی تو یہی کچھ ہوا اور ہو رہا ہے۔! ممّی پاپا، اس کے ناموں کے بارے میں پیار بھرے جھگڑے کیا کرتے تھے۔ "کوئی تو میری بیٹی کے ویسا خوبصورت چہرہ بتا دیو"

خاندان کے کسی بڑے بزرگ نے کہا "پروین" نام رکھو۔ ستاروں کی لڑی جیسا۔ کسی نے کہا "رعنا" رکھو۔ ساری رعنائی یہ بچی پہ ختم ہے۔" پاپا کتنے خوش ہو ہو کر یہ باتیں سناتے تھے۔ "ہم بولے چلو بھئی سوب کی خوشی پوری کرو۔ پروین رعنا اچ سہی۔ پر بیٹا جب آپ کو کانونٹ میں داخل کروانے کا وقت آیا تو ہم سوب کی چوری سے جا کو اپنی پسند کا نام "مہتاب جنگ" لکھوا کو آ گئے۔ کیوں کی یہ ہمارے پسند کا نام ہوتا۔ آپ بیٹا سچ مچ چاند کے ویسے خوبصورت ہیں نا" وہ بڑے دُلار سے پوچھا کرتے۔

"اُجالا" مہتاب بہت پیار سے بولی۔ "تم نے اتنی کم عمری میں ایسے کون سے غم اٹھا لئے ہیں جو کہتی ہو کہ جیون بھر اندھیرے ہی سمیٹے ہیں میں نے"!

اُجالا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ بولی کچھ نہیں۔

"یہاں آنے سے پہلے تم اسکول جاتی تھیں"؟ کیونکہ یہاں کی عورتوں اور لڑکیوں کے برعکس اس کا لہجہ اس کے پڑھے لکھے ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔

"میں دیوداسی ہوں" اُجالا نے بڑی دیر بعد جواب دیا۔

دیوداسی۔! مہتاب کا جسم تھرا سا گیا۔ اس کے ساتھ کالج میں ایک لڑکی پڑھتی تھی۔ سانولی سلونی خوبصورت سی۔ سب سے کٹی کٹی رہتی۔ یا یوں بھی کہا

جا سکتا ہے کہ اسے ٹاپ کر رکھا تھا۔ بیحد اچھا ڈانس کرتی تھی۔ سوشل گیدرنگ اور ڈراموں میں جب بھی پارٹ لیتی، پہلا انعام جیت کر لے جاتی۔ کالج میں اس کے متعلق بہت سی باتیں مشہور تھیں۔ مغلانی بوا کی ایسی کڑی تربیت تھی کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں بھی کسی "ایسی ویسی" لڑکی سے میل جول بنانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کالج کی لڑکیاں قسم کھا کھا کر کہتی تھیں کہ ہم نے خود چھٹی کے بعد اس کو ایسے ویسے لڑکوں کے ساتھ آتا جاتا دیکھے۔" سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ مہتاب اس سے بات بھی کرتی۔

مہتاب نے اس کی ہمت بندھائی۔

"تو دیوداسی ہونا کوئی جرم ہے"؟

"ہاں۔ جرم بھی ہے اور پاپ بھی۔"

عجیب تکلیف دہ خاموشی چھا گئی تھی۔

"تم یہاں کیسے آگئیں" مہتاب نے رکتے رکتے پوچھا۔

"میں دیوداسی نہیں بنی رہنا چاہتی تھی۔ اس لئے۔" وہ ہنسی اور ذرا غصہ سے بولی۔ شادی کرنا چاہتی تھی۔ گھر بسانا چاہتی تھی۔ بہت سارے بچے پیدا کرنا چاہتی تھی۔"

"تو پھر اس میں قباحت۔ میرا مطلب ہے اس میں رکاوٹ کیا تھی"؟

"کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ بات ایک ہی تھی وہاں بھگوان کی دیوداسی ہونے کے ناطے جسم پیش کرنا پڑتا تھا، باہر آکر عورت ہونے کی سزائیں۔"

"لیکن میں نے تو سن رکھا ہے کہ دیوداسیاں بڑی پاکیزہ۔ میرا مطلب ہے بڑی پوتر ہوتی ہیں، ان کا کام ہوتا ہے صرف بھگوان کے سامنے بھجن گاتی رہیں اور نرت کرتی رہیں۔"

"ہاں"۔ وہ ہاں کو لمبا کر کے بولی۔ مشہور تو یہی کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ میں دیو داسی رہ چکی ہوں نا اس لئے مجھے پتہ ہے کہ دھرم اور بھگوان کے نام پر وہاں کیا کیا ہوتا ہے۔ بھگوان کے مہنت اور پجاری سے لے کے ہر یاتری کے آگے بچھ جانا پڑتا ہے کہ یہ بھی شاستروں اور دھرم میں لکھا ہے کہ کسی کا دل نہ توڑو۔ بچھ جاؤ ہر ایک کے سامنے بستر کی طرح۔

"تمہارے خواب۔ میں کہہ رہی تھی تمہارے سپنے تو بری طرح چور چور ہوئے ہوں گے۔"؟

"میں ایک لڑکے سے پیار کرتی تھی"۔ وہ دھیرے دھیرے درانتی سے پودوں کے آس پاس اگی گھانس کاٹتی ہوئی بول رہی تھی۔" وہ عمر میں مجھ سے ۸ دس سال بڑا تھا۔ بیحد پڑھا لکھا، قابل اور محبت کئے جانے کے لائق تھا۔ وہی مجھے شکشا دیتا تھا۔ کتابیں لا لا کر پڑھاتا تھا۔ اسی نے میرے من میں یہ بات بٹھائی تھی کہ یہ دیو داسیوں والا چکر صرف انسانوں کا بنایا ہوا ہے۔ بھگوان نے کبھی نہیں کہا، کسی شاستر نے نہیں کہا کہ اچھی خاصی ماس اور لہو کی بنی لڑکی کو بھگوان سے بیاہ دو۔ بھلا مٹی اور پتھر کے بھگوان بھی کسی کے پتی پرمیشور ہو سکتے ہیں۔ وہ کیا شریر کا سکھ دے سکتے ہیں۔ اور آتما کا سکھ دیا بھی تو کیا۔ اس دنیا میں کیا نر کیا ناری، ایک دوسرے کے لئے بنائے گئے ہیں اور دونوں ایک دوسرے میں جڑ کر ہی دنیا کو سندر بنا سکتے ہیں۔"

"جب وہ اتنا اچھا تھا تو پھر اس نے تم سے شادی تو ضرور کی ہوگی"۔

"شادی اس نے کی ضرور۔ لیکن مجھ سے نہیں گاؤں کے زمیندار کی بیٹی سے"۔

مہتاب کا دل دکھ گیا۔" لیکن وہ پریم تو تم سے کرتا تھا نا۔"؟

"دیکھو بی بی"۔ اس نے مہتاب کے رکھ رکھاؤ اور مہذب اندازِ گفتگو سے متاثر ہو کر اُسے بی بی کہہ کر مخاطب کیا۔" میرے چھٹ پن میں ہی میری شادی بھگوان جگن ناتھن

سے کردی گئی تھی۔ میں چھوٹے چھوٹے پیروں سے ناچتے ناچتے بے حال ہو جاتی تھی لیکن سب اسے شردھا کہہ کہہ کر بڑھاوا دیتے تھے۔ مجھے روزانہ دو گھنٹہ بھور کے سمے اور دو گھنٹہ سندھیا کے سمے بھگوان کے سامنے بھجن گانے پڑتے تھے۔ ناچنا پڑتا تھا، اس لئے کہ وہ میرے پتی پرمیشور تھے۔ پرنتو مجھے اس کڑی سزا کی وجہ کہ صبح شام مر مر کر ناچوں اور گلا پھاڑ دوں، پتی پرمیشور سے ہی نفرت ہو گئی۔ میرے ساتھ کی عمر کی لڑکیاں جب کھیتوں میں کیریاں توڑتیں۔ املیاں چباتیں، میلے ٹھیلوں میں گھومنے جاتیں تو میں ماتھے پہ پیلی لال نیلی تین دھاریں ملے بھگوان کے نام کا سمرن کرتی۔ جاپ کرتی۔ جس نے مجھے کبھی کچھ نہیں دیا۔ ایسے میں میرا من دیپک پر آگیا" وہ سر اٹھا کر عجیب دُکھ بھرے لہجے میں بولی۔

"وہ کہتا تھا تو بھی اُجالا ہے۔ میں بھی اُجالا ہوں۔ دونوں مل کر اس سوہنی دھرتی سے یہ دیوداسیوں والا یگ ہی ختم کر دیں گے۔ لیکن وہ بھی پُرش ہی نکلا۔ مجھے پڑھایا، لکھایا، پریم سے دنیا کو جیت لینے کی شکشا دے کر، جب رسموں رواجوں سے لڑنے کا وقت آیا تو چپ چاپ شادی کرنے چلا گیا" وہ ہنسی۔

"شادی کے بعد اپنی پتنی کے ساتھ وہ اسی مندر میں جگن ناتھن بھگوان کے آشیرواد لینے آیا جن کی میں دیوداسی تھی۔ تم نہیں سوچ سکتیں بی بی جب تن من دھن سے تم کسی پُرش کو اپنا مان لو اور وہ دوسری استری کے ساتھ، اس کا پتی بن کر تمہارے سامنے آ کھڑا ہو تو من پہ کیا بیتتی ہے، کلیجہ کٹنے لگتا ہے۔ اس کی اور اس کی پتنی دونو کی ہتھیا کرنے کو جی کرتا ہے۔ اور وہی میں نے کیا بھی"

"کیا۔" مہتاب لرز کر چیخی۔

"ہاں بی بی۔" وہ بیحد اطمینان سے بولی۔ میں ہتھیاری ہوں۔ اس کی پتنی تو بچ گئی مگر وہ میرے ہاتھوں مارا گیا۔"

مہتاب کو اس سے قطعاً ڈر نہ لگا۔ رکتے رکتے اس نے پوچھا۔" لیکن تم یہاں کیسے پہنچ گئیں پھر۔"؟

وہ عجیب سی ہنسی، ہنسی۔" دیکھو بی بی اس نے انگلی سے اپنے ماتھے پہ ہلکی سی ضرب دی۔

"جو بھاگیہ میں لکھا ہوتا ہے نا وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔"

مہتاب کچھ نہ سمجھ سکی۔ وہ خود ہی سنانے لگی۔ مندر کے بڑے منہت نے میرے ساتھ جو کیا وہ میں بھولی نہیں تھی۔ جب ایک بار تمہارا وداہ جگن ناتھن بھگوان سے ہو گیا تو پھر انسان کا اس ناری پہ کیسا ادھیکار۔ اس کے تن کو شریر کو جب بھگوان کو ارپن کر دیا گیا تو اس سے کھلواڑ کیا معنی۔؟ مجھے دیپک نے بہت ساری اچھی اچھی باتیں بتائی تھیں وہ کہتا تھا پہلے تو یہی غلط ہے کہ کسی چھوٹی سی عمر کی لڑکی کو بھگوان کی پتنی بنا دیا جائے اور جب بنا ہی دیا گیا تو ہر آتا جاتا اسے نل کیوں سمجھ کہ جب پیاسا ہوا، آیا، ٹونٹی کھولی، پیاس بجھائی اور چلتا بنا۔

مندر کے بوڑھے مگر تگڑے منہت نے بی بی جب میں باہر بیٹھی...... وہ مسکرائی ہاں ہم لوگوں میں جب لڑکی کو پہلی بار مہینہ آتا ہے تو گھر کے اندر ہونے کے باوجود رسوئی سے دور، گھر میں ہی سہی، باہر بٹھا دیتے ہیں۔ سات دن تک رسوئی نہیں بنانے دیتے، کسی کام میں ہاتھ نہیں ڈالنے دیتے۔ ان سات دنوں میں وہ اپوتر ہوتی ہے۔ پھر زندگی بھر چاہے ماں کے گھر رہو یا سسرال میں۔ باہر بیٹھنا ہی پڑتا ہے۔ میرے باہر بیٹھنے کی ریتی رواجی رسم جب دھوم دھام سے منائی گئی تو اس بڑ دس سے لے کر سبھی کو پتہ چل گیا کہ اب میں سچے ڈھنگ سے بھگوان کی داسی بن گئی۔ میں سنا رہی تھی بی بی کہ جب میں اتنی چھوٹی سی تھی کہ میرے تن کے پھل بھی کچے کچے تھے۔ اس رات بھجن کیرتن کر کے جب میں مندر سے نکل رہی تھی تو منہت نے مجھے اندھیرے

میں پکڑ لیا۔ میں چیخی چلائی تو بولا۔

"ارے بھاگیہ دان اب تو بھگوان کو تیری آرتی چڑھانے کا اصل سمے آیا ہے۔"

میں کچھ بھی نہ سمجھی۔ پھر بابی اس نے میرے کمزور اور کچے بدن کو کس کے پکڑ لیا۔ میرے لٹانے کو جو جگہ بنائی وہاں پہلے ایک سفید کپڑا بچھا دیا۔ پھر میں الفاظوں میں بتا نہیں سکتی بی بی کہ میری جان میں کتنی تکلیف ہوئی۔ میری چیخیں نکل گئیں، وہ مجھے جنگلی جانور کی طرح نوچتا، بھنبھوڑتا رہا۔ جب وہ میرے شریر سے ہٹا تو مجھ میں اٹھنے کی بھی شکتی نہیں تھی۔ میری ٹانگیں بے دردی سے کھینچ کے اس نے نیچے سے وہ سفید کپڑا نکالا جو اب لہو سے لال ہو گیا تھا۔ پھر اس نے پھول سیندور اور دوسری سامگری کے ساتھ وہ کپڑا جگن ناتھن کے چرنوں میں لے جا کر بھینٹ کیا اور مجھ سے بولا۔

"لے اب تو سچے طور سے دیو داسی بن گئی۔"

تو بی بی جب میں نے دیپک کی ہتھیا کی اور گاؤں کے پولس پٹیل اور پنچوں تک بات پہنچی اور سب میرا بیان لینے پہنچے تو میں نے صاف کہہ دیا کہ "مجھے مہنت جی نے کہا تھا کہ دیپک کی ہتیا کر دے۔"

پولس پٹیل نے جرح شروع کی۔ میں ہر بات کا کھلا کھلا جواب دیتی گئی۔

"مہنت سے دیپک کی کیا دشمنی تھی۔"؟

"مہنت مجھے روز اپنے بستر میں سلاتا تھا اور سکھاتا تھا کہ کسی اور کے ساتھ کبھی مت سونا ورنہ بھگوان جگن ناتھن کا کرودھ تجھ پر پڑے گا۔"

"تو دیپک اس قصے میں کہاں سے آ گیا۔" پولس نے پوچھا "دیپک ایک بار میرے ساتھ سو گیا تھا۔ مہنت نے دیکھ لیا تھا۔"

"پھر کیا ہوا۔"؟

"پھر مہنت دیپک کا دشمن بن گیا۔"

"پھر کیا ہوا۔"

"پھر ایک دن میں اور دیپک ایک ہی چادر میں لپٹ کر سو رہے تھے تو منہت نے ہم دونو کو بغیر دھوتی اور ساڑی کے دیکھ لیا۔"

"پھر اس نے کیا کیا۔"

"دیپک جوان اور ٹاٹس تھا۔ منہت تگڑا تھا پھر بھی بوڑھا تھا۔ دیپک اس پر بھاری پڑ گیا اس نے منہت کو اٹھا کر پٹخ دیا۔"

"اس کے بعد کیا ہوا۔"؟

"اس کے بعد منہت بار بار مجھ سے کہنے لگا کہ تو دیپک کو کسی بھی طرح مار ڈال تو تجھے دس تولے کا سونے کا چندن ہار دوں گا۔"

"اور تو نے مار ڈالا۔"

"منہت تو بھگوان کا پجاری ہے اس کی بات کیسے نہ مانتی۔ وہ تو کہتا تو میں اپنے ماں اور بہن بھائی کو بھی مار ڈالتی۔"

"مارنے کے لئے ہنسی تو کہاں سے لائی۔"؟

"ہنسی۔؟ اور میں۔؟ مجھے تو پتہ بھی نہیں کہ ہنسی کیا ہوتی ہے۔ وہ تو منہت نے مجھے لا کر دی تھی کہ اس سے جلدی ہتھیا ہو جائے گی۔"

"اور ہنسی رکھی کہاں تھی۔"؟

"بھگوان جگن ناتھن کے چرنوں میں ایک دوشالے سے ڈھانپ کر منہت نے پہلے ہی چھپا دی تھی۔"

بار بار مجھ سے سوال کئے گئے، بار بار میں نے یہی جواب دیئے۔ کسی بھی مرتبہ بیان میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیا۔ پولس پٹیل اور پنچوں میں خوب بحث مباحثے ہوئے۔ میری عمر اور سچائی کو دیکھتے ہوئے نردوش قرار دے دیا گیا۔ چھ مہینے

ریمانڈ ہوم میں بچوں کے ساتھ سدھار کے لئے شہر بھیج دیا گیا۔"

مہتاب سحر زدہ سی اس کی ڈرامائی کہانی سن رہی تھی۔ اجالا کے چپ ہونے پر اس نے پوچھا۔

"قتل کے لئے تمہیں ہنسی کس نے دی تھی۔"؟

"ماں بکریوں کا چارہ کاٹنے کے لئے استعمال کرتی تھی اور بارٹے میں پرچھتی پر رکھ دیا کرتی تھی۔ ہر دن تیز کرتی تھی کیونکہ لکڑیاں اور چارہ کاٹنے سے جلدی ہی ہنسی بھتڑ ہو جاتی ہے۔ جس دن دیپک کی شادی ہوئی سارے گاؤں میں شور تھا کہ دولہا دلہن مندر میں آشیرداد لینے آنے والے ہیں۔ میں نے ہنسی بھگوان جگن ناتھن کے چرنوں میں رکھے درشالے میں پہلے ہی لاکر چھپا کر رکھ دی تھی۔ آخر کو وہ میرے پتی پر میشور تھے۔ پتنی کا اتنا بھی ساتھ نہ دیتے۔"؟

بڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ بلا ضرورت بھی اُجالا پتیاں اور گھاس توڑ توڑ کر ڈھیر کرتی گئی۔ اچانک وہ سر اٹھا کر عجیب سے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"ودّیا چہرے مُہرے سے برس جاتی ہے۔ تم تو پڑھی لکھی لگتی ہو بی بی۔ ایک بات بتاؤ گی کہ اتنے دکھ اُٹھا کر بھی مرنے کو جی کیوں نہیں چاہتا۔؟ بچوں کے ریمانڈ ہوم میں۔ اور اب یہاں بھی، میرے ساتھ جو جانوروں جیسا سلوک ہوا ہے نا بی بی، اگر کوئی شرم اور غیرت والی ہوتی، تو سمندر دور پڑتا تو یہیں ناک میں پانی چڑھا کر مر جاتی یا پنکھے سے خود کو باندھ کر لٹک جاتی۔ جیون اتنا پیارا ہوتا ہے بی بی۔ وہ بھی بغیر کسی وجہ کے۔"؟؟

مہتاب نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ریمانڈ ہوم اور اب یہاں "ناری سدھار گھر" میں تمہارے ساتھ کیا بیتی اُجالا۔"؟

"تم پڑھی لکھی ہو بی بی۔ یہ بات تمہارے چہرے پہ کھدی ہے۔ تمہیں میری

سوگند ہے ایک کتاب لکھنا بی بی اور میرا نام لکھ کر، ڈنکے کی چوٹ لکھنا کہ یہ سب سچ ہے اور ان گھروں میں کیا کیا کچھ ہوتا ہے۔ وہ میں تمہیں بتاتی ہوں۔"

مہتاب اُسے ترس بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"میرا دوش پورا ثابت نہ ہو سکا، منہت کو بہرحال جیل ہو گئی۔ قانون کی نگاہ میں میں کچھ نہ کچھ شاملِ جرم تو ضرور تھی اسی لئے مجھے بمبئی بھجوا دیا گیا۔ بمبئی نگری میں بچوں کے ساتھ میں رکھی گئی۔ پہلے تو ان لوگوں میں یہ ہی طے نہیں ہو پا رہا تھا کہ میں بچی ہوں یا بڑی۔ دیکھنے میں بچی جیسی لگتی تھی حالانکہ بالغ ہو چکی تھی۔ پھر بھی جسامت اور دیکھنے دکھانے کے اعتبار سے بچوں میں شمار تھا اس لئے بچوں کے ریمانڈ ہوم میں رکھی گئی۔

وہاں "خیریت" پوچھنے والے بے حساب آتے تھے۔ نہ میری کسی سے جان پہچان تھی نہ کبھی ملاقات ہی زندگی میں کسی سے پہلے ہوئی تھی۔

بڑے صاحب سے لے کر، باورچی، چپراسی، ڈاکٹر، سبھی بیحد "مہربان"۔ خود بڑھتی عمر کے لڑکے، نئے نئے تجربے کرنے کے شوق میں دیواریں پھاند کر آ جاتے اور مجھے روز یہی لگتا کہ یہ بھی بھگوان جگن ناتھن کا مندر ہی ہے اور یہاں بھی میں وہی دیوداسی ہوں۔ اس سنسار میں نا بی بی بھگوان کی پیدا کی ہوئی کتنی چیزیں ہیں؟ سب سے کم تر اور ناقدری۔ بیکار۔ پیروں میں روندی جانے والی چیز ہے ناری۔ عورت!

ہاں بی بی عورت۔ تم سے سچ کہہ رہی ہوں بی بی چار چار آنے۔ پچیس پچیس پیسے میں یہاں عورت مل جاتی ہے۔ بک جاتی ہے۔ میں خود کتنی بار ایک ایک روپے میں بکی ہوں۔"...

مہتاب نے لرز کر اس کی بات کاٹی۔

"مگر کیوں۔؟ کیسے۔"؟

"پیٹ کی خاطر۔ اپنے پیٹ، کی خاطر۔ کبھی اپنے لئے۔ کبھی دوسروں کے لئے۔ دوسرے بھی بیچ دیتے ہیں بی بی۔ دھندہ کرواتے ہیں نا۔ یہاں بمبئی میں تم کو ایک سے ایک اڈہ ملے گا۔ میں سب گھوم پھر کے یہاں آ کے بیٹھی ہوں۔ یہ بات نہیں کہ یہاں سب اچھا ہے۔ بس یہ ہے کہ وہاں ڈنڈے بھی پڑتے ہیں اور پیسہ بھی اتنا نہیں ملتا جس کے لئے اتنی مار کھاؤ۔ یہاں یہ ہے کہ پیٹ بھر روٹی تو مل جاتی ہے جو کہ اصل ضروری ہے۔ تن اور شریر کا کاروبار وہاں بھی ہے یہاں بھی۔۔

مہتاب نے ڈر کے پوچھا۔ لیکن یہ تو ناریوں کا "سدھار گھر" ہے نا"

پہلی بار اُجالا اتنی زور سے ہنسی۔ اس کی ہنسی مہتاب کو بڑی طنزیہ لگی۔

"سدھار گھر۔ ؟ اسے" بگاڑ گھر" کہو بی بی بگاڑ گھر۔ یہاں یہ جتنی عورتیں مصیبت کی ماری آتی ہیں نا، آدھی تو خود ہی بُرے دھندے کر کے آتی ہیں تو بگڑی ہوئی ہوتی ہیں اور جو باقی کی ہوتی ہیں انہیں باقاعدہ بگاڑا جاتا ہے۔ سِلائی کیا جاتا ہے بی بی انہیں۔۔۔۔۔

"اوہ۔ نو۔ مہتاب لرز کر بولی۔ نہیں"

"ہاں بی بی میں جھوٹ کیوں بولوں گی۔ مجھے دس بار "اوپر" بھیجا گیا ہوگا"

"اوپر"۔ ؟ غیر ارادی طور پر مہتاب نے اوپر دیکھا۔

اُجالا مسکرائی۔ ویسی بات نہیں بی بی۔ اوپر سے مطلب بڑے لوگوں کے پاس یہاں سے عورتیں بھیجی جاتی ہیں۔ ایک ایک کا نام گِنا گِنا کے بول سکتی ہوں کہ خود مجھے کس کس کے پاس بھجوایا گیا۔ اس میں نیتا بھی ہیں۔ پولس والے بھی ہیں۔ اخبار والے بھی ہیں۔ پیسے والے بڑے بڑے لوگ بھی ہیں"

"لیکن آخر بھجواتے کیوں ہیں۔ کس لئے"

اُجالا مسکرا کر ذرا پیار سے مہتاب کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"بی بی اتنی جلدی تمہاری عقل میں یہ سب باتیں نہیں آئیں گی۔ نئی ہو نا۔ میں بھگت چکی ہوں اس لئے تجربے کی بات بتا رہی ہوں۔ یہ جو "ناری سدھار گھر" چلانے والے لوگ ہیں نا۔ یہ ان اڈوں سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جو رنڈیاں سپلائی کرتے ہیں، یہاں دیکھنے دکھانے میں اچھی اور جو زیادہ جوان لڑکیاں ہوتی ہیں نا، انہیں سپلائی کر کے یہ سدھار گھر والے پیسے بنا لیتے ہیں۔ کچھ خود ان لڑکیوں کو بھی پکڑا دیتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ عجیب اور سچی بات یہ ہوتی ہے کہ چونکہ یہاں پر زیادہ تر لڑکیاں آوارگی کر کے، کسی کے ساتھ بھاگ کے، کسی فلم والے کے "چکر" میں آ کے۔ کبھی عشق عاشقی میں بہٹ لا کے گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ گھر والے کبھی تو پولس میں رپورٹ کر دیتے ہیں کہ مل جائیں، کوئی کوئی بدنامی کے ڈر سے کرتے بھی نہیں۔ اور کبھی پولس والے شک شبہ میں مشکوک نظر آنے والی عورتوں کو خود ہی پکڑ لاتے ہیں۔ تو اب بی بی تم سوچو کہ ایسے "سدھار گھر" چلانے والوں کو خود بھی یہ معلوم رہتا ہے کہ ان کا چال چلن کیسا ہے۔ کیا ان کی عزت ہے اور کیا قدر و قیمت، اور عزت کا تو یہ ہے بی بی کہ ایک بار گئی یا سو بار گئی۔ ایک ہی بات ہے۔ ایک بار کسی لڑکی کا بھلت کار ہو گیا۔ اب اس کو کیا فرق پڑتا ہے اگر روز بھی ہوتا رہے۔ اسی بات سے یہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انہیں معلوم رہتا ہے کہ اب یہ عزت کی دہائی دینے سے رہی۔ پھر یہ بھی ہے کہ پیسہ بھی دیتے ہیں اور تم جانو بی بی پیسہ تو دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اب کوئی پوچھے کہ یہاں رہتے، پیسہ کی کیا ضرورت ہے ۔۔۔ ؟ تو بی بی کہیں بھی رہو پیسہ پیسہ ہی ہے، اس کی ضرورت پڑتی ہی ہے۔ قبر میں دبائے تک اور چتا میں جلائے تک، ہر ہر پگ پہ پیسہ لگتا ہے۔ اب تم میری بات لو بی بی۔ دیوداسی تھی تب بھی لوگوں نے جسم نوچا۔ ریمانڈ ہوم میں تھی جب بھی

نوچا۔ یہاں آئی تب بھی وہی سلسلہ ہے نواب میں اس جسم اور شریر کو کیوں بچاؤں۔؟ میری ہی طرح اور بھی لڑکیاں اور عورتیں ایسا سوچتی ہی ہوں گی ورنہ اس گھناؤنے کام کو یوں بڑھاوا نہ ملتا۔ پھر پیسہ جو ملتا ہے کتنے کام آتا ہے۔ کپڑے خریدو۔ صابن پوڈر سنگھار کا سامان خریدو۔ یہاں جو بھوسے کی روٹی اور بھاجی کے نام پر گھاس ملتی ہے، اس سے چھٹکارا پاکے باہر کا کچھ منگا کے کھاؤ۔ اور اتنے آرام کے بدلے ایک رات یہاں نہ گذاری باہر گذار لی۔ اور اکثر تو بڑے مہنگے ہوٹلوں میں، یا بڑے فلیٹوں میں، جہاں فوم کے گدّے والے بستر ے۔ قالین۔ گلدانوں میں پھول۔ ریشمی پردے۔ پینے کو شراب۔ سگرٹ، پھر بے حد مزے مزے کے کھانے۔ کبھی مرغ۔ تو کبھی کباب کبھی بریانی۔ کبھی مچھلی۔ ہاں جو واقعی شریف لڑکیاں ہوتی ہوں گی تمہاری طرح .... ان کی بڑی تباہی ہے یہاں۔...

مہتاب نے بات کاٹ کر پوچھا۔ "تمہیں کیسے پتہ کہ میں شریف لڑکی ہوں۔"؟

اُجالا ہنسی۔ "دیکھو بی بی ایک بات یاد رکھنا شریف عورت، بھلے کسی عورت سے بھی بات کر رہی ہو تو مسلسل اس کی آنکھوں میں آنکھیں نہیں ڈالے رہتی۔ اور جب بات چیت میں کوئی ایسی ویسی بات کا ذکر آجائے تو آپی آپ اس کی نظر نیچی ہو جاتی ہے۔ ابھی میں جو تم سے اتنی باتیں بتا رہی تھی تو تم نے کتنی بار زمین کو اپنے پیروں سے کُریدا۔ کتنی بار میری آنکھوں سے آنکھیں چرائیں۔؟ یہ میں جانتی ہوں۔ بی بی تم بہت بھلے اور شریف گھر کی ہو۔ میں نہیں پوچھوں گی کہ تم یہاں اس نرک میں کس گھٹنا سے گذر کر پہنچیں، لیکن بھگوان سے پرارتھنا کروں گی کہ تم کو اس گھڑی سے بچائے جب مسز ماتھر تمہارا علاج کرے۔"!

"مسز ماتھر۔؟ وہ کاؤنا کولوجسٹ۔"؟

مہتاب سہم کر بولی۔ "کیوں۔ کیا کرتی ہے وہ۔"؟ اسے اچانک یاد آیا

کہ کپور صاحب کے ساتھ راؤنڈ لیتے ہوئے جب اس نے یونہی پوچھ لیا تھا کہ "ویسے تو گائناکولوجسٹ لیڈی ڈاکٹر کی ضرورت یہاں پڑتی بھی نہیں ہوگی۔" تو وہ عجیب طرح سے سٹ پٹا گئے تھے۔ اُجالا بتا رہی تھی۔

"جب آئے دن لڑکیاں باہر سپلائی کی جائیں گی۔ یہاں کے اسٹاف کے بستر گرم کریں گی تو حمل وِمل بھی ٹھہریں گے کہ نہیں۔"؟

مہتاب نے خوف کی لہر ریڑھ کی ہڈی سے گذرتی محسوس کی۔ جو سارے جسم کا چکر لگا کے اس کے گھٹنوں کو بے دم کر گئی۔

"اگر اس وقت میں بیٹھی نہ ہوتی تو یقیناً چکر کھا کے گر گئی ہوتی۔ اللہ میں کس عذاب میں پڑ گئی۔ کیا گناہ تھا میرا۔"؟

"کوئی کوئی لڑکی بچہ رکھنا بھی چاہتی ہے۔ دل بہلا رہتا ہے نا۔ زیادہ تر گرا دینا چاہتی ہیں۔ اب اپنی زندگی ہی ایسی گذر رہی ہو تو کون یہ جھنجھٹ پالے۔ میں نے خود تین گربھ گرائے ہیں۔"

مہتاب نے اُجالا کو بے حد تڑپ کے ساتھ دیکھا۔ کتنی مصیبتیں اٹھا کر بھی یہ لڑکی زندہ ہے۔ اتنی کم عمر۔ اتنی خوبصورت۔

"تمہاری عمر کیا ہوگی اُجالا۔"

"پچیس پورے کر چکی ہوں۔" وہ تلخ ہو کر بولی۔

مہتاب کو سخت حیرت ہوئی۔ "لیکن لگتی تو بہت ینگ ہو۔"

"بے غیرت ہوں۔ اور کیا۔" وہ ہنس پڑی۔ اک دم وہ سیریس ہو کر بولی۔

"بی بی۔ میری مانو۔ اگر اتنی بڑی دنیا میں تمہارا کوئی ایک بھی رشتہ دار ہو وہ چاہے کتنا بھی برا ہو، تم اس کے پاس چلی جاؤ۔"

مہتاب دکھ سے بولی۔ "تم حیرت کرو گی۔ یا شاید نہ بھی کرو۔ اتنی بڑی دنیا

میں - میں بالکل اکیلی ہوں۔"

"مان ہی نہیں سکتی" وہ ڈھٹائی سے بولی - کہیں تو کوئی تو ہوگا - اے بی بی یہ دنیا کتنی بڑی ہے - ؟ سات سمندروں سے پرے بھی اُدھر کتنی دنیائیں اور روشنائیں ہیں - آج کل تو تم جیسے بڑے گھر والے اور پڑھے لکھے لوگوں کے امریکہ اور دوسرے دیشوں میں رشتہ دار ہونا اوشتے ہے - اور ہوتے ہی ہیں - "امریکہ میں تو.....

چاندی کے تھال میں جگر مگر زیورات نگاہوں کو خیرہ کیئے دے رہے تھے۔ ایک نقرئی کشتی میں منگنی کا ہرا جوڑا، گوٹے ٹھپّے سے لش لش کرتا جھم جھما رہا تھا - ساتھ ہی گیارہ کشتیوں میں سمدھنوں کے لئے "ہیریانی" اور "ملنی" کے جوڑے - گجرے، پھول، سوکھے میوے تازے پھل - ایک بازار سا سجا ہوا تھا۔

"الّو - الّو پورا کا پورا لاڑ بازار اٹھا کو لے آئیں کیا ماں دولہے والے" پڑوسن بولیں۔

"ہاؤ - دیکھو تو جی - اب - کاں وہ پرانے لوگاں ہور کاں کے پرانے رسماں رِواجاں، پن یہ لوگاں سچّی بھی خالی خولی باتاں کرنے والے نئیں، لگتا کی اصلی نوابان ہئیں" دوسری ملاقاتی بولیں - یہ مقصود پاشا کے باوا.....

موضع سے تایا ابا، تائی ماں - ان کے بال بچے - یہاں سے ماموں جان، مومانی ماں ان کے رشتہ دار - پھر اِدھر اُدھر کے میل ملاقاتی ملا کے اتنا بڑا حویلی نما مکان، گچا گچ بھر گیا۔

مہتاب دلہن بنی بیٹھی تھی -

"یہ ایسے موقعوں پہ یار اِتّے پوٹّیاں کاں سے اُبل پڑتے - پتہ نئیں" ایک کزن مہتاب کی سہیلیوں کو چڑھانے پہ اُتارو تھا۔

"ہور ایسے موخعوں پو اُجاڑ اِتّے کوّے کاں سے کائیں کائیں کرتے آجاتے۔"
ایک سہیلی پٹاخ سے بولی۔

"کوّے نا" ایک طرار سا لڑکا، لڑکیوں کے جتّھے اور لپ اسٹک اور لالی سے تپتے ہوئے ہونٹ دیکھ کر بولا۔ "کوّے نا، ہمیشہ لال لال بوٹیوں کے تاک میں رہتے۔ موخعہ ملا کی لے کو اڑے۔"

"اللہ۔ ہا۔ گندے، اُجاڑ بھکاری پوٹّے۔ کائے کو جمع کری تابی ایسے بیکار لوگاں کو۔" دو چار سہیلیاں گالوں پہ ہاتھ مار مار کے اللہ۔ اللہ کر کے شرم کم اور بناوٹ زیادہ کرنے لگیں۔

لڑکے چھیڑنے لگے۔ "اِنے شرم دیکھو بیکار کی۔ دل میں تو لڈّو واں پھوٹ رہے ہوئیں گے۔ دل تو اندر سے چاہ رہا ہوئیں گا کی سچّی بھی کوئی آنا ہور ہونٹاں کاٹ کو لے کو جانا پہ باتاں دیکھ کیسے بنالے رئیں۔"

"تابی۔ لڑکیاں سخت پروٹسٹ کرنے کے موڈ میں تھیں۔

"یہ بندراں اُجاڑ کیا کیا بول لے رئیں ہور تو اپنے دولہے کے دھیان میں مگن بیٹھی۔ نکال ان کو یہاں سے۔"

وہ واقعی اپنے دولہے کے دھیان میں مگن بیٹھی تھی۔ جو چند محلے چھوڑ کر دولہا بنا بیٹھا ہوگا۔ منگنی میں دولہا تھوڑی ہی آتا ہے بس ماں بہنیں، بھاوجیں بھتیجیاں اور سب خواتین مل کر منگنی کا جوڑا، زیور پھول، میوے، پھل مٹھائیاں، ڈھول لے کر جاتے ہیں اور صمد ہنوں کو پہنا دا پہنا کر اور گالیاں دے کر آجاتے ہیں۔ دلہن تو بس یونہی دولہا کے تصور میں ڈوبی کھوئی رہتی ہے۔ اُدھر دولہا بھی دلہن کے تعلق سے بُری بُری باتیں سوچتا پڑا رہتا ہے، ساتھ لے جو نہیں جاتے۔ کیا کرے بے چارہ۔

"ہائے وہ بھی اکیلے کچھ نہ کچھ تو میرے تعلق سے سوچ رہے ہوں گے" تابی نے

شرما کے سوچا۔ ڈھول کی بے تحاشہ دھمک اور میراثنوں کے بول اس کی سوچیں کو منتشر کیئے دے رہے تھے۔ سمدھنوں کی زبردست "پذیرائی" ہو رہی تھی۔

ہماری سمدھن کو صفائی کا شوخ ہے
اگے بھنگی سے نکاح پڑھا دیوں گی۔ سمدھن جانے نہ دیونگی
ہماری سمدھن کو پینے کا شوخ ہے
اگے بیوٹ سے نکاح پڑھا دیونگی۔ سمدھن جانے نہ دیونگی
ہماری سمدھن کو "کاٹے کاٹے" کا شوخ ہے
اگے پہلوان سے نکاح پڑھا دیوں گی
سمدھن جانے نہ دیوں گی۔

کالج کے لڑکے لڑکیاں۔ کزن سسٹرز کزن برادرز۔ ہنسی ہاؤ ہو۔ ایک غل غپاڑہ تھا۔ میراثنوں کے بول ہی ایسے واہیات تھے۔

دولہے والی میراثنوں کے جواب میں دلہن والی میراثنیں شروع ہو گئیں۔

ایّو ماں ڈھیڑنیوں کے بھلانے کے لوگاں
دولہا آتا بول کے میں مرغی پکائی
ایّو ماں چٹنی کے کھانے کے لوگاں
دولہا آتا بول کے میں مسند بچھائی
ایّو ماں فرشی پو بیٹھنے کے لوگاں
دولہا آتا بول کے میں نوٹنکی سجائی

"ہائے اللہ۔ تابی کتّی دور چلی جائیں گی نا۔" منوری نے خواہ مخواہ رقت طاری کرنے کی کوشش کی۔

نازیہ اُسے دھکا مار کر بولی۔ "اے بس بس اب زیادہ نخرے نکو دکھا۔" "کتّی دور۔" ؟ ہو نہہ چار گھر پرے تو اُنے رہتا دولہا۔"

"اگے ہاؤ۔ کوئی پڑوسن جنہیں سب خالہ بولتے تھے۔ خوش ہو کر بولیں۔
"ایسا چ بیٹی نزدیک ہونا پڑتا کی چھینک بھی مارے تو اماں باوا کو پتہ چل جانا۔"
کوئی تیز طرار لڑکی دھیرے سے بولی۔
"ہو اب اتا نزدیک بھی نکو کی اُجاڑ دولہا پیار لیا تو پٹ کی آواز بھی اماں باوا کے کاناں میں جارئی۔

ممتاز کی ابھی ابھی شادی ہوئی تھی۔ ذرا مہارت سے بولی۔
"اناڑی ہوئیں گا تو پٹ پٹ پیار کی آواز نکالیں گا۔ نئیں تو ہوٹاں، ہونٹوں میں گئے تو کاٹے کی آواز۔"؟
"چھی چھی چھی" لڑکیاں خواہ مخواہ بن بن کر اترانے لگیں حالانکہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھیں کہ ایسی بیڈ روم کی پرائیوٹ باتیں سننے کو مل رہی ہیں۔
"ائی لڑکا کرتا کیا ہے ماں" ایک بوڑھی اماں نے ایک لڑکی کے بہت قریب کان لاکر پوچھا۔
شاید اونچا سنتی تھیں بڑی بی۔ لڑکی ہنس کر زور سے ان کے کان میں بولی۔
"پرانے جاگیرداراں کے لڑکے پوتے کچھ کرتے کیا۔ ؟؟ زمیناں بہوت ہیں۔ بیٹھ کو کھاتا بس" اور ہنسنے لگی۔
بڑی بی خوش ہو کر دعائیں دینے لگیں۔"ائی ماں اللہ سب کے ایسے اچ نصیباں کرے۔ کتی" خوش نصیب ہے بڑھ ماں کی کھاتا پیتا بچہ ملا"
اور پھر وہ دن۔ جب سسرال سے ایک مشاطہ جو پیغام لگانے میں پیش پیش تھی منہ لمبا کرکے آئی اور ممی کے بازو بیٹھ کر دھیمے دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔
"اگے پاشا۔ نیت کے کھوٹے لوگاں نکلے۔ واپس اپنا زرزیور ہور چڑھاوا منگارئیں۔ کتے کی لڑکا امریکہ جارا۔ وہاں کی کوئی بچی سے شادی کر کے کتے۔ ہے

تو وہ مجھی بچی اپنے حیدر آباد کی اِچ، پن بہت سالاں ہوئے اُنے ماں باپ کے ساتھ وہاں اِچ جاکو بس گئی۔"

"اَبو یوسف بی پن سارے لوگاں میں بوما بوم مچ جائیں گی ماں۔ منگنی ٹوٹی سو لڑکی کو کون بیاہیں گا پھر۔ تم خود ہی سوچو نا یوسف بی۔ تمہارے پیٹ میں بھی بیٹیاں ہوئینگے ناماں۔"

"ہو پاشا ہیں وہ سب مانی۔ پن میرے ہاتھ کی بات ہوتی تو کچھ کرلے سکتی تھی نا۔ ؟ وہ بچی کے ماں باپ بہوت پیسے والے ہیں، اُنے خود اچ کرایہ بھاڑا بھر کو امریکہ کو بلارئیں کتے ہور وہاں بسا بھی دیں گے بولتے۔"

گرین کارڈ ہولڈر لڑکی سے شادی کتنی خوبصورت اور سہانی چیز تھی۔؟ امریکہ کی دنیا کے سب سے زیادہ MOD، ADVANCED امیر، ترقی یافتہ اور فیشن ایبل کنٹری کی، یعنی امریکہ کی سٹی زن شپ CITIZEN SHIP مہتاب جنگ

9T IS NOT A JOKE

"امریکہ میں تو میرا کوئی بھی نہیں ہے اُجالا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔" دل کی دکھن اور کرب کو چہرے پر نہ آنے دینا۔ ؟ اس کے لئے کتنی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے ! !

"نہ سہی باہر کا دیش۔ بی بی یہاں بھی اگر کوئی رشتہ دار یا دوست ہی ہو تو بھگوان کے لئے چلی جاؤ۔"

دوست۔ ؟ ؟ اک دم اس کے ذہن میں ایک وجیہہ شاندار، مروّت اور انسانیت کا پیکر اُبھر آیا۔

ڈاکٹر رضا ہمدانی۔

اس نے سر جھٹک کر اپنے خیالات کو دور کرنا چاہا۔

"نہیں اُجالا۔ وہ دُکھ سے بولی۔ میرا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔"

مغلانی بوا قدم قدم پہ اسے نصیحتیں کرتی رہتی تھیں، ماں تو ہوتی ہی اس لئے ہے کہ پیدا کرے، دودھ پلائے پالے پوسے، بڑا کرے، اچھی بُری بات سمجھائے، ماں کی برابری کون کر سکتا ہے۔ لیکن مغلانی بوا تو اپنی مثال آپ تھیں۔ اردو قاعدے سے شروع کر کے پوری اردو کتابیں، قواعد سب انہی نے سکھائے۔ پھر قرآن شریف صحیح ترین تلفّظ اور ترجمے کے ساتھ پڑھایا۔ اگر کبھی سہیلیوں یا گھر کی نوکرانیوں کے ساتھ وہ لاڑ میں آ کر آلسی پن سے گفتگو کرتی۔

"چل گے اپن کھیلیں گے۔ بھائر برتناں ہور گڑیاں لے جا کو گھر گھر کھیلیں گے۔" تو وہ فوراً تنبیہہ کرتیں۔

"نا بی نا۔ صحیح اور صاف زبان سیکھو، یوں کہو "چل ہم کھیلیں گے۔ کھیلن گے، غلط ہے۔ اور صحیح تلفّظ بھائر نہیں باہر ہے باہر برتن اور گڑیاں لے جا کر گھر گھر کھیلیں گے۔ یہ صحیح ہے۔"

تو مغلانی اماں کیا سوب حیدر آباد والے غلط اردو بولتے کیا۔"؟ وہ چڑ کر بولتی۔

"نہیں بیٹا۔ وہ بیحد محبت سے کہتیں۔ میں نے یہ کب کہا کہ وہ غلط اردو بولتے ہیں۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ حیدر آبادی زبان میٹھی بڑی پیاری زبان ہے۔ لہجہ بھی بڑا ہی بھلا ہے۔

لیکن تلفّظ میں گڑ بڑ کر دیتے ہیں۔ اپنی جگہ وہ بھی بُرا نہیں لگتا۔ خاص طور سے خواتین اور کم سن لڑکیوں کے منہ میں جگہ پا کر تو یہ لہجہ، یہ زبان اور یہی تلفّظ قیامت ڈھانے لگتا ہے، لیکن بیٹا۔ وہ دھیرے دھیرے بولتیں۔ جب ایک چیز غلط ہے سو غلط ہے۔ اور پھر میں یہ نہیں چاہتی کہ تم ہندوستان

میں کسی بھی جگہ سرنیچا کر کے چلنے پہ مجبور ہو جاؤ۔ اس لئے کہ اگر تمہارا سابقہ کبھی دہلی والوں یا کبھی لکھنؤ والوں سے پڑے تو تمہیں یہ احساسِ کمتری نہ ہو کہ تم کسی بھی طرح ان سے نیچی ہو۔"

"اچھا اچھا میں آپ کے بہوت باتاں سن لی . . . .

"ارے ارے پھر وہی بہوت اور باتاں - یوں کہو بیٹے بہت باتیں سن لیں۔"

"مغلانی اماں - آپ بھی تو غلط بولتی ہیں۔

میں "بیٹے" ہوں یا بیٹی۔"؟

وہ ہنس کر اسے گلے لگا لیتیں۔

"ٹھیک ہے میری مینا۔ تو بھی میری غلطیاں تلاش کیا کر۔" پھر وہ سنجیدہ ہو جاتیں۔

"بیٹا۔ تو میری کسی بھی بات کا بُرا نہ مانا کر۔ میں تو ہر بات تیرے ہی بھلے کی کہتی ہوں بیٹی۔ تیرے پرکھوں کے ہمارے خاندان پر اتنے احسانات ہیں کہ اس کھال کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں تو بھی بال برابر بھی احسان نہیں ادا ہو گا۔" جانے کون سا آنے والا لمحہ انہیں ڈرائے دیتا تھا، سیدانی جو تھیں کہ ہمیشہ اسے زندگی میں آگے کام آنے والی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی نصیحتیں کرتی رہتی تھیں۔

ایک بار کہا تھا۔

"بیٹا۔ جوان لڑکی اور عورت کے لئے یہ دنیا بہت تنگ ہے۔ سوائے باپ اور سگے بھائیوں کے اس دنیا میں کسی پر بھی بھروسہ مت کرنا بیٹا۔"

"لیکن مغلانی اماں۔ قرآن شریف میں جن رشتوں سے نکاح ناجائز اور حرام ہے، تو وہ تو قابلِ بھروسہ ہوئے نا۔"؟

"ہاں بیٹی وہ تو حکم ہے جسے ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن بیٹا..... وہ ٹالنے لگیں۔ میں جو کہتی ہوں غلط نہیں کہتی"

بعد میں ایک بار سننے میں آیا تھا ایک سُسر نے اپنی بہو کے ساتھ تعلق قائم کر لیا تھا۔ پھر اس بات کا شہرہ تو پورے حیدرآباد میں ہوا تھا کہ ایک کمسن ساس نے اپنے داماد سے ہی غلط قسم کا سلسلہ جوڑ لیا تھا۔

وہ کس اعتماد کی بنا پر ڈاکٹر رضا ہمدانی کے یہاں جا رہی ہے۔؟ پھر ان کی تو شادی بھی نہیں ہوئی ہے۔ اور میں تو شادی شدہ لڑکی ہوں۔ اگر کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو۔ اللہ نہ کرے۔ میں تو مر ہی جاؤں گی۔ اور لاکھ رضا ہمدانی کو میں پسند آ گئی ہوں۔ اچھی لگتی ہوں۔ مجھے تو بس اُسی شخص سے وہ لگاؤ اور انسیت ہے جو صرف نکاح کے بولوں ہی سے بندھ سکتا ہے۔ میں تو اب اپنے دل کا دریچہ کسی اور کے لئے کھول ہی نہیں سکتی۔ ہاں احترام کی بات اور ہے"

"بی بی تم اتنی دیر دیر کے لئے کہاں کھو جاتی ہو۔"؟

وہ اچانک چونک کر بولی۔

"تم نے۔ کچھ کہا اُجالا"

اُجالا نے اسے تاسف اور غم کے ساتھ دیکھا۔

"بی بی بڑے دکھ کی بات ہے کہ اتنی بڑی دنیا میں تمہارا کوئی بھی نہیں۔ جانے دو۔ بس میری اتنی بات یاد رکھنا کہ اس کھوسٹ سے بچ کر رہنا کبھی اکیلے اس کے کمرے میں مت جانا"

"کون کھوسٹ" مہتاب نے اچنبھے سے پوچھا۔

"ارے وہی۔ کپور" اس نے زمین پر تھوک کے، کپور سے اپنی نفرت کا اظہار کیا۔

"کپور صاحب ۔۔؟" وہ غیر یقینی انداز میں بولی۔

"کپور کتا کہو کپور کتا۔! تین بار کھڑا کر چکا ہے مجھے اپنے نیچے"۔ غصہ کی شدت سے بیٹھے بیٹھے ہی وہ کانپنے لگی۔

"تم سوچو گی بی بی کہ ایک بار لُٹی تو کیا سو بار لُٹی تو کیا۔ لیکن یہ کپور۔ کتا۔ عورت کو عورت نہیں رہنے دیتا بی بی۔ بکری بنا دیتا ہے۔ وہ ناگن کی طرح پھن پھنا رہی تھی۔ ہر راستے، ہر طریقے سے یہ عورت کا رس چوسنا چاہتا ہے"۔

کچھ باتیں مہتاب کی سمجھ میں آرہی تھیں کچھ اوپر ہی اوپر سے گذر رہی تھیں۔

"خدا اس سے بدلہ لے گا" مہتاب نے محض بات کرنے کی خاطر بات کی۔ حالانکہ وہ یہ جان رہی تھی کہ اب اللہ اگر لاکھ اس سے بدلہ لے بھی تو وہ تو ایک کیا، کئی لڑکیوں کو خراب کر چکا۔ بھلے کپور کو کوڑھ جذام بھی ہو جائے، اس سے اُجالا کو کیا فائدہ۔ ؟ لیکن ایسے موقعوں پر کچھ نہ کچھ کہنا تو پڑتا ہی ہے۔

"بی بی۔ وہ اچانک شانت ہو کر بولی۔ میں تم سے ایک بات کی یہ پرارتھنا کرتی ہوں کہ مجھے بھگوان وغیرہ کا حوالہ مت دو۔ اور یہ بھاگیہ کا چکر بھی میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ" بھگوان کی اس میں یہی اچھا تھی"۔ ارے جب تو بھگوان ہے اور سبھی کچھ تیرے ہاتھ میں ہے تو ایک کو بھاگیہ وتی اور دوسری کو ابھاگن کیوں بناتا ہے۔ اور اتنا دکھ بھوگ کر بھی تو انسان مر ہی جاتا ہے۔ اب چتا میں جل کے بھسم ہو گیا، راکھ بن گیا تو کسے پتہ کدھر گیا کیا ہوا۔ یہ مکتی اور نروان اور پاپ اور پُن سب پنڈتوں اور مہنتوں کے دل کی، ان کے مطلب کی باتیں ہیں۔ ارے بی بی میں تو دھرم کے نام پہ لوٹی گئی نا۔ مجھے تو بھگوان سے بیاہ کرا کے چرنوں میں، دن رات مندر ہی میں ڈال دیا گیا تھا نا۔ ؟ کیا ملا مجھے۔ اور وہ دیپک۔ کائر۔ ڈرپوک کہیں کا۔ اگر مجھے لے کر بھاگ ہی جاتا۔ مرد نہ تھا نا وہ تو ؟ پرش! اگر خرابی ہوتی

تو میری ہوتی نا۔ بدنامی کبھی بھی استری کی ہی ہوتی ہے۔ پرش تو کچھ بھی کرلے کچھ بگڑتا ہی نہیں۔ دیکھو بی بی سڑک چلتا اپنے شریر سے مزہ لے لے، اتنا کرودھ نہیں آتا، جتنا اپنے کو چاہنے والا۔ دیپک نے میرے شریر کی ایک ایک بوند چوس ڈالی بی بی۔ میں یہ سمجھ کر دشال ساگر بنی رہی کہ اس کی جیون نیا تو مجھی میں آکر چلنی ہے۔ ہونہہ۔" وہ اچانک پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی "۔ اچھا بدلہ لیا میں نے اس سے۔ اس سے بھی۔ اس حرام زادے منہت سے بھی"۔ وہ ہنس ہنس کر مہتاب کو بتانے لگی۔

"مجھے نا بی بی منہت و نہت نے بالکل نہیں کہا تھا کہ دیپک کو مار۔ وہ تو میں نے خود ہی پولیس کو دل سے بیان دیا۔ اور بار بار وہ پوچھتی تھی اور بار بار میں وہی کہتی تھی۔ میرے کو اسی حرامی دیپک نے ایک بات سکھائی تھی، اس نے کسی کتاب سے کسی بڑے آدمی کی کہی ہوئی پڑھی تھی۔

"جھوٹ کو اتنی بار بولو کہ وہ سچ لگنے لگے"۔

دونو حرام زادوں کو سُلا دیا میں نے۔ ایک تو گیا نرک میں۔ ایک جیل میں سڑ رہا ہے۔ اور اب وہ مٹھیاں باندھ کر، ہانپ کر بولی۔

"بی بی میں تم سے کہہ رہی ہوں اس کپور ریسبجڑے کو بھی "میں قتل کروں گی"۔

"نہیں اُجالا نہیں"۔ مہتاب لرز کر بولی۔

"تم ایسا نہیں کرو گی"۔

"میں کروں گی"۔ وہ قطعیت کے ساتھ بولی۔ "مگر بھگوان نہ کرے کہ میرے اسے ختم کرنے سے پہلے، وہ تمہارے ساتھ کوئی گندگی کر بیٹھے"۔

"اُجالا۔ مہتاب ایک ایک لفظ الگ الگ کر کے بیحد یقین کے ساتھ بولی"۔ ابھی ابھی میں تمہیں جس بات سے منع کر رہی تھی نا۔ یعنی کپور کو قتل کرنے سے اتنا

تمہیں یقین دلا دوں کہ اگر اللہ نہ کرے، اس نے میرے ساتھ ایسا کچھ کرنے کا سوچا بھی۔ نا تو میں اسے ہر انجام سے بے خبر ہو، خود ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گی۔"

اُجالا نے ایک عجیب سے جذبے سے سرشار ہو کر مہتاب کے ہاتھ پکڑ لئے۔

"مگر بی بی ایک بات کہتی ہوں! تم پر ہاتھ ڈالنے کی اس کی ہمت ہی نہ ہو گی کیونکہ بی بی پتہ نہیں تم میں کیا ہے۔ اک بات ہے بی بی کہ سامنے والا تمہیں نظر بھر کے دیکھ بھی نہیں سکتا۔ بڑی تو دیکھنے میں میں بھی نہیں ہوں بی بی۔ لیکن تم میں، مجھے لگتا ہے سندرتا کے علاوہ وِدیا اور بڑے گھرانے کی ہونے کا بھی تیج اور رعب ہے۔"

مہتاب خوش دلی سے مسکرائی۔ اسکول پھر کالج، پھر خاندان، پھر آنے جانے، ملنے جلنے والے جتنے کتنے لوگوں سے اسے یہی COMPLIMENT OVATION پر مل چکا تھا کہ "پتہ نہیں اس لڑکی میں کیا بات ہے کہ نظر بھر کے دیکھا نہیں جاتا۔"

اُجالا اٹھ کے جانے لگی تو مہتاب نے پوچھا۔

"اب تم کیا کرو گی۔"

"میں کھجور کے پتوں سے چٹائیاں، ٹوکریاں اور سجاوٹ کی چیزیں بننے کا جو دھاگ ہے نا اُدھر جا رہی ہوں۔"

"تم کیا کرو گی وہاں۔" مہتاب نے حیرت سے پوچھا وہ سنجیدگی سے بولی۔

"ایک طرح سے یہ ناری سدھار گھر اتنا بُرا ہے بھی۔ نہیں بھی۔ وجہ یہ کہ اگر خود یہ آپس میں ساتھ رہنے والیاں ہی اتنا حرامی پن نہ کریں تو خاصے مزے میں رہ سکتی ہیں۔ پتہ ہے بی بی۔ یہ رانڈیں مردوں کو ترس جاتی ہیں تو آپس میں ہی میاں بیوی کا کھیل شروع کر دیتی ہیں۔"

مہتاب نے بڑی مشکل سے اُبکائی روکی۔

"میرے ساتھ بھی دو چار نے کوشش کی۔ میں کیوں کالی کتیوں سے اپنی چھاتیاں نچواؤں۔ میں ویسے بھی یہاں ہتھیاری مشہور ہوں۔ میں نے ویسے یاد بھی دلا دیا کہ قتل کرنے کے لئے ہنسی ہی ضروری نہیں ہوتی۔ دو ہاتھ بھی کافی ہوتے ہیں۔ ایسا گلا --- دباؤں گی کہ دوسری سانس بھی نہیں لے پائے گی۔"

پھر میرے ساتھ کچھ نہیں ہوا۔۔۔

اک دم اُجالا ہنسی۔ "بی بی میں تم سے ایک بات سچی سچی بتاؤں۔ یہ شاید پچھلے چھ سال میں ترازو میں تولو تو میں نے اتنی باتیں نہیں کیں، جتنی آج بھر میں تم سے کر ڈالی ہیں۔ میرا تمہارے ساتھ بہت من بہلا بی بی۔ پھر اس نے بڑی آس سے پوچھا۔

"تم کو میں کیسی لگی بی بی"؟

"بہت۔ بہت۔ بہوت اچھی"۔ مغلانی اماں کی مسلسل فہمائش کے باوجود کبھی کبھی وہ ترنگ آتی تو حیدرآبادی لہجے میں شروع ہو جایا کرتی۔

آج اس کے لئے بڑی ترنگ اور خوشی کا لمحہ تھا۔ اس نے ایک بہترین دوست پالی تھی۔

دونو چٹائی بننے والے حصے میں پہنچیں تو مہتاب کو بڑی خوشی ہوئی۔ یہ ڈپارٹمنٹ ایسا تھا کہ یہاں انسان کا دل بہل سکتا تھا۔ خوبصورت ٹوکریاں۔ باسکٹیں۔ WAll HANGINGS جوتے رکھنے کے لئے خوبصورت میٹس۔ طرح طرح کے شو پیس۔

"یہ سارا سامان جاتا کہاں ہے"۔ وہ بچوں کی سی خوشی سے بولی۔

بہت ساری عورتیں اور لڑکیاں بنائی کر رہی تھیں۔ مہتاب کو بڑا تعجب ہوا کہ ناری سدھار گھر میں کتنی بہت سی عورتیں پل رہی تھیں۔

"یہ سامان کچھ سنیٹرز ہیں، وہاں سپلائی کر دیتے ہیں۔ پھر سنا ہے ان میں سے کچھ لوگ باہر بھی بھجواتے ہیں۔"

اُجالا کافی سنیئر تھی۔ پھر چونکہ وہ ایک فاطمہ بھی مشہور تھی، اس لئے مہتاب نے یہ بات نوٹ کی کہ اس کی ایک خاص عزت تھی۔ چھوٹی لڑکیاں اسے دیدی دیدی۔ کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں۔ بڑی عمر کی۔ اُجالا جی۔ اور، اور بھی بڑی عمر کی بٹیا۔ کہہ کر بلا رہی تھیں۔

"یہاں کام بدلتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں کے چلانے والے چاہتے ہیں کہ ہر لڑکی کو ہر قسم کا کام آئے۔" ہاں مہتاب نے اپنے دل میں سوچا۔ جس طرح کالج میں الگ الگ پیریڈ ہوتے ہیں کہ سبھی مضامین آئیں۔"

"یہ مال باہر لے کر کون جاتا ہے اُجالا۔ مہتاب نے ذہن میں کوئی اسکیم بناتے ہوئے، پوچھا۔

"کبھی تو یہی، ناری سدھار گھر والے" ٹمپو یا ٹرک میں بھر کر لے جاتے ہیں۔ کبھی خریدنے والے خود بھی آجاتے ہیں"۔ پھر وہ خوش دلی سے بولی۔

"تمہیں پتہ ہے بی بی یہاں سے زیج جائے تو سبزی بھی بکوا دیتے ہیں۔"

"اتنی محنت کا فائدہ ۔"؟ مہتاب نے دکھ سے سوچا۔

"بی بی! جس کے سر پر چھت نہ ہو۔ پاؤں تلے زمین نہ ہو اسے اگر رہنے کو آسرا مل جائے تو سب سے بڑا سورگ تو یہی ہے۔ پھر پیٹ بھر بُری بھلی کھانے کو بھی مل جاتی ہے۔ اور یہ جو محنت کرتی ہیں نا اس کا پیسہ مزدوری بھی تو ملتی ہے۔ جی خوش کرنے کو بیگار یا تنخواہ جو بھی کہہ لو۔"

مہتاب کا دل جو پہلے پہ کٹے پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اُجالا سے اتنی ساری باتیں کر کے ذرا مطمئن سا ہوگیا۔

اس دن دوپہر کے کھانے کے بعد سب عورتیں لڑکیاں آرام کر رہی تھیں، کچھ گپیں لڑا رہی تھیں کچھ لڑائیاں کر کے فرحت حاصل کر رہی تھیں کہ دن کی ڈیوٹی والی بہن جی مہتاب کے پاس آئیں۔

"اے بائی تیرے کو بڑا اصاب بلاتا ہے"

"بڑا اصاب۔۔؟ مہتاب حیرت سے بولی۔" کون"؟

"ارے کپور صاب"

دھڑ سے مہتاب کا دل دھڑکا۔ لیکن وہ سنبھل گئی "کیا بگاڑے گا وہ میرا۔"؟

"کوئی خاص بات ہے"؟ اس نے یونہی سوال کر دیا۔

"اپن کو نئیں مالوم"

مہتاب نے ہلکے دل سے سوچا۔ مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔؟ اور دن دہاڑے کر بھی کیا سکتا ہے وہ۔"

دھیرے دھیرے قدموں سے چلتی وہ باہری آفس روم میں پہونچی اور دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے بیحد مہذب بن کر پوچھا۔

"میں اندر آسکتی ہوں جناب"؟

کپور صاحب ہڑ بڑا کر کھڑے ہو گئے۔

"کمال کرتی ہیں آپ۔ تشریف لائیے" پھر انہوں نے اپنی جگہ سے نکل کر پھرتی سے ایک کرسی کھینچی اور مہتاب کو اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"تشریف رکھئے"

"آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے" وہ ہاتھ ملتے ہوئے سراپا انکسار بن کر بولے۔

پہلے دن اس نے کپور صاحب کی کافی عزت کی تھی۔ وہ ملے بھی تو اچھی طرح تھے۔

لیکن اُجالا سے ان کے گھناؤنے کرتوت کے بارے میں سن کر اس کے دل میں نہ وہ پہلی سی عزت باقی رہی تھی نہ اس کا ان سے بات کرنے ہی جی چاہ رہا تھا۔ وہ کافی رُکھائی سے بولی۔

"جی۔ اور اگر ہو تو بھی۔"؟

کپور صاحب اس جواب کی توقع غالباً نہیں کر رہے تھے۔ ہڑبڑا کر بولے۔

"جی۔ جی۔ وہ دراصل ڈاکٹر رضا ہمدانی صاحب نے پوچھا تھا۔۔۔۔

ڈاکٹر رضا ہمدانی!!! اک دم غیر ارادی طور پر وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کی ان سے کہاں ملاقات ہوئی تھی۔"؟

وہ ہنسے اور ٹیلی فون کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

"جی انہوں نے ٹیلی فون پر آپ کی خیریت دریافت فرمائی تھی۔"

ان کے غیاب میں بھی کپور ان کی اتنی عزت کر رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں رضا ہمدانی کی عظمت کی قائل ہوئی۔ کپور خود ہی کہہ رہا تھا۔

"میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا۔ وہ بڑے ہی بھلے PHILANTHROPIST ہیں۔ پتہ نہیں ان کے دل میں کتنی ہمدردی اور محبت دنیا بھر کے غریبوں اور مجبوروں کے لئے بھری پڑی ہے کتنی ہی سنستھائیں ان کی مالی مدد کے بھروسے چل رہی ہیں۔ بڑے دیالو ہیں۔ آپ کو پتہ نہیں ہائی کمانڈ تک ان کی پہونچ ہے۔ کانگریس آئی انہیں اپنے طور پر ٹکٹ کی پیش کش کر چکی ہے۔ وہ بھی ام ال اے کے لئے نہیں۔ بلکہ ایم۔ پی کے لئے۔ انہوں نے ٹھکرا دی جب کہ آپ کو پتہ ہوگا کہ برسر اقتدار پارٹی کی ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے کتنے توڑ جوڑ کئے جاتے ہیں۔ باقاعدہ رشوتیں دی جاتی ہیں لیکن انہوں نے نو۔ تھینکس، کہہ کر ریفیوز کر دیا۔ بڑے مشہور ہیں۔ بمبئی میں تو وہ شیطان۔۔۔ معاف کیجئے میرا مطلب تھا بھگوان کی طرح مشہور ہیں۔"

مہتاب کو خیال آیا۔ شاید اسی لئے ٹیکسی والا مجھے خود ہی ان کے کلینک تک پہونچا گیا تھا۔

"غریبوں اور دکھیوں سے تو وہ ایک پائی تک نہیں لیتے۔ اپنے ہی خرچ پر سب کا مفت علاج کرتے ہیں۔ ہاتھ میں بھگوان نے شفا بھی خوب دی ہے۔ اس کے باوجود دیکھئے بھگوان نے انہیں کتنی دولت دی ہے۔ مگر بڑی بات یہ ہے کہ دولت ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ انسان کا دل بڑا ہونا چاہیئے تو صاحب دل بھی خوب ہے ڈاکٹر صاحب کا۔"

مہتاب ہاتھ گال پر ٹکائے، ان کی ساری باتیں سنتی رہی۔

پھر وہ ہیں ہیں کر کے ہنسے۔ "اب آپ کو پتہ ہوگا کہ ایسے ناری سدھار گھروں میں لڑکیوں سے اونچ نیچ بھی ہو ہی جاتی ہے۔ اگر کوئی اپنے بچے ضائع نہ کرنا چاہیں تو ڈاکٹر صاحب نے اپنے خرچ پہ ایک یتیم خانہ بھی کھول رکھا ہے۔"

اور کوئی وقت ہوتا تو مہتاب اس شخص کے سامنے دو منٹ بھی بیٹھنا گوارہ نہ کرتی، لیکن وہ جس ہستی کے متعلق بات کر رہا تھا، وہ اسے دنیا میں آج تک، پاپا۔ ممی اور مغلانی اماں کے بعد سب سے زیادہ قابلِ پرستش لگی تھی۔

"اور اتنی کم عمری میں انہوں نے کتنے بڑے بڑے کام کر ڈالے ہیں۔"؟

"کم عمری"۔ ؟ اس کے منہ سے خود بخود نکلا۔

"جی ہاں۔ ۳۶۔ ۳۷ کوئی عمر ہوتی ہے ؟

وہ بھی مرد کے لئے۔"؟

"غالباً انہوں نے اب تک شادی نہیں کی نا"

اس نے بائی داوے سوال کر دیا۔

"شادی نہیں کی لیکن آپ کو پتہ ہے کہ بمبئی کے کتنے بڑے بڑے لوگ انہیں اپنی

بیٹی دینا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ خود تو شادی کرتے نہیں، البتہ سینکڑوں غریب لڑکیوں کی اپنے خرچ پہ شادیاں کروا چکے ہیں۔ اور بڑی بات یہ ہے صاحب کہ مذہب کی کوئی تفریق نہیں۔ ہندو ہو، مسلمان ہو، کرسچن سکھ، کوئی بھی ذات کی مجبور لڑکی ہو، ڈاکٹر صاحب مدد کرنے پر سدا تیار رہتے ہیں۔ ؟ ویسے آپ کی ان سے کب سے ملاقات ہے مس جنگ۔" ؟

مہتاب اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "اچھا اب میں چلوں گی۔ اصل میں میں نئے نئے کئی کام یہاں سیکھ رہی ہوں۔ وقت کم ملتا ہے۔"

وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میرے لائق کوئی بھی سیوا ہو تو بتایئے گا۔"

وہ کچھ لمحے سوچتی رہی۔ پھر بولی۔ "آپ کے اس ناری سدھار گھر کا مال جہاں جہاں جاتا ہے، اب سے آرڈرز لینے میں بھی جایا کروں گی۔"

وہ ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔ "جی ٹھیک ہے جیسے آپ کا حکم۔ لیکن اس کے لئے تو جی آپ کو بہت گھومنا پڑے گا۔ اور بمبئی بہت بڑی بستی ہے۔ آپ کو بہت لوگوں سے ملنا پڑے گا۔ نئی نئی جگہوں پہ جانا پڑے گا۔"

یہی تو میں چاہتی ہوں تاکہ اس ہیبت ناک شہر کو اچھی طرح دیکھوں بھالوں۔ یہاں کے ایک ایک کوچے اور گلی سے تعارف حاصل کروں اور اس شخص کو کھوج نکالوں جو مجھے نکاح کے اٹوٹ بندھن میں باندھ کر، کبھی نہ مٹنے والا یہ داغ دے کر کہیں کھو گیا ہے۔ اس نے اپنی ہتھیلی کی پشت پہ لال لال زخم کو دیکھا اور باآواز بلند بولی۔

"جی نہیں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

"ON THE CONTRARY I WILL ENJOY IT"

کپور نے دیدے پٹ پٹا کر اسے دیکھا اور اس کے کمرے سے نکل جانے کے بعد بھی وہیں کتنی ہی دیر یونہی حیرت زدہ سا کھڑا رہا۔

کھانے کی لائن میں رکابی ہاتھ میں لئے لئے کھڑے رہنے سے اب اُسے اتنی ذلت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ پھر بھی وہ عجیب احساس سے دوچار رہتی تھی۔ دوسری عورتیں جہاں سالن کم ملنے پر، یا چاول ذرا سے کم ہو جانے پر بانٹنے والی بہن جیوں سے جھگڑے کرتی تھیں، وہ خاموشی سے جو بھی مل جاتا، لے کر ہٹ جاتی نہ کبھی کسی کی طرف دیکھتی نہ کسی سے بات کرتی۔ خالی وقتوں میں بس اُجالا اس کی سچّی رفیق تھی۔ اس لڑکی سے پتہ نہیں کیوں اسے بیحد ہمت تھی۔ اور کپور نے جو باتیں اسے رضا ہمدانی کے تعلق سے سنائی تھیں، انہیں سُن کر اسے پکّا یقین ہو گیا تھا کہ اللہ کی مہربانی اور ڈاکٹر رضا ہمدانی کی وجہ اسے غلط ہاتھوں سے نہیں گذرنا پڑے گا۔ وہاں سب میں رہتے ہوئے بھی وہ سب سے منفرد، مختلف اور اونچی اہمیت کی حامل تھی۔

اس رات کے بھیانک واقعے کے بعد اور کسی عورت نے اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایک تو اس کا اپنا بے پناہ حُسن پھر لئے دیئے رہنے کا انداز۔ بہن جیاں بھی جو اور عورتوں اور لڑکیوں کو حرام زادیاں اور رنڈیاں سوا بات نہیں کرتی تھیں۔ اسے "بائی" کہہ کر عزت سے مخاطب کرتی تھیں۔ پھر اس کے پاس حالانکہ تین ہی جوڑے تھے۔ ایک جسم والا شادی کا جوڑا۔ اور دو جو اس نے سستے مول کے خریدے تھے، پھر بھی وہ بیحد صاف ستھری رہتی تھی۔ روزانہ نہا کر جب وہ اپنے سنہری آبشار جیسے بال سکھانے کے لئے چھوڑ دیتی تو ساری عورتیں اور لڑکیاں اسے تصویرِ حیرت بنی دیکھتی رہتیں۔

کالج میں بھی اس کے حسن کے چرچے بیحد عام تھے۔ ہر لڑکی، لڑکا، پروفیسر اسے دیکھ کر ٹھٹھک ضرور جاتا۔ لیکن وہ کبھی نرگسیت کا شکار نہیں ہوئی پھر ایک بات یہ بھی کہ کالج میں آنے والی ہر لڑکی ہی بھلے حسین نہ ہو، تو بھی اپنے رکھ رکھاؤ

اور تھوڑے بہت میک اپ کے سلیقے سے قابلِ توجہ ضرور بن جاتی ہے۔ ایسے میں مہتاب کی پوزیشن سب سے اونچی ضرور تھی، لیکن وہ عجوبہ کا درجہ نہیں حاصل کر سکی تھی۔

یہاں "ناری سدھار گھر" میں وہ دنیا کا نہیں تو بمبئی کا آٹھواں عجوبہ ضرور تھی۔

وہ اگر کسی سے بات بھی کر لیتی تو وہ عورت اپنی جگہ اہم بن جاتی کہ "دیکھو میرے سے بائی اپنے آپ کھود بات کرا"۔

ایسے میں اس دن جب وہ لائن سے اپنا کھانا لے کر ہٹی تو اسے ایک نیا چہرہ نظر آیا۔ اب ۲۷ دنوں سے وہ اس گھر اور ماحول میں تھی تو لوگوں سے یعنی تمام عورتوں اور لڑکیوں سے، چہروں کی حد تک تو شناسائی تھی ہی، لیکن ایک بھولا بھالا چہرہ دیکھ کر وہ ٹھٹھک سی گئی۔

نیچے فرش پر بیٹھ کر اس نے اپنی رکابی زمین پر رکھی بھی، لیکن اس کی نگاہیں اسی لڑکی کا تعاقب کرتی رہیں۔ اتفاقاً وہ لڑکی بھی اپنی رکابی لے کر اسی کے بازو آ بیٹھی۔

دونو خاموشی سے کھانا کھا رہی تھیں۔

مہتاب نے اسے دیکھا، وہ کھاتے ہوئے بھی مہتاب ہی کو دیکھ رہی تھی۔

مہتاب مسکرا دی۔ گویا تعارف کا پہلا مرحلہ طے ہوا۔

"کب آئیں تم یہاں؟" مہتاب نے ایک نوالہ توڑتے ہوئے پوچھا۔

"آج اِچ۔"

مہتاب کا دل دھک سے رہ گیا۔ حیدرآباد۔؟ میرے خوابوں کا وطن۔ میرے ارمانوں کا مدفن! بہر حال میری مٹی اور میری پہچان کا شہر۔!

"کہاں سے۔؟" وہ ڈوبتے ڈوبتے بولی

"حیدرآباد سے۔ آندھرا سے۔" وہ تفصیلی تعارف پہ آمادہ تھی۔

"کیوں۔ یہاں کیوں آئیں۔"؟

"وہ۔ یئں۔ یئں نا۔ پھر وہ احمقانہ سی ہنسی ہنسنے لگی۔" بھاگ کو آئی۔"

مہتاب کا دل بیٹھ گیا۔ "لیکن کیوں۔"؟

"پکچر میں کام کرنے کے واسطے۔ ہیروئن بننے کے واسطے۔" وہ چاول اور دال پھچاپھچ ملاتے ہوئے ذرا فخر سے بولی۔

"پھر بن گئیں ہیروئن۔"؟ مہتاب کی کوشش تھی کہ اس کی آواز میں طنز نہ اُبھرے۔

"کاں بنی۔"؟ الٹا وہ مہتاب سے شکایت کرنے لگی۔ وہ حرام کا میرے کو بولا جتا زیور ہور پیسہ ہے سوب لے کو آجا اپن خود فلم بنائیں گے۔ سوب لے کو آگئی۔"

"شادی کے لئے اماں باوا نے جوڑ کر رکھا ہوگا نا۔"

مہتاب نے وثوق سے پوچھا۔

"ائی آپ کو کیسا معلوم۔"؟

مہتاب کچھ نہ بولی۔ "پھر کیا ہوا۔"؟

وہ موا دلندر میرے کو ہولی بنا کو یہاں بمبئی کو لے کو آیا، سوب پیسہ میرا کھا گیا، اوپر سے میرے کو روز چلاتا تھا۔"

"چلاتا تھا۔ مطلب۔"؟ مہتاب سخت حیرت زدہ تھی۔

اُسے مہتاب کی حماقت پر سخت ترس آیا۔ آئی آپ کو اِتّا بھی نئیں معلوم چلانا کائے کو بولتے۔ پھر کچھ جھینپ کر، انگلیاں چاٹ کر بولی۔ "روز نوے نوے مردوئے لاکر چھوڑتا تھا میرے پاس"!

مہتاب نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"تمہاری عمر کتنی ہے۔"؟

معلوم نہیں۔ نویں میں پڑھ رہی تھی۔ ہوئینگی آپ کے اُتّی۔"؟

مہتاب درد سے مسکرائی۔ "اتنی معصوم اور کم عمر لڑکی، جسے اپنی عمر معلوم ہی نہ ہو۔ کیسی کم سنی میں کیسے جال میں پھنس گئی"۔

تمہارے ماں باپ کتنے پریشان نہ ہوں گے۔ یہ تم نے اچھا نہیں کیا... تمہارا نام۔....

"روشن"۔

"روشن تم نے اچھا نہیں کیا۔ یوں بھاگ کر نہیں آنا چاہیئے تھا تمہیں"۔

میں بھاگ کو نئیں آتی تو بھی میرا بُرا اچ حشر ہوتا"۔

"وہ کیوں"۔

"میں ایک دن رات کو سوتے وخت سُنی ابا، امّی سے بول رہے تھے"۔

"کیا ہوا عمر زیادہ ہے تو۔ ساٹھ کا اچ تو ہے، پیسہ پن کتّا ہے"۔ وہ لوگاں ہندوستان سے باہر کوئی عرب کو میرے کو نکاح میں دے رہے تھے"۔

مہتاب کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب اس کے ماں باپ کی کیونکر وکالت کرے۔ پھر بھی بات نے کی خاطر بولی۔ ماں باپ کبھی اولاد کا بُرا نہیں چاہتے"۔

"چاہتے جی چاہتے۔ وہ وثوق سے بولی۔ وہ میرے کو پہلا والا پیام تھا نا۔ وہ لوگاں جہیز میں ٹی۔ وی ہور اسکوٹر مانگ رہے تھے، اب امّی ہور ابا نے پانچ تولے کے زیور ہور ہزار روپے تو جوڑ کر رکھے تھے پن یہ ٹی۔ وی ہور اسکوٹر کاں سے لاتے۔ تو بیچ میں یہ موا عرب آگیا تو وہ لوگاں اُدہر اچ جھک گئیں۔ اگر وہ لوگاں بیچ میں اُنے عرب کی بات نئیں لاتے تو بیشک میں بولتی تھی کی اُنوں میرا بھلا چاہتے پن وہ تو میرے کو بیچ رہے تھے ایک طرحوں سے"۔ پھر کچھ رُک کر غصہ سے بولی۔ پیسے والوں کی اچ یہ دنیا ہوتی.....

زر۔

زر۔

زر۔

"واقعی یہ دنیا صرف زر کی۔ دولت کی پجاری ہے اور بیچ میں آجاتی ہے زن۔ عورت۔ جو صرف بکاؤ چیز ہے۔ اور اُسی کے قبیل میں آتی ہے زمین۔ مہتاب جنگ آج اگر تمہارے تایا ابا زمین جائداد سے تمہارے پاپا کو بے دخل نہ کر دیتے تو تم جو اتنے اونچے خاندان کی ایک بےمثال لڑکی ہو، یہاں بمبئی میں اپنی جائے پیدائش سے اتنی دور، اس طرح ایک دارالامان میں بیٹھی ہوتیں۔ ؟ زر۔ زن اور زمین کا یہ چکّر صرف مردوں کا چلایا ہوا ہے اور عورت اس چکّر میں ہمیشہ تباہ ہوتی رہے گی پستی رہے گی۔"

اور ڈاکٹر صاحب بھی۔ ؟ کیا وہ بھی ایک مرد ہی نہیں ہیں۔ انہوں نے تو تم پہ نہ بُری نظر ڈالی، نہ اخلاق سے گری ہوئی بات کی نہ تمہاری شان میں کوئی گستاخی ہی کی۔ اور رہی زر کی بات تو وہ تو تم سے علاج کا پیسہ بھی نہیں لے رہے تھے۔ ؟ انہوں نے اپنے دل کا حال، اور اپنی پسند کس قدر مہذب پیرائے میں بیان کر دی۔

"آپ کا انتظار تھا۔"

لیکن میں تو شادی شدہ لڑکی ہوں۔

یہ تمہارا مسئلہ ہے کہ تم شادی شدہ تھیں جب تم ان کے CONTACT میں آئیں۔ ورنہ شوہر کے روپ میں وہ کیا بُرے ثابت ہوتے۔ ؟

"کیا کہا عمر زیادہ ہے۔" ؟

عمر زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لگتے تو ینگ ہیں۔ پھر اصل بات محبت اور قدر دانی کی ہے۔ کیسے اُن کا رواں رواں جیسے پکار پکار کے کہتا تھا۔

"رک جاؤ۔ رہ جاؤ۔ یہ در و دیوار بس تمہارے ہی منتظر تھے۔"

مہتاب نے اپنے خیالات کو جھٹکا۔

"میں عمران کاشف احمد کی بیوی ہوں۔ غیر مرد کا خیال میرے دل میں آنا بھی نہیں چاہیئے۔"

"تمہارے ماں باپ کو پتہ چلے گا روشن کہ تم اس طرح بھاگ کر چلی گئیں تو انہیں کس قدر غم نہیں ہو گا۔" وہ تاسّف سے بولی۔

"غم۔ ؟ میرے اماّں باوا کو۔ آپ بہوت بھولے ہیں آپا۔ انوں تو ایک طرحوں سے خوش ہوئیں گے کی چلو پاپ کٹا۔ آپ کو مالوم۔ ؟ ہمارے ماموں کی بیٹی بھی بھاگ گئی تھی تو ماموں بہوت خوش ہوئے تھے۔ مومانی بولے تھے۔ "اچھاؔ ہوا شادی کو کاں سے پیسہ لاتے تھے۔ اپنا بوجھ خود اچ اُٹھالی۔ ماموں کی بیٹی سسرال والے بھی بہوت پیسہ مانگ رہے تھے۔ بول رہے تھے ہمارے چھوکرے کو ہم پڑھائے لکھائے سو پیسہ اب تم لوگاں سے وصول نئیں کریں گے تو کاں سے کریں گے۔"؟

مشاطہ اپنی کمر سے لگی تھلے دانی میں سے پان سپاری نکالتی ہوئی بولی۔

"پاشا ایک تو تمہارے بیٹی کی منگنی ٹوٹی سو وہ عیب، اوپر سے تم لوگاں بولتے کی جوڑے گھوڑے کا پچیس ہزار بھی نئیں دیں گے تو کون بیٹی اٹھائینگا۔"؟ اس نے تمباکو کی چٹکی بھر کے منہ میں ڈالی۔ "ہور میں اپنا محنتانہ پہلے تو سونے کے کڑے لیا کرتی تھی بول کے۔ اب کچھ نئیں، کچھ نئیں تو تم کو میرے کو دو تولے سونا تو دینا اچ پڑے گا۔"

ممّی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"یوسف بی۔ پچیس ہزار بول کے تو تم نے میرا کلیجہ اچ نکال دیئے۔"

"ائی پاشا۔ تمے نواب لوگاں۔ تم نا کیا کمی" ؟

"نئیں ماں، سب بولنے کی باتاں ہئیں۔ ہم اب کاں کے نواب رہے۔۔ تھی زمین جائداد تب تھی۔ اب تو ہمارے دیور نے فخر کر کو چھوڑ دیئے ہیں۔ مٹھی دھول بھی نئیں پاس ہیں"۔

"ائی پاشا تھیلیاں بھر بھر کو تو روپے بھجواتے تھے اُنوں"۔

"تم تو خاندان کے ایک آدمی کے ویسے ہے یوسف بی۔ تم سے کچھ نئیں چھپیا ہے۔ مالوم نئیں تمے، آخا کتے دل والے تھے۔ ایک پائی کبی اٹھا کو نئیں رکھے۔ سارا غریب غربا میں تخسیم کر دیتے تھے۔ بولتے تھے اللہ میاں کو خرضہ دے رہا ہوں، وہ ایک ایک کو سو سو کر کے واپس کرے گا۔ خود اللہ اچ یہ بولا، بولتے تھے"۔

"مگر بی پاشا ایسے خالی گوشت کے لوتھڑے کو آج کل کوئی نئیں اٹھا کو لے جاتے۔ سب یہی اِتّ بولتے کی زر زیور پیسہ جھولی بھر کو ہونا۔ ہور وعدے کر کو نئیں دیئے تو پھر شادی کے بعد بچی کو ستاتے، جلا کو مار بھی ڈالتے آج کل تو"۔

ممی ہولا کر بولیں۔ "اللہ کا نام لیو یوسف بی۔ کائے کو ایسے باتاں کرتے ئی کلیجہ اجاڑ حلق میں آ کو پھڑ پھڑاتا"۔

"نئیں پاشا" وہ گول گول لہجہ میں نرمی سے بولیں۔ "میں کائے کو آپ کو ہولاؤں گی۔ اُجاڑ پورے حیدرآباد میں چھوڑ ہندوستان میں یہی اِچ جہیز کی آگ لگی وی ہے، کیا ہندو کیا مسلمان، بس جہیز کے پیچھے پڑا ادا ہے۔ وہ میں ڈی ایس پی صاحب کے بچے کا پیام لائی تھی نئیں، ایسے تو بڑے نمازی اللہ والے لوگاں ہئیں پر ہلو سے بولے تھے" پہلے پوچھ لینا کی جہیز میں رخم کتنی دیں گے"۔

"ہو ماں یاد ہے۔ سوب یاد ہے" ممی ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔ پھر بڑی آس سے بولیں۔

"ہو یوسف بی۔ اُنے عثمانیہ یونیورسٹی میں جو پروفیسر ہوتے اُنوں کے بیٹے کی بات چلاؤ نا ذرا"۔

"وہ رجبؔ میاں ۔ ؟ پوچھی تھی ۔ اپنے پرؔدماں کا نام لے کو نئیں پوچھی، ایسے سے بچی بدنام ہوجاتی ، بس ایسے اچ پوچھی تھی تو اُنوں بولے تھے کی کہیں بھی بات چلاڈیوسف بی ، مگر بچے کو امریکہ نئیں تو لندن بھیج کو ، پڑھائی کا خرچہ دولہن والے دینا"۔ اب پھر میں کیا بولتی پاشا تمی اِچ بولو"۔

پھر اپنے طور پر یوسف بی نے بڑا اچھا مشورہ دیا۔

"ہو پاشا تمہارے بھائی کا بچہ اعجاز بھی تو ہوتا۔ اس کو کیوں نئیں دے دیتے۔؟ گھر کی بچی گھر میں اِچ رہینگی"۔

ممّی آزردہ ہو کر بولیں ۔ "بھائی ، بچہ تو سوتیلی ماں کے ہاتھوں میں جیسے ہُش، اُتو بن کو رہ گیا ماں ۔ نہ بچارے کی پڑھائی پوری ہوئی نہ نوکری چاکری ہی ہے۔ نام بھر رہنے کے واسطے گھر کیا جھونپڑا اتک نئیں ۔سوتیلی ماں نے بھائی بچارے کو غلام بنا کو چھوڑ دی سمجھو۔ اُٹھ بولے تو اُٹھ ۔ بیٹھ بولے تو بیٹھ۔ میرے کو ایک بار بولی بھی کی عرب میں بہوت اچھے اچھے بیٹا ماں مل جاتے ۔ ایک بار میرے ساتھ بچی کو ذرا بھیجو تو۔ میں تے صفا انکار کردی ۔ ایسی مخدوش ہور مشکوک عورت کے ساتھ تو میں ایک پل کو بھی اپنی بچی کو نہ چھوڑوں ۔ کہہ رہی تھی کی وہاں کے لوگاں جہیز کے نام پو پھوٹی کوڑی بھی نئیں مانگتے، الٹا ماں باپ کو لاد دیتیں ۔ میں ایسی بے غیرتی سے کا ناں پکڑی کی داماد سے الٹا پیسہ وصول کراہٹیں "۔

یوسف بی نے بنا مانگے اپنی رائے دی ۔ "ہو پاشا وہ عورت تو میرے کو بھی اچھی نہیں دِکھتی ۔ میاں کیسا اس کے پھندے میں پھنس گئیں اللہ مالوم ۔ اپنی پتر و ماں کو بھی جس نظر سے اُنے دیکھتی وہ میرے کو اچھی نئیں دِکھتی "۔

"ہو یوسف بی۔ پھر میری بچی کا کیا ہوئیں گا۔؟

ممی دہل کر بولیں۔ "کہتے" لوگاں تو ایسے ہوتے کی خالی خوبصورتی پو بیٹی بیاہ کو لے جاتے۔ پھر اُنے پڑھی لکھی بھی ہے۔ انگریزی سے، اردو آتی سو الگ"

یوسف بی نے ترس بھری نگاہوں سے بخت آرا کو دیکھا۔ "اب وہ زمانے گذر گئیں پاشا۔ اب فخط پیسہ کا موںہہ دیکھتے لوگاں"

وہ زمانے کبھی نہیں گذریں گے۔ پیسے کا ہمیشہ بول بالا رہے گا مہتاب جنگ۔ چاہے وہ رضیہ ہو۔ چاہے اُجالا۔ چاہے روشن اور چاہے تم۔ تم خود مہتاب جنگ۔ نہ تمہاری بے پناہ خوبصورتی تمہارے کام آئی نہ اونچی تعلیم۔ ہاں بھلے تم کالی کلوٹی ہوتیں۔ جاہل ہوتیں، موٹی بھدّی اور وزنی ہوتیں لیکن تمہاری ممی کے پاس دولت کا وزن ہوتا تو کوئی بھی تمہیں خرید لے جاتا۔ بس زر ہونا چاہیئے۔ تعلیم کی کیا قدر ہے لڑکی کی زندگی میں۔؟ اور خوبصورتی تو قطعاً بے معنی شے ہے۔ نصیب سے اس کا کیا تعلق، اُسے یاد تھا کالج میں اس کے ساتھ ایک پنجابی لڑکی پڑھتی تھی۔ وارث شاہ کی پنجابی شاعری خوب گاتی تھی۔ پنجابی تو اِن لڑکیوں کے کیا پلے پڑتی۔ وہ خود ہی ترجمہ کر کے سنایا کرتی تھی۔ ایک بار اس نے سنایا تھا۔ وارث شاہ کہتے ہیں۔

روپ والی روئیں۔ بھاگ والی کھائیں۔

کتنی سچ بات کہی ہے وارث شاہ نے۔ اور اتنے بڑے صوفی سینٹ۔ غلط کہہ بھی کیسے سکتے ہیں؟ وہ خود روپ والی تھی۔ رو رہی تھی۔ ایسی بھی خواتین اس کی نظر سے گذری تھیں زیور میں لپا چھپ چھپی ہوئیں۔ لمبی لمبی کاروں میں اپنی بیٹیوں کو چھوڑنے لے جاتے، ہنستی مسکراتی بشاش صورتیں آتیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ روپ کا نام ونشان نہیں معمولی ساڑیاں پہنا دو تو گھر میں جھاڑو برتن کرنے والی

سمجھی جائیں۔ لیکن بھاگ۔ ! بھاگ والیاں تھیں نا۔ اور بھاگ والیاں یوں ہو گی وہ

MY SWEET WAARIS SHAH WITH DUE RESPECT

آپ نے وارث شاہ صرف یہ کہہ کے بات ختم کر دی کہ روپ والی روئیں — بھاگ والی کھائیں۔ لیکن بھاگ والیاں وہی تھیں جو دراصل زر والے ماں باپ کی بیٹیاں تھیں —

"روشن" مہتاب جنگ نے محض بات کرنے کی خاطر بات کی۔

"اب تم کیا کرو گی —"؟

"میں — وہ ہنسی — اب میں اِدھر اِچ رہوں گی — گھر جا کر بھی کیا لینا ہے۔ اُلٹا اماں بادا مار مار کو نیلا تھوتھا بنا دیں گے"

"لیکن پھر بھی — بہر حال ماں باپ کا گھر، ماں باپ ہی کا گھر ہوتا ہے۔ جو محبت، جو عزت . . . . اس کی بات کاٹ کر تیزی سے روشن بولی "عزت کی بات مت کرو آپا — غریب کی بیٹی کو کہیں بھی عزت نہیں ملتی — آپ ۔ لوم — وہ حرام کا، جو میرے کو بھگا کو لایا، وہ بھی میری عزت خراب کیا، اپنے یاراں دوستاں کو لا کو میرے کو بیچ بیچ کے پیسہ بنایا۔ پھر پولس کا کیس بنا ہور تھانے میں آنا جانا پڑا تو ایک پولس والا بھی ایسا نہیں تھا کی میرے سنگا تھ نیں سویا ہوئینگا — کینے کو کوئی تو میرے بادا کی عمر کا بھی ہوئینگا — کاے کی عزت — سوب بولنے کے باتاں ہیں — اس دنیا میں بس پیسہ ہوا نا آپا تو عزت ہے — باخی سوب بیکار کے باتاں ہیں" اک دم وہ عجیب جذبے اور تیقے کے ساتھ بولنے لگی —

"ہور میں آپ کو ایک بات بولتوں — اب تو میں ایک طرحوں سے رنڈی اِچ بن گئی نا — پن پھر بھی آپ فرض کرو میرے کو اپنی بہن بنا کو خوب اچھے بنگلے میں رکھتے،

میرے کو خوب زر زیور جہیز دیئے، جہیز میں گاڑی۔ ہور ٹی وی، ہور فرج ہور دنیا کی مٹھی دھرل دیئے، تو میں بولتیوں آپا آج بھی۔ آج بھی دس عزت دار لڑکے میرے سے شادی کرنے کو دم دیں گے، مریں گے"۔

پھر وہ بے طرح اداس ہو کر بولی۔

"ہمارے الجبرا کے مس ہم کو پڑھاتے وقت الجبرا کا ایک فارمولا سکھائے تھے۔ وضع۔ وضع = جمع۔ MINUS – MINUS = PLUS – میرے کو کبھی یہ فارمولا سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ بتاؤ آپا کیا غریب، غریب مل کو امیر ہو جائینگا۔ ؟ غریب، غریب مل کو ہور غریب اچ ہوئینگا۔ الجبرا کی دنیا میں یہ فارمولا چلتا ہوئینگا۔ اس ہماری آپ کی دنیا میں اجاڑ سوب فالتو فارمولے ہیں یہ"۔

مہتاب جنگ کیا کہتی ہو اس لڑکی کے خیالات کے بارے میں۔ تم پڑھی لکھی ہو وہ صرف نویں میں پڑھ رہی تھی کہ یہ افتاد اس پر پڑی۔ لیکن! لیکن کیا تم اس سے ذرا سی بھی مختلف ہو۔؟؟

سوائے اس کے کہ تمہاری عصمت اور آبرو کا موتی ابھی تک بے آب نہیں ہوا۔ !

اے کاتب تقدیر۔ اے کاتب تقدیر۔۔۔۔

اس دن صبح دس گیارہ کے لگ بھگ جب بہن جی نے مہتاب سے آکر کہا کہ "بڑا صاحب بلاتا ہے" تو وہ خاصی غصہ ہوئی۔

HELL TO BADA SAHIB

اس نے تپ کر سوچا۔ بہن جی سر پر سوار تھی۔ وہ کیاریاں کھود رہی تھی اور مسلسل کچھ نہ کچھ سوچے جا رہی تھی۔ اسے دوستوں کے روپ میں یہاں اجالا اور روشن مل گئی تھیں۔ بس نام ہی کی اجالا اور روشن تھیں۔ نصیب تو پورے پورے تاریک تھے۔ وہ جب ان سے باتیں نہ کر رہی ہوتی تو کیاریوں کی طرف چلی جاتی، یا کھجور

کے پیچوں سے بنائی والے حصے کی طرف۔ اکثر عورتیں لڑکیاں، کھانا کھا کر صرف سوتی رہتیں، یا جھگڑتی رہتیں۔ کچھ مسلسل بیمار رہتیں۔ ڈاکٹرز آتے تو ایک ہلور مچ جاتی۔ تندرست، بیمار سبھی پلی پڑتیں۔ کئی ایک حاملہ ہو چکی تھیں۔ کوئی پرسانِ حال نہیں تھا کہ تم "ناری گھر" میں رہتی ہو، جہاں مردوں کا گذر نہیں۔ لے دے کے آفس میں ۴۰۔۶۰ مرد ہیں، وہ بھی MOSTLY باہر ہی رہتے ہیں تو کس نے یہ آبیاری کی۔ ڈاکٹرز بھی انجان بنے دوائیں گولی پڑیا دیئے جاتے۔ اس وقت بھی پرلے والے ورانڈے میں ڈاکٹرز مریضاؤں کو دیکھ رہے تھے اور وہ اسی شور شرابے سے بچنے کی خاطر گارڈننگ کے لئے چلی آئی تھی۔

"بائی تم کو بولانا۔ بڑا صاب بلاتا ہے"۔

بہن جی نے پیچھے یاد دہانی کروائی تو وہ ضبط کے ساتھ بولی۔

"تم چلو۔ میں آتی ہوں"۔

اُسے اُجالا سے جو کچھ کپور کے بارے میں معلوم ہوا تھا اس کی وجہ سے اُسے اس ذلیل شخص سے ایک کراہت سی آنے لگی تھی۔ حالانکہ جب پہلی بار وہ اس سے ملی تھی تو خاصی متاثر بھی ہوئی تھی اور مخاطب کرتے وقت "کپور صاحب" کہنے میں خوشی محسوس ہوئی تھی۔ اب۔ اجلے لباسوں کے اندر کتنے غلیظ اور مکروہ جسم اور انسان چھپے ہوتے ہیں۔ !

کپور اسے دیکھتے ہی ہمیشہ کی طرح سراپا انکسار بن کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ نے یاد فرمایا تھا"۔ وہ کھڑے کھڑے ہی بولی۔

اس مہذب، خوبصورت اور گریس فل لڑکی کو دیکھتے ہی کپور کے تین بج جاتے تھے۔ ہڑبڑا کر بولا۔

"جی۔ میری کیا مجال۔ ۔ ۔ ۔ در اصل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کرسی پر تشریف تو رکھیں"۔

مہتاب یونہی کنارے پہ ٹک سی گئی ۔

وہ ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا ۔

"اس میں پورے ایک ہزار روپے ہیں ۔ گن لیجئے پلیز اور اس رسید پہ سائن کر دیجئے ۔" مہتاب کی حیرت زدہ نگاہوں کو اس نے دیکھا ہی نہیں ۔ اپنی روانی میں کہے گیا ۔

"ڈاکٹر رضا ہمدانی نے آپ کی تنخواہ بھجوائی ہے ۔"

وہ اچانک کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی ۔

اس کی سمجھ میں قطعی نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے ۔ اپنے جذبات اور حیرت کا اظہار کر کے وہ کپور کو مشکوک نہیں کرنا چاہتی تھی ۔ نہ اس تھرڈ کلاس آدمی کو وہ اس کا اہل ہی سمجھتی تھی کہ وہ یہ سوال کرنے کی جرأت بھی کرے کہ "آپ اتنی حواس باختہ کیوں نظر آرہی ہیں ۔" اس نے دھیرے سے تنخواہ والا لفافہ اٹھایا ۔ ایک دو لمحے شش و پنج میں رہی ۔ پھر سیدھے ہاتھ سے ، بائیں ہاتھ میں لفافہ منتقل کر کے بولی ۔

"پن ۔ ؟"

کپور نے مستعدی دکھا کر ، پن کا کیپ تک نکال دیا ۔ اس نے سائن کی اور خاموشی سے ، آفس سے نکل گئی ۔

ایک ہزار ۔

اس نے بڑی حیرت سے ان نوٹوں کو دیکھا ۔

"ڈاکٹر رضا ہمدانی ۔" وہ اچانک پھوٹ پھوٹ کر رو دی ۔ "ڈونٹ بی سو لوئنگ ۔

DONT BE SO LOVING

وہ اب کی بار مارکیٹ گئی تو اُجالا اور روشن کے لئے بھی ساڑی اور شلوار کا ریڈی میڈ سوٹ خرید لائی ۔ روشن ساڑی نہیں پہنتی تھی ۔ اس نے کافی چلبلر

سامان بھی خریدا۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں، جو اُجالا اور روشن کے لئے بڑی بڑی خوشیاں بن گئیں۔

"اے روشن۔ ایک مرہٹی لڑکی نے روشن سے پوچھا" یہ تیرے پاس نوا نوا کپڑا کدر سے آیا۔"؟

"وہ اُنوں ہیں نا۔ گورے گورے، لمبے بالاں والے آپا۔ اُنوں لا کو دیئے"۔

مہتاب پرے بیٹھی اس کی خوشی پر خوش ہو رہی تھی۔

"اس کے پاس اِتا پیسہ کاں سے آیا": وہی لڑکی پوچھ رہی تھی۔

روشن کے جواب دینے سے پہلے ایک دوسری عورت ٹھٹّا مار کے بولی۔

"کپور کے پاس گئی ہوئے گی۔ نئیں تو کپور نے "اپّر" بھجا ہوئے گا"

مہتاب۔ بیٹھے بیٹھے برف بن گئی۔

"کپور مکھیچٹ کسی کو پیسہ دے گا کیا۔ وہ تو کھالی مجے اُڑا ئیگا۔ ہاں اوپر کا کوئی بڑا آدمی ہوٹل بٹل میں لے گیا ہوئے گا تو دارو بھی پلایا ہوئے گا، مُرگی بھی کھلایا ہوئے گا ہور پس پانچ پکڑا بھی دیا ہوئے گا"

مہتاب جنگ۔ مہتاب جنگ۔

DONT LOOSE YOUR PATIENCE YOU HAVE TO BEAR IT

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ اس کے پورے وجود میں اس کی چیخیں گونج رہی تھیں، جو زبان اور ہونٹوں سے نہ نکل کر اندر ہی اندر چکرا رہی تھیں۔

میں عزت کی زندگی چاہتی ہوں۔

میں تمہیں ڈھونڈوں گی عمران کاشف احمد۔ : میں ڈھونڈوں گی عمران کاشف احمد۔ کہتے ہیں ڈھونڈنے سے تو اللہ بھی مل جاتا ہے تو تم تو صرف ایک

انسان ہو عمران کاشف احمد ۔ پہلے میں تمہیں ڈھونڈوں گی اور پھر ۔ پھر ۔

THEN I WILL KILL YOU"

مہتاب کی اتنے بڑے ناری گھر کی ہر ہر عورت سے ملاقات تو نہیں ہی ۔ ہو بھی نہیں سکتی تھی ۔ کالج میں کتنی ساری لڑکیاں ہوتی تھیں ۔ ہائے ہلو سب سے ہوتی تھی، چہرے سب کے نوس تھے ۔ کوئی کوئی لڑکی کسی دن کالج نہ آتی تو احساس ہو جاتا تھا کہ آج ایبسنٹ ہے ۔ یہی حال تقریباً یہاں بھی تھا ۔ گو ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا، بہرحال ۔

اُسے دو تین دن سے محسوس ہو رہا تھا کہ کھانے کے کمرے میں تین لڑکیاں نظر نہیں آ رہیں ۔ اس نے اُجالا سے یونہی پوچھا ۔

"تمہیں کچھ لڑکیاں کم نظر نہیں آ رہیں اُجالا ۔"؟

اُجالا معنی خیز ہنسی، ہنسی ۔

"کیا بات ہے ۔ تم ہنس کیوں رہی ہو ۔"

"بھاگ گئی ہوں گی ۔" !! وہ اطمینان سے بولی ۔

"بھاگ گئی ہوں گی ۔ ؟؟ وہ حیرت سے بولی ۔

"کہاں ۔"؟

"ایک دفعہ جو گھر سے بھاگ کر آ سکتی ہیں، وہ پھر سے یہاں سے نہیں بھاگ سکتیں ۔"

لیکن یہ تو دارالامان ۔ میرا مطلب ہے ایک پناہ، ایک آسرے کی جگہ ہے ۔ یہ تو ان کا گھر ہوا اب ۔"

"گھروں سے بھی تو لڑکیاں بھاگ جاتی ہیں ۔" اُجالا بے حسی سے بولی ۔

"پولیس میں رپورٹ درج نہیں کروائی جاتی ۔" وہ پریشان ہو کر بولی ۔

"پولس بھی ملی ہوئی رہتی ہے۔؟ وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔کس سے۔"؟

"ارے بی بی۔ تم بہت بھولی ہو۔گھر سے باہر شاید پہلی بار نکلی ہو۔باہر کی دنیا میں بہت چکر ہوتے ہیں پولس نے ہی بھگایا ہے۔"

مہتاب کا دم نکل گیا۔

"ذرا دیکھنے دکھلانے میں اچھی۔ بنے ہوئے شریر کی جوان لڑکیاں ہوں تو باہر والوں کو بیچ دی جاتی ہیں۔اوپری اوپری پولس تھانہ سب ہوتا ہے رپورٹ لکھائی جاتی ہے، تفتیش ہوتی ہے پھر معاملہ دب جاتا ہے۔یا دبا دیا جاتا ہے۔ آخر گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کا بھوش اور کیا ہوسکتا ہے۔چال چلن تو ان کا خراب ہوتا ہی ہے تبھی تو یہاں ڈالی جاتی ہیں۔کون پوچھتا چھ کریگا۔؟ ماں باپ۔؟ پتی۔؟ یا بھائی بند۔؟ ؟ان سب کے لئے تو وہ مرہی چکی ہوتی ہیں۔"

"تمہیں اتنی ساری باتیں کیسے معلوم۔" اس نے ڈوبتے ڈوبتے پوچھا۔

"اس لئے کہ ایک بار مجھے بھی بیچا گیا تھا۔"

"اوہ نو۔" وہ لرز کر بولی۔

بی بی تم یہ جو اوہ نو۔کہتی ہو نا تو بھگوان کسم بڑی اچھی لگتی ہو۔اُجالا اسے صحیح معنوں میں APPRECIATE کر رہی تھی۔

مہتاب اس وقت اپنی تعریف سننے کے قطعاً موڈ میں نہ تھی۔ پریشانی سے بولی۔

"تم پھر واپس یہاں کیسے آگئیں۔"

اُجالا بے حسی سے بولی۔" ڈھور ڈنگر پھر اپنے ٹھکانے پر آہی جاتے ہیں۔ ہم میں اور ڈھور ڈنگروں میں کوئی فرق ہے کیا۔" ؟ پھر خود ہی سنانے لگی۔

"یہ آفس میں جو بھی چار پانچ مرد ہیں نا سب ایسے ہی ہیں۔ سب سے زیادہ ہاتھ اس ساری خرابی میں انہی کا ہوتا ہے۔ یہ دلّالوں سے بات کرتے ہیں۔ اُدھر پولیس سے بول دیتے ہیں کہ شکایت آئے تو دبا دینا ہم پیسہ دے دیں گے، اُدھر فارس روڈ پر لڑکی لوگ کی بہت مانگ ہے۔ ایسے تو اب بمبئی میں کتنی جگہ اڈّے چلتے ہیں۔ پڑھی لکھی اور فیشن والی لڑکیوں کی الگ مانگ ہے اچھی اچھی کالج کی لڑکیاں بھی غریبی کے مارے اِدھر اُدھر بھیجی جاتی ہیں، لیکن ان کا دھندہ اچھے فلیٹوں سے چلتا ہے کہ کسی کو شک بھی نہیں ہوتا۔ پکڑی جاتی ہیں ہم جیسیاں۔"

"لیکن تم تو دیکھنے میں بہت اچھی ہو اور پڑھی لکھی بھی ہو۔"

ہاں اچھّی سندر ہوں اسی لئے اتنی خرابی ہوئی اور رہا پڑھنے لکھنے کا تو میرے پاس کون سی ڈگری ہے۔ بس اُسی دیپک نے جو کچھ پڑھا دیا سکھا دیا۔ ویسے ہندی لکھ پڑھ لیتی ہوں۔ انگریزی کا شوق ارمان ہی رہ گیا۔ بہت کم جانتی ہوں۔ تھوڑے بہت اکشروں کی پہچان بھی ہے اور سمجھ بھی لیتی ہوں لیکن بول نہیں پاتی۔ ہاں دوسرا دھیرے دھیرے بات کر رہا ہو تو سمجھ آجاتی ہے۔" پھر وہ ذرا دکھ سے بولی۔

"اگر انگریزی ہی آتی ہوتی تو آج یہاں نہ ہوتی۔"

"نہیں مائی ڈیر۔

YOU ARE ABSOLUTELY WRONG"

وہ دل ہی دل میں بولی ۔

اُجالا اپنی بات کا سلسلہ کبھی نہیں بھولتی تھی پھر سے سِرا پکڑ کر بولی ــــ

مجھے بیچ کر کسی اڈّے پر نہیں بھیجا تھا۔ فلیٹ میں گئی تھی۔ اچھی زندگی تھی ــــ لیکن میں بس بس آگئی ہوں شریر کا سودا کرتے کرتے۔ دارو کے بھبکے اُڑاتے ہوئے شرابیوں کے چہرے نزدیک آتے ہیں تو اُلٹی آنے لگتی ہے۔ اور دو

وقت کی روٹی کے لئے اتنا جوکھم اور دکھ کیوں اٹھاؤں ۔ کوئی کوئی حرام زادہ تو ہاتھ بھی نہیں لگاتا ۔ صرف بلیڈ سے چمڑی کاٹتا ہے اور سگریٹ کے چرکے لگاتا ہے، اس کو اسی میں مزہ آتا ہے ۔ کیوں گذاروں میں ایسی زندگی ۔ اسی لئے جب پولیس کی ریڈ پڑی اور پھر بھاگیہ میں تھانہ کچہری آئی اور مجھ سے پوچھا گیا "کہاں جانا چاہتی ہو" تو میں نے کہہ دیا ۔ "ناری سدھار گھر"

BACK TO SQURE ONE

"مہتاب جنگ ۔ تم اللہ کا شکر کرو کہ تم اب تک ان چکروں سے بچی ہوئی ہو ۔!
لیکن کب تک بچوں گی ۔
کب تک ۔"؟

اس دن صبح ہی سے "ناری سدھار گھر" میں بڑی چہل پہل، بڑی گڑبڑ تھی ۔ ہر طرف ایک بھاگم دوڑ مچی ہوئی تھی ۔ چند لڑکیاں سجائی جا رہی تھیں، کمروں کی صفائی کی جا رہی تھی ۔

"آج کوئی خاص بات ہے ۔"؟ مہتاب نے ایک بہن جی سے پوچھا ۔

"شادی ہوئینگا" اور وہ جیتیں پھڑپھڑاتی کسی کام سے نکل گئی ۔

"اجالا ۔ یہاں کس کی شادی ہے آج ۔"

مہتاب کے ہر سوال کا جواب اجالا کے پاس موجود ہوتا تھا ۔

وہ طنز سے ہنسی ۔" ہوم منسٹر آرہے ہیں ۔ نیتا جی ۔ آج بہت سی شادیاں ایک ساتھ ہوں گی ۔" !

"MASS MARRIAGE" ۔ مہتاب نے اس کے بارے میں اخباروں میں کئی بار پڑھا تھا ۔

"اچھا ۔ وہ ذرا خوشی سے بولی ۔" یہ تو بڑا اچھا کام ہے ۔ کئی بے چاریاں

گھر بار والی ہو جاتی ہوں گی۔"

اُجالا غصّہ سے بولی۔" سرکار کی مدد پہ چلتا ہے نا یہ گھر۔ سرکار کی واہ وا کرنے والے چاپلوس اخبار خوب بڑھا وا دیں گے کہ فلاں فلاں" ناری سدھار گھر" سے اتنی اتنی ناریاں بیاہی گئیں۔ ہوم منسٹر دان دہیز دے کر اپنے ہاتھوں کنیادان کریں گے، اور جو گھیر گھار کر لائے گئے دولہے ہوں گے نا، ان میں کوئی شرابی ہوگا، کوئی جواری۔ کوئی جوئے کا اڈہ چلاتا ہوگا، کوئی دلاّل اور بھڑوا ہوگا۔ جیسے میرا پتی تھا۔"!

"تت۔ تت تمہارا پتی۔ کیا کہہ رہی ہو اُجالا" مہتاب نے ہکلا ہکلا کر بات پوری کی۔"کیا تم اس دور سے بھی گذر چکی ہو۔"؟

"اُجالا ہنسی"۔ کبھی کبھی تو بی بی میں اپنے آپ کو دھرتی کی طرح لگتی ہوں۔ اس کے سینے پہ کتنے پاؤں پڑتے ہیں۔ کتنے ہل چلتے ہیں، کتنی روندی جاتی ہے۔ پھر بھی جوں کی توں رہتی ہے۔ ہاں بی بی ان شادیوں میں ایک بار میں بھی دلہن بنی تھی۔ میرے پتی نے مجھے اسی بازار میں لے جاکر بیچا، جہاں میں پہلے بھی بیچی گئی تھی۔ جب میرا گراہک مجھے لے کر ہوٹل پہنچا اور اپنی رات ساجری کر کے شراب کے نشے میں دھت ہو کر سو گیا تو میں سیدھی یہاں چلی آئی۔ یہاں دو وقت کی روٹی تو مل ہی جاتی ہے نا۔ پھر میں کیوں بھوکے کتّوں سے اپنا شریر نچڑواؤں۔"؟ وہ ہنسنے لگی۔

مہتاب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اُجالا تم کتنی بہادر لڑکی ہو۔ اتنے دکھ اٹھا کر بھی تم ہنس سکتی ہو"!!

"بی بی آج تم نے میرا دل کتنا بڑا کر دیا۔ تم میرے لئے رو رہی ہو نا۔؟ میں آج کے دن کے اس چھن، اس پل کو ہمیشہ، سدا یاد رکھوں گی جیسے سیپ میں موتی چھپا رہتا ہے نا۔ اس چھن کو موتی کی طرح اپنے دل میں چھپا کر رکھوں گی ساری دنیا سے چھپا کے۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

بیگم کاشف احمد کے آتے ہی ویران سے بنگلے میں بہار آگئی۔
ایئرپورٹ سے جو ہو آتے آتے، حالانکہ وہ بڑے آرام سے گاڑی میں تقریباً لِٹا کر لائی گئی تھیں تقریباً بے حال ہو گئی تھیں۔

"ممی میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ امریکہ سے خاصی صحت مند ہو کر لوٹیں گی"۔ عمران پریشان ہو کر بولا۔

"جس ماں کے بیٹے کو ہی اس کی فکر نہ ہو تو بیٹیاں بھلا کیا کر لیں گی"۔ وہ بیزار ہو کر بولیں۔

"کیوں فرح۔ وہ بہن کو پکارتا ہوا بڑے ہال میں چلا آیا"۔ ممی اتنی بے حال کیوں ہیں"۔

فرح اپنے بچے کو سنبھالتی ہوئی بولی۔

" بھائی جان۔ آپ کو پتہ ہے کہ ممی کی صحت ٹھیک نہیں رہتی۔ ایک ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے۔ ڈاکٹرز نے کہا ہے دوسرا GOD FORBID فیٹل FATAL بھی ہو سکتا ہے۔ آپی امریکہ میں۔ میں یہاں اپنے IN LAWS کے ساتھ "کف پریڈ" میں۔ آخر آپ شادی کر کیوں نہیں لیتے۔ ممی کی وجہ سے بائی گاڈ اپنے گھر زندگی میں بھی دل نہیں لگتا"۔

عمران سر کھجانے لگا۔

"جوئیں بہت پڑ گئی ہیں کیا" فرح بیزارگی سے بولی۔ ارے شادی کرا لیجئے، بھابھی جان ساری جوئیں بھی صاف کر دیں گی اور آپ کی طبیعت بھی صاف کر دیں گی"۔

"وہ بات کیا ہے فرح بی بی کہ میں زندگی میں خود سٹیبل ہونا چاہتا ہوں۔

I MEAN I WANT TO STAND ON MY OWN FEET

فرح اس کو غور سے دیکھ کر بولی۔ "تو اس وقت کیا آپ کسی اور کے پیروں پر کھڑے ہیں مائی ڈیر بھائی جان" اور وہ اس کے پیروں کو دیکھ کر ہنسنے لگی۔

وہ ایک صوفے پر ڈھیر ہو کر بولا۔ فرح تو چند دنوں کے لئے یہاں آجا نا میری پیاری گڑیا۔"

فرح اپنے بیٹے کا ڈائپر بدلتی ہوئی غصّہ سے بولی۔

"اور میری شہلا کی نرسری اسکول کا کیا ہو گا۔"؟

عمران غصہ ہو کر بولا۔ "کمال ہے۔ یعنی آپ کی چار سالہ بیٹا دیکھئے اور ان کی اسکول کی پابندی دیکھئے۔ ارے کیا ہو گا اگر چار مہینے وہ محترمہ اسکول سے غائب ہو گئیں"۔

"بھائی جان۔ وہ دانت پیس کر بولی۔

"ناؤ شٹ اپ۔ اور سنئے میں ابھی ابھی اپنی سسرال جا رہی ہوں۔ بس ممّی کو لینے ایئر پورٹ جانا ضروری تھا اس لئے آگئی تھی"۔

"کافی ناخلف اولاد ہو کہ ماں بیمار پڑی ہے اور لڑکی اپنی سسرال جا رہی ہے"۔

لڑکیاں ہوتی ہی پرائی ہیں مائی ڈیر بھائی جان اور یہ کہ لڑکے ہی ماں باپ کے بڑھاپے کا سہارا بنتے ہیں۔" وہ اُسے جان جان کر جلا رہی تھی۔

منا زور زور سے رونے لگا تھا۔ فرح ماں کے کمرے کی طرف جاتی ہوئی بولی۔

"شادی کرو بچو۔ شادی۔ سُدھر جاؤ گے"۔

شادی۔!!

عمران جس خیال سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا کوئی نہ کوئی اسے پھر وہی موضوع

یاد دلا دیتا تھا۔

"صاحب چلئے پیئں گے آپ۔"؟

کریم نے ادب سے آکر عمران سے پوچھا۔

"ممّی کے کمرے میں لگا دو، میں وہیں آتا ہوں۔"

ممّی نے امریکہ جاتے ہوئے سارے نوکروں کی چھٹی کر دی تھی سوائے دربان کے۔ کہ گھر کی حفاظت کا بھی خیال تھا اور یہ بھی کہ عمران گاڑی سے آتا جاتا ہے تو یہ نوکر نے سے رہا کہ ہر بار پہلے اتر کر بنگلے کا پھاٹک کھولے۔ پھر گاڑی باہر نکالے، یا اندر سے، پھر گاڑی باہر نکالے، یا اندر سے، پھر اتر کر پھاٹک بند کرے اور پھر جائے یا اندر آئے۔ نوکروں کو چھٹی دینے کا ایک مقصد تو یہ بھی تھا کہ ان بے چاروں کو بھی ذرا آرام مل جائے اور کچھ عمران کو سزا دینی بھی مقصود تھی۔ "خود کام کرنا پڑے گا تو پتہ چلے گا کہ بیوی کتنی ضروری چیز ہے۔"

لیکن یہاں عمران نے تو مارپکوان کر کرکے اچھے اچھے ماہر باورچیوں کی چھٹی کر دی تھی۔

مراد بولتا تھا۔

"یار عمّو۔ تیرے ہاتھ کے کھانے کھانے سے تو بہت بہتر ہے کہ انسان کو سیدھی سادی سزائے موت دے دی جائے۔"

ممّی کے کمرے میں پہنچا، تو اس کے پیچھے ہی ایک ہم مراد بھی آ پہنچا۔

"ارے خالہ جان اسلام علیکم۔ پہلے تو معافی چاہتا ہوں کہ ایئرپورٹ نہیں پہنچ سکا۔ کم بخت آفس میں ہی بہت دیر ہو گئی آج۔"

"جیتے رہو بیٹے۔ اللہ دنیا کی ساری خوشیاں تمہارے قدموں میں ڈھیر کرے۔ کوئی بات نہیں جو آنہ پائے۔ بڑی بات یہ ہے کہ خیال تو تھا۔" وہ پیار

سے بولیں۔

"ارے خالہ جان۔ خیال کی بات کرتی ہیں آپ قسم لے لیجئے آپ کے بغیر ایک دن بھی سکون اور خوشی سے گزرا ہو"۔

"اتنے دبلے کیوں ہو گئے بیٹا"۔ ممّی بڑی محبت سے بولیں۔

مراد بیحد سنجیدگی سے بولا۔" خالہ جان۔ شکر منایئے کہ زندہ نظر آ رہا ہوں۔ یہ آپ کے بیٹے نے ایسے نت نئے نئے پکوان بنا کر کھلائے ہیں کہ کئی بار فوڈ پوائزننگ ہوئی، کبھی ڈائریا۔ کبھی فاقہ۔ کبھی کچھ، کبھی کچھ — میرے بس میں ہوتا تو اسے سال چھ مہینے جیل کی ہوا کھلا دیتا"۔

ممّی مسکرانے لگیں۔

"زیبا کیسی ہے خالہ جان — اور اس کا بچہ۔ کیا ہوا ہے اُسے اب کی بار۔ پہلے کا تو لڑکا ہے نا غالباً"۔

ممّی شکر منذی کے احساس سے چور ہو کر بولیں۔" شکر ہے اللہ کا، اب کی بار بھی بیٹا ہی ہوا۔ اچھّی ہے خدا کے فضل سے"۔ پھر اچانک ہی اداس ہو کر بولیں۔" وہ تو اللہ کی دین ہے، بیٹا دے، بیٹی دے لیکن میں تو دعا کرتی ہوں کہ اللہ کسی کو بیٹی دے ہی نا۔ ماں باپ کو چھوڑ کر کیسے دور جا بستی ہیں، کہ یاد کرتے کرتے دم نکل جائے، لیکن ملاقات کی نوبت نہیں آتی"۔ ان کی آنکھیں بھی بھر آئیں اور آواز بھی بھرا گئی۔

"ارے ممّی۔ عمران چہک کر بولا۔

"آپ ایسی دعا دے رہی ہیں کہ اللہ نے اتفاقاً سن لی نا تو ساری دنیا ختم ہی سمجھئے۔ ارے لڑکیاں نہیں پیدا ہوں گی تو لڑکے شادیاں کس سے کریں گے۔"؟

"جیسے تو نے تو بہت شادیاں کرلی ہیں نا" وہ چڑ کر بولیں۔ مراد بیٹا تو اس نالائق کو سمجھاتا نہیں کہ شادی کی عمر نکل رہی ہے۔ پھر لڑکی والے بھی ہچر مچر کرتے ہیں کہ عمر زیادہ ہے۔ پھر جلدی شادی ہو، جلدی اللہ بچے دے تو جلدی بازو برابر کے ہو جاتے ہیں۔ باپ اور بیٹے ایک ہی ناپ کے کپڑے پہننے لگیں تو کیسی خوشی ہوتی ہے یہ تم لوگ کیا سمجھو"

عمران قہقہہ لگا کر بولا "ممی پاپا نے تو کبھی مجھے اپنے کپڑوں کو ہاتھ تک لگانے نہیں دیا۔ ویسے ان سے ڈر بھی بہت لگتا تھا رے بھائی"

"بڑے محبت والے تھے بیٹا تمہارے پاپا۔ اوپری اوپری ہی غصہ اور سختی تھی، دل تو موم تھا موم۔ وہ بھرائی ہوئی آواز سے بولیں۔ وہ ہوتے تو اب تک تو شادی چھوڑ، میں پوتا بھی جھلا رہی ہوتی"

انہوں نے تھوڑی دیر رک کر خود ہی بات شروع کی۔

"زیبا کے ملنے جلنے والوں میں بہت سی اچھی اچھی لڑکیاں دیکھیں میں نے۔ زیبا تو کہہ بھی رہی تھی کہ ممی اب یہاں کے لوگ اپنی بیٹیاں ہندوستان اور پاکستان میں ہی بیاہنا چاہتے ہیں کہ اپنی مٹی اور جڑوں سے تعلق باقی رہے"

عمران ہنس کر بولا "اور ممی کبھی اس نے مجھے ہی وہاں کھینچ لیا تو۔ ؟ نہیں رے بھائی میں اپنا ہندوستان، اور ہندوستان میں بھی بمبئی اور بمبئی میں بھی جوہو، کبھی نہ چھوڑوں گا، کہنے والے کہہ گئے ہیں۔

NO CITY LIKE BOMBAY IN THE WHOLE WORLD

اور بالکل صحیح بات ہے"!

ممی بولیں "شکاگو بھی مجھے ایسا کوئی خاص برا تو نہیں لگا" "وہ تو CITY OF WINDS کے نام سے مشہور ہے" عمران نے پوچھا۔

ایک لاکھ تمہارے ہی رہے جو تم نے مہر میں باندھے تھے۔"

عمران نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"اس لئے کہ اگر زن و شوہر میں خلوتِ صحیحہ، مطلب SEXUAL RELATIONS قائم نہیں ہوئے ہوں تو نہ تو ولیمہ کرنے کی ضرورت ہے نہ مہر کی ادائیگی کی۔ بلکہ دعوتِ ولیمہ تو اسی لئے دی جاتی ہے کہ یہ ایک طرح کا اعلان ہوتا ہے کہ ہاں میاں بیوی اب صحیح معنوں میں جسمانی ملاپ کے بعد، میاں بیوی بنے ہیں۔ آپ تو ان جھمیلوں میں پڑے ہی نہیں نا۔"

"یار مرادا ایک ہی وار میں ختم کر دے نا۔ کیوں اس طرح تڑپا تڑپا کے مار رہا ہے۔" اس نے اپنے ماتھے کو ہتھیلی سے زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا۔

"یار عمو تجھ پہ ترس بھی آتا ہے۔ ابھی خالہ جان کے سامنے تو خوب چہک رہا تھا نا، مجھے پتہ ہے اندر سے دل میں غم اور فکریں بھری ہوں نا تو انسان اسے ہنسی مذاق کی چادر سے ڈھک دینا چاہتا ہے۔"

عمران روہانسا ہو کر بولا۔ "یار تجھے پتہ ہے نا میں آج کل سے نہیں ہمیشہ سے ممّی کے سامنے کس قدر ہنسی مذاق اور ہلّہ گلّہ کرتا رہتا ہوں۔ اگر اچانک سیریس ہو گیا تو ویسے ہی وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں، کتنا فیل نہیں کریں گے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں۔"

"عمران میں نے بار بار اس مسئلے پہ سوچا اور ہر بار جی چاہا کہ تمہارا بھرتہ بنا دوں کہ آخر تم اتنے بے حس کیونکر ہو سکے کہ ایک لڑکی کو اس طرح بھری دنیا میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ لئے۔"

عمران ندامت سے چور ہو کر بولا۔ "اب اگر تو مجھے مار بھی ڈالے تو کیا ہو گا۔

"ہاں بیٹا۔ وہ ناگواری سے منہ بنا کر بولیں" ایسی ایسی ہوائیں چلتی ہیں کہ انسان پاگل بن کر رہ جائے، ساڑی کدھر۔ ڈوپٹے کدھر۔ بال تو بنائے نہیں کہ تیتر بیتر۔ میں تو زیبا سے کہتی تھی کہ میں بھی کہاں آکر پھنس گئی۔"

عمران ہنس کر بولا۔ "ممی ابھی ابھی تو آپ شکاگو کی اتنی تعریف کر رہی تھیں۔"

"شکاگو کی نہیں۔ وہاں کی لڑکیوں کی کر رہی تھی۔ زیبا سے میں نے کہہ دیا ہے کہ میری طرف سے اجازت ہے جو بھی پسند آئے، بات پکی کر لے، تصویریں چھوڑ آئی ہوں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ میرا بیٹا امریکہ نہیں بسائے گا۔ آنا لڑکی ہی کو پڑیگا ہندوستان۔"

"ارے ممی یہ تو آپ نے غضب کر دیا۔ م۔ مم مجھے فارن کی لڑکی قطعاً نہیں چلے گی۔"

"ویسے جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے آپ کو تو انڈیا کی بھی نہیں..... مراد کی بات ادھوری سن، اک دم عمران کھانستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ "مجھے ایک ضروری فون کرنا ہے ممی ابھی آیا۔"

اس کے پیچھے ہی مراد بھی دوسرے کمرے میں چلا آیا۔ عمران صوفے پر سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔

"کمال کرتا ہے یار تو۔ اگر ممی تفصیل پوچھ لیتیں تو۔"؟

"اپنے کارنامے بتانے میں شرم کیسی"۔ وہ تلخ ہو کر بولا۔ گناہ تم نے کیا اور سزائیں پا رہا ہوں۔ مسلسل اس کرب سے گذر رہا ہوں کہ وہ غریب آخر کہاں گئی ہوگی کیا کر رہی ہوگی۔ اگر غلط ہاتھوں میں پڑ گئی ہوگی تو.....

"مراد پلیز..... عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ مگر وہ رکا نہیں کہے گیا۔" اور تمہاری خوش نصیبی میں ایک اور خوش خبری سنا کر اضافہ کر دوں کہ وہ تمہارے

بس یہ حل نکال کہ اسے ڈھونڈیں کیسے۔"؟

"تو تو کہتا ہے کہ تو نے اس کا چہرہ دیکھا تک نہیں"۔

"نہیں دیکھا نا یار۔ اور مصیبت یہ ہے کہ اس نے بھی مجھے نہیں دیکھا۔ اور سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ میں سارا راستہ باتیں کرتا ہوا آیا، لیکن وہ مجھے آواز سے بھی نہیں پہچان پائے گی، اس لئے کہ اس دن صبح سے ہی چلا چلا کر ڈائیلاگ بولتے ہوئے میری آواز بیٹھ گئی تھی اور اوپر سے ٹانسلز الگ آ گئے تھے۔ اتنی بدلی ہوئی آواز تھی میری کہ کیا بتاؤں"۔

"یہ ایک ایسا مسئلہ ہے میرے دوست کہ دنیا کے بڑے سے بڑے جاسوس کے حوالے کیا جائے تو وہ بھی معافی مانگ لے گا۔ یہ میرے خیال سے دنیا کی سب سے ناممکن بات ہے"۔ پھر وہ بڑے تاسف کے ساتھ بولا۔

"اور مذہبی نقطۂ نظر سے تمہارا تو کچھ بھی نہیں گیا۔ تمہیں تو اور بھی شادیاں کرنے کا حق حاصل ہے۔ مرد جو ٹھہرے۔ لیکن سوچا اس بے چاری کا کیا ہوگا جو مسلمان لڑکی ہے۔ جو کسی کے نکاح میں بندھ چکی ہے، اگر کوئی اچھا ساتھی مل جائے تو اس سے شادی تک نہیں کر سکے گی"۔

عمران نے اچانک بڑے معصوم لہجے میں مراد کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"مراد۔ اتنا میں اچھی طرح کہہ سکتا ہوں کہ وہ نیلی ساڑی پہنے ہوئے تھی"۔

مراد نے اسے ترس بھری نگاہوں سے دیکھا۔

"عمران۔ ہم بچپن کے دوست ہیں۔ مجھے پتہ ہے تم بیحد کھلنڈرے اور ہنسی مذاق کرنے والے سہی، لیکن حد درجہ حساس بھی ہو۔ صرف ایک نیلی ساڑی۔! یہ کوئی پہچان اور نشانی ہوئی؟؟ بس اس معصوم کے لئے دعا کرو کہ وہ غلط ہاتھوں میں نہ پڑ جائے۔ اور اس کا مل جانا۔؟

IT'S ALMOST IMPOSSIBLE!!

فرح دھڑ دھڑاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی ۔

"بھائی جان ۔ میں ممی سے مل آئی ہوں ۔ پلیز ممی کا خیال رکھئے گا ۔ اکیلا نہیں چھوڑیئے انہیں ۔

میں کل ضرور آؤں گی انشاء اللہ ۔ اس وقت تو بھاگنا ہے میرے میاں چلائیں گے ورنہ ۔"

عمران ہنس کر بولا ۔ چلائیگا تو چلانے دو ۔ دو بچوں کو تو سنبھالتی ہی ہو تیرے کو بھی سنبھال لینا ۔"

"بھائی جان ۔" وہ چلائی ۔ "مراد بھائی آپ انہیں منع کر دیں ورنہ میں پٹائی کر دوں گی ان کی ۔"

"ارے یہ تیرا میاں ممی سے ملنے نہیں آیا بے شرم ۔" عمران منہ بنا کر بولا ۔

FOR YOUR KIND INFORMATIC، وہ ایئر پورٹ پر ملنے آئے تھے، کام تھا تو چلے گئے تھے ۔ اس وقت آپ کسٹم کے پیچھے حیران ہو رہے تھے ۔ پھر منہ چڑا کر بولی ۔

"میرے میاں بہت ۔ بہت اچھے ہیں ۔ دیکھوں گی کون سی نک چڑھی بھابی لاتے ہیں میرے لئے ۔

مراد بھائی ۔ آپ ساتھ ساتھ لگے رہئے گا، ورنہ کسی ایسی ویسی کو پکڑ لائیں گے اور پھر ندامت کے مارے چھوڑ بھاگیں گے ۔ . . . .

مراد اور عمران نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا ۔ دونو کے چہرے عجیب سے بے نام جذبے سے اُتر سے گئے تھے ۔ فرح قہقہے لگاتی ۔ "خدا حافظ"، کرتی، بچے کی انگلی پکڑے، پورچ کی طرف بھاگی جا رہی تھی ۔

مہتاب کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اپنے کام کی ابتدا کہاں سے کرے۔ یہ ضرور تھا کہ وہ خالی نہیں بیٹھنا چاہتی تھی اور کچھ نہ کچھ کرتی رہنا چاہتی تھی۔ یوں وہ اپنے آپ کو مصروف بھی رکھ سکتی تھی اور بے کار خیالات سے اپنے ذہن کو بچائے بھی رکھنا چاہتی تھی۔

اُجالا اس کے لئے بہترین گائیڈ ہو سکتی تھی۔ یہاں سے باہر جانا کوئی پرابلم نہیں تھا۔ ناموں کے رجسٹر تھے بھی۔ لیکن اگر کوئی لڑکی یا عورت غائب بھی ہو جاتی تو کوئی خاص ہلچل مچانے والی بات نہیں تھی اور وہ خود کون سا بھاگ کے جانا چاہ رہی تھی۔ ایک میٹرن نما بڑی بہن جی تھیں باہر جانے کے لئے انہی سے اجازت لینی پڑتی تھی اور باہر جانے اور واپس آنے کے ٹائم بتا دینے پڑتے تھے۔

"اُجالا ہم صبح سے شام تک بس بمبئی گھومتی رہا کریں گی۔"

مہتاب نے اُجالا کو اپنی اسکیم سے آگاہ کیا۔

اُجالا نے بڑے اچنبے سے اسے دیکھا۔

"مگر بی بی اس کا فائدہ۔"؟

وہ بہت دیر تک یونہی بیٹھی رہی۔"اُجالا اب فائدہ اور نقصان تو کسی بات میں رہا ہی نہیں۔ سب سے پہلے میں چاہتی ہوں کہ بس بمبئی شہر سے تعارف حاصل کروں۔"

اُجالا اس کا منہ دیکھنے لگی تو وہ بولی۔"تعارف مطلب۔ پریچے۔"

اُجالا طنز سے مسکرا دی۔

"بی بی اگر اتنی بڑی بمبئی میں تمہیں ایک" وہ ایک پر زور دے کر بولی۔"اگر ایک بھی شریف مرد مل جائے تب میں تم سے پوچھوں گی۔"

"ایسی بھی کیا مایوسی اُجالا۔ دنیا میں اللہ پاک نے اچھے بُرے سبھی قسم کے

انسان بنائے ہیں۔" وہ دل ہی دل میں ذرا ڈر سی گئی تھی۔

"عورتیں شاید ایک دو۔" وہ "ایک دو" پر زور دے کر بولی۔ اچھی مل بھی جائیں لیکن اگر کوئی مرد شریف مل جائے تو سمجھو وہ مرد نہیں تھا۔ سوئم بھگوان تھے۔ پھر جل کر بولی" اور خود بھگوان بھی کیا کم تھے۔ ایک کرشن نے ہزاروں گوپیوں سے راس رچائی۔"

مہتاب اس موضوع پر کہہ بھی کیا سکتی تھی خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

"بی بی تمہیں ہمارے دھرم کی کچھ معلومات ہیں؟

ایک" چکرویوہ" تھا۔ اس میں بے چارہ "ابھی مینو" پھنس گیا تھا۔ بس یہ ناری سدھار گھر" ایسا ہی ایک چکرویوہ" ہے۔ اب اس میں پھنس گئے سو سمجھئے پھنس ہی گئے۔"

مہتاب اس کی دھواں دیتی باتوں کو پی کر پھر سے اپنا پلان بتانے لگی۔

"میں چاہتی ہوں اجالا کہ میں بی۔اے پاس ہوں نا۔ یہ کافی معقول ڈگری ہوتی ہے۔ ویسے آج کل کے ہندوستان اور حالات میں اس ڈگری کی بھی کوئی خاص اہمیت تو ہے نہیں۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ اسی کے سہارے اور آس پر جگہ جگہ جا کر اپنی قسمت تو آزماؤں.....

اجالا اک دم خوش ہو کر بولی۔" بی بی تمہارے پاس ڈگری ہے۔ مجھے بتاؤ نا آج تک میں نے کبھی کوئی ڈگری نہیں دیکھی.....

"ڈگری۔"؟ مہتاب کا دماغ اک دم گھوم گیا۔ ڈگری اور سارے کاغذات تو وہیں کہیں حیدر آباد میں ہی رہ گئے تھے۔

زندگی کیسی FLASH BACK ہو کر رہ گئی تھی.....

....

سامنے بڑے سے برآمدے میں ممی کی لاش رکھی ہوئی تھی۔ کسی نے بڑی احتیاط سے انہیں سر سے پاؤں تک ڈھانک دیا تھا۔ آنے والی بیبیاں آتیں، سرہانے کی طرف سے ذرا سی چادر اٹھا کر دیکھتیں تو مہتاب کو ممی کا چہرہ نظر آجاتا۔ ان کی ناک کے نتھنوں میں سفید روئی کے پھوہے ٹھونس دیئے گئے تھے۔ ٹھوڑی سے لے کر ایک سفید چوڑی سی پٹی کانوں پر سے لے جا کر عین سر کے اوپر گرہ دے کر باندھ دی گئی تھی۔ میّت کا منہ کھلا کا کھلا نہ رہ جائے۔

پتہ نہیں کتنے جانے ان جانے چہرے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ سب اس کے پاس آتے گلے لگاتے اور چیخ چیخ کر رونے لگتے۔

اسے قطعاً رونا نہیں آرہا تھا۔ ایک طرح سے ممی پر غصہ آرہا تھا۔ پاپا کے بعد تو وہ ویسے ہی کتنی اکیلی ہو گئی تھی۔ لے کے اب خود بھی چل دیں۔ "یہ صحیح نہیں کیا ممی آپ نے۔ آپ کے سوا میرا تھا ہی کون۔" ؟ اس کی آنکھیں اس قدر خشک تھیں، لگتا تھا پانی سے کوئی شناسائی ہی نہیں تھی کبھی۔

پھر اس نے جاگتے حواس اور کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ ماموں جان اور ممانی داخل ہوئے۔

ماموں جان تو ستون سے لگ کر ہل ہل کر رونے لگے اور سسکیاں رومال سے دبانے لگے۔ ممانی اس کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ تیز سینٹ کا ایک بھپکا آیا جو ساروں کو متوجہ کر گیا۔ دبی دبی زبان میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔

"ائی یہ کون سا موضع تھا عطر پھلیل کا۔"

"ہور دیکھو نا ناخنوں پو نیل پالش بھی اُنے لگا کو آئی۔"

"اِتّے پیسے والی ہے عربستان میں گھر ہے کتے اِتا آتی جاتی چکراں مارتی۔ کیا ایک سفید ساڑی نئیں جڑی اس ناکی یہ چھپا چھپ نائلوں کی رنگین پھول دار ساڑی منگ

کو آ گئی "۔

"ہونہہ غور سے دیکھو۔ لپ اسٹک بھی لگا کو رکھی "۔

"آنکھاں دیکھو ذرا۔ بھر بھر کے ولایتی کاجل بھی دِکھ را "۔

ممانی پھسڑ کر کے آکے عین مہتاب کے بازو ہی بیٹھ گئی تھیں اور میت پر درود کلمے، قرآن پاک کی زبانی یاد آیتیں پڑھنے کی بجائے مہتاب کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔

انہوں نے مستقبل کے پلان بنانا شروع کئے۔

"بیٹا تمہارے تو والد بھی نہیں تھے اب والدہ بھی گذر گئیں۔ تم یہاں تنہا کیا کرو گی۔ اور سُنا ہے یہ گھر بھی تم لوگوں کا نہیں ہے۔ اب تم میرے اور اپنے ماموں جان کے ساتھ بمبئی ہی چلو۔ وہاں سے پھر ہم گلف چلے جائیں گے "۔

وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔ "اور پھر بیٹا تمہارے لئے حیدر آباد میں بچا ہی کیا ہے۔ سوائے باپ ماں کی ہڈیوں کے۔ وہ بھی گل جائیں گی ایک دن۔ رہی فاتحہ تو وہ تو دنیا کے کسی بھی کونے سے اپنے پیاروں پر پڑھی جا سکتی ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ دل میں آخرت کا خوف ہو "۔ وہ اس کے خالی ہاتھ انگوٹھیوں سے بے نیاز انگلیاں، خالی گردن دیکھ کر تاسّف سے بولیں۔

"زیور تو تمہارے پاس کبھی رہا ہی نہیں "۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔ تمہارے چچا ابّا نے بھی تمہارے ابا کے ساتھ بڑی زبردست دھاندلی کی۔ ایک ساتھ ہر ہر چیز سے، زمین کے چپّے چپّے تک سے بے دخل کر دیا۔ کہاں سے ملتا تم بے چاری کو زر زیور۔ اور تمہارے ابّا میاں۔ وہ بھی تو ایسے شاہ خرچ تھے کبھی ایک پھوٹی کوڑی تک نہ بچا کر رکھی۔ ارے پیٹ میں جوان اولاد ہو، وہ بھی لڑکی تو کچھ نہ کچھ تو انسان اٹھا کر، سینت کر رکھتا ہی ہے "۔

ان کی اس طرح کی باتیں سن کر میّت میں آنے والیوں کی توجہ بٹنے لگیں۔

ویسے بھی میت میں آدھے لوگ آتے ہیں تو صرف اس ڈر سے کہ انہیں بھی مرنا ہے۔ آج اگر وہ کسی کی میت میں نہیں جائیں گے تو کل کلاں کو کون انہیں کاندھا دینے پھٹکے گا۔ میتوں میں گھر سے روانہ ہوتے وقت پیٹ بھر کے کھا پی کے نکلتے ہیں میت کے گھر میں داخل ہوتے ہی رونے اور غم زدہ نظر آنے کی ایکٹنگ شروع کر دیتے ہیں۔ مرد لوگ چھ۔ چھ۔ سات سات کے گچھوں میں کھڑے اُدھر اِدھر دیکھ کر فوراً کھسک جاتے ہیں، کونوں میں سگریٹ پی پی کر پھر مجمع میں آشامل ہوتے ہیں۔ اپنے گھر میں واپس آتے ہی نہا دھو کر سب سے پہلے کھانے پر پل پڑتے ہیں۔ میت کے گھر میں ہاتھوں میں سیپارے دیئے جاتے ہیں تو بمشکل دو چار آیتیں پڑھ کر دھیرے سے سیپارہ اونچی جگہ لے جا کر رکھ دیتے ہیں اور بیبیاں اکثر یہ عذر پیش کر دیتی ہیں کہ "پاک نہیں ہیں ہم"۔ چلو چھٹی ہوئی۔ مرنے والی اگر بوڑھی اور عمر رسیدہ ہے تو پھر تو کپڑوں کے دام اور سلائی کے ڈیزائن اور زیور کے کرافٹ تک کی باتیں روا ہیں۔ ایسے میں جب آس پاس کی خواتین نے دیکھا کہ خاص دلچسپ باتیں ہو رہی ہیں تو کھسک کر قریب آنے لگیں۔

"ہونا ماں۔ کِتّے بڑے نوّاب کا گھرانہ تھا بول کے۔ بچّی کے ہاتھاں گلّا سوب سُونا"۔ دوسری بولیں۔

"میں بولی بھی تھی مرنے والی آپا سے۔ دسویں پاس ہے میرا بیٹا تو کیا ہوا۔ اپنا اِچ بچہ سمجھو۔ دے دیو بیٹی کو۔ نئیں بول دیئے صاف۔ ہور مئیں تو جوڑے گھوڑے کے نام پو ایک کوڑی بھی نئیں منگ رئی تھی"۔

"ائی ہو جی آپا"۔ ایک تیسری بیحد غصّہ سے دوسری والی سے مخاطب ہو گئیں۔ "جب تمہارے وہی اِچ بچّے کا پیام تم میری سلطانہ ماں کو لے کو آئیں تو یہ لمبی۔" انہوں نے ہاتھ کے پنجے سے شانے تک لمبا اشارہ کیا۔ "سامان کی

فہرست بنا کو کیوں بھیجے تھے پھر۔"؟

کچھ اُن بی بی نے بھی زور سے جواب دیا اور بحث زور پکڑنے والی تھی کہ ایک بی بی قرآن شریف میں نشان رکھ کر اٹھیں اور ملائمیت سے آکر بولیں۔

"دیکھو ماں۔ میّت کے گھر میں ایسے فضول باتاں لے کو نئیں بیٹھتے۔ یہ وخت ایک دن سوب پو آنا ہے۔ اگر آپ نئیں پڑھ سکتے اللہ کا کلام تو ایسے بیکار کے باتاں بھی مت کرو۔"

میّت میں سبھی دنیا دکھاوے کو تو نہیں آتے۔ چند لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو واقعی دل سے اللہ سے ڈرتے اور مرنے والوں سے قلبی لگاؤ رکھتے ہیں۔ اُن بی بی نے پھر نرمی سے لتاڑا۔

"وہ بچّی کی طرف دیکھو، جس کا باپ پہلے اِچ نئیں تھا۔ ہور ماں بھی چلی گئی۔ کم سے کم اس کے دل کا خیال کرو تو آپ لوگاں خاموش بیٹھو آکے یہاں تو جو بھی کرلیو سو کرلیو وہاں خبت کی بھی کچھ فکر ہے کی نئیں۔"

مہتاب اس طرح بیٹھی تھی جیسے وہاں تھی ہی نہیں۔ اُسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ بس آپا کے ممانی سر پیٹھ پر سے ہاتھ پھیرتی جارہی تھیں۔

اتنے غم میں بھی اُسے ایک ہلکا سا خیال آیا۔

"ممانی کافی محبّت والی ہیں۔ اتنی محبت کررہی ہیں۔ ساتھ بمبئی چلنے کو کہہ رہی ہیں۔ خاندان والے پتہ نہیں کیوں انہیں سدا مطعون ہی کرتے رہتے ہیں۔"

ایک شور کے ساتھ میّت اٹھائی گئی۔ کلمۂ شہادت کی گونج میں اس کی ممّی کو اس کی آنکھوں کے سامنے سے یوں لے جایا گیا کہ وہ روک بھی نہ سکی۔ اور پہلی بار وہ اس قدر زور سے روئی، اس قدر چلا چلا کر روئی کہ عورتوں کو اُسے سنبھالنا دشوار ہوگیا۔ چند محبّت بھرے دل رکھنے والی خواتین بولیں۔

"اسے رونے دیو ماں - اچھا وا دل کا بخار نکل گیا نئیں تو کوئی بیماری کھڑی ہو جاتی۔"

کسی نے اس کا منہ کھول کر دو گولیاں اور دودھ کا ایک گھونٹ مونہہ میں ڈالا- اس نے نگلنے کی کوشش کی، لیکن لگتا تھا دل، جگر، کلیجہ، آنتیں سب حلق کے راستے منہ سے نکل پڑنے کو بے تاب ہیں -

"اجی نئیں ماں - کلیجے کو بچی کے، ہول لگ گئی بول کے سوب اُلٹا اُلٹ کو آرہا- معدہ کچھ بھی خبول نئیں کرے گا - ایسا کر دیہ نیند کے گولیاں گھول کو زبردستی وہ دودھ حلق میں ٹپکا دیو۔"

اور غالباً ایسا ہی کیا گیا-

پھر اسے کچھ بھی پتہ نہ رہا-

ہوش آیا تو وہ بمبئی کے ایک، ایک کمرے، کچن باتھ، ٹوائیلٹ والے چھوٹے سے فلیٹ میں تھی، جہاں حیدرآباد کے مقابلے کچھ کچھ بھی نہ تھا- ایک پیر کمرے سے نکالو تو دوسرا کچن میں پڑتا تھا اور بس گھر کی حدود ختم- حیدرآباد میں تو باقاعدہ اپنے گھر میں چلنا پڑتا تھا- کئی بار وہ اپنی ممّی سے لاڈ میں آکر اُلجھ کر بولتی تھی -

"ممّی اتنے بڑے بڑے گھروں کا آخر کیا مقصد تھا- پیر دُکھ جاتے ہیں چلتے چلتے۔"

بمبئی آکر اسے پتہ چلا کہ جس جگہ یہ فلیٹ ہے وہ باندرہ کہلاتی ہے - ممّی کے غم میں اسے کسی بات کا ہوش ہی کب تھا- ماموں جان اور ممانی کے علاوہ اس دنیا میں اس کا اب اور کون تھا- کم سے کم ہندوستان میں- وہ اگر اُسے حیدرآباد سے بمبئی لے آئے تو کسی نے بھی اعتراض کیوں کیا ہوگا- ؟ اور

سامان ۔ اس کے پاس تھا ہی کیا ۔ کپڑوں کے سوا ۔ اور وہ بھی ڈھیروں نہیں ۔
سامان پیک کرنے میں پتہ نہیں ماموں جان اور ممانی نے اس کی ڈگری کہاں پھینک دی ۔ کاغذ کے ٹکڑے کی اہمیت بھی کیا !!

"اُجالا ۔" وہ پریشانی سے بولی ۔ "میری ڈگری اور سرٹیفکیٹ تو خود میرے پاس بھی نہیں ہیں تجھے کہاں سے بتاؤں " ۔ !

اُجالا پریشانی سے اس کا منہ دیکھنے لگی ۔

"اُجالا ۔ ڈگریوں کی کوئی قدر نہ تھی ، لیکن جب انٹرویوز وغیرہ ہوتے ہیں نا تو اس کی ضرورت تو پڑتی ہی ہے ۔"

اُجالا بے فکری سی ہو کر بولی ۔ "ارے بی بی تم دیکھنے دکھانے میں اتنی خوبصورت اتنی سندر اور پڑھی لکھی لگتی ہو کہ تم بس منہ سے بھی کہہ دو گی نا کہ میں بی اے پاس ہوں تو کوئی چلتا چور بھی وشواس کرے گا ۔ چنتا مت کرو ۔"

مہتاب کو ہنسی آ گئی ۔ "تو مجھے سمجھتی کیا ہے اُجالا ۔ ؟ میں کوئی دنیا سے انوکھی ہوں " ؟

"بی بی تم دنیا میں سب سے اچھی ۔ سب سے سندر ہو ۔" وہ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر جھلاتی ہوئی بے حد والہانہ انداز میں بولی ۔

. . . .

"دیکھو بی بی تم کو بمبئی دیکھنا ہے نا ۔ ایسا کرو یہ لوکل گاڑیاں ہیں نا ۔ اندھیری سے چرچ گیٹ کا واپسی کا ٹکٹ لے لو اور خوب گھومتی رہو ۔ اِدھر سے اُدھر ، اُدھر سے اِدھر ۔ دس بارہ بھی گھومو گی نا تو کوئی تم سے کچھ پوچھنے والا نہیں ۔ اوّل تو تمہاری صورت ہی بی بی ایسی رانیوں جیسی ہے کہ ٹی ۔ سی تم سے ٹکٹ بتانے بولنے کی ہمت ہی نہیں کرے گا ۔ اور جو پوچھے بھی کہ بتاؤ ۔ تو بس ایک جھلک بتا

کر پھر اپنے پرس میں رکھ لینا "۔

"اور اگر میں کسی اسٹیشن، مان لو، باندرہ چرچ گیٹ، سانتا کروز۔ یا جی چاہے تو کھار وغیرہ کہیں بھی اُتر جاؤں۔ اور تھوڑا گھوم پھر کے پھر چڑھنا چاہوں تو "؟

اُجالا ہنسی۔ "اگر تم چرچ گیٹ پر اُتر گئیں، تو شاید کچھ گڑبڑ ہو سکتی ہے کہ ٹی سی ٹکٹ لے کر آدھی پھاڑ پھوڑ کر رکھ لے اور نئے سرے سے تم کو ٹکٹ خریدنے کا جھنجھٹ کرنا پڑے۔ مگر بی بی میں کہہ رہی ہوں نا۔ اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اتنے گچڑی میں۔۔۔۔

"کیا۔ کیا کیا"؟ مہتاب نے اسے دفعتاً روک دیا۔ "یہ کیا لفظ تم نے کہا"

"گچڑی۔ ارے بی بی بمبئی میں رش کو بولتے ہیں۔ زیادہ لوگ جہاں جمع ہو جائیں نا اُسے "۔

وہ ہنسی۔

"ہاں تو کیا سمجھا رہی تھیں تم "۔ مہتاب بھی مسکرانے لگی۔

"ارے بی بی۔ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تم شوق سے گھومو پھرو۔۔۔ اک دم وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"بی بی یہاں کی رہنے والیوں کو پاس ملتا ہے نا "!

"پاس "؟ مہتاب حیرت سے بولی۔

"ہاں ہاں بی بی پاس۔ وہ بڑی میسٹرن بہن جی سے بولو نا۔ وہ دے دے گی "!

"لیکن مجھے کیوں ملے گی "

اُجالا ذرا طنز سے بولی۔ "سرکار کی بھی سہاٹتا (مدد) ہے نا۔ یہ "ناری کہ اِن" چلانے

ہیں ۔ تو یہ سرکار کا اُپکار ہے ہم ناریوں پر ۔ تم پڑھی لکھی ہو نا بی بی تو تم سے تو کوئی زیادہ پوچھ گچھ بھی نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے اُجالا ۔ تیرے بہت سارے مشوروں کا بہت سارا شکریہ ۔ لیکن ابھی میں نے یہ سوچا ہے کہ ہم دونوں مل کر بمبئی کو ذرا کھنگالیں گے۔"

بڑی بہن جی سے اجازت لے کر دونوں جب باہر نکلنے کے لئے تیار ہوئیں تو کئی عورتیں اور لڑکیاں ان دونوں کو اچنبھے سے دیکھنے لگیں ۔

اُجالا ہنس کر بولی ۔" بی بی تم کہتی ہو میں سندر ہوں ۔ مگر دیکھو یہ ساری عورتیں بس تمھی کو ایک ٹک دیکھے جا رہی ہیں ۔ بی بی کہو کچھ بھی ۔ تم میں ایک بات ہے ۔ اکثروں میں وہ آ ہی نہیں سکتی ۔ بس انسان دیکھ سکتا ہے ۔ وہ ہنسی ۔" میں تو تمہارے ساتھ تمہاری نوکرانی لگ رہی ہوں ۔"

"ہش ۔ پاگل کہیں کی ۔ اب ایسی باتیں کیں نا تو تیری میری دوستی ختم۔"

اور اس سوچ کے آگے اُجالا کے لئے دنیا ہی ختم ہو جاتی تھی ۔" ارے ایسا بھی کر دو دھ کیا بی بی ۔ میں تو دل لگی کر رہی تھی ۔"

مجھے ایسی دل لگی قطعاً پسند نہیں ، جس میں تم اپنے آپ کو گرا کر دیکھو۔"

"ارے بی بی دنیا نے اتنا نیچے گرا دیا ہے کہ اب اس سے اور نیچے جگہ ہی نہیں ہے ۔"

"دنیا نے گرایا ہے نا ۔"؟ مہتاب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی ۔ "برداشت کرو ۔ بس ہمیشہ یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ اپنی نظروں سے آپ نہ گرو۔"

باہر نکل کر دونوں نے ایک دوسری کو دیکھا ۔ مہتاب نے چہرہ اٹھا کر ، ناک اونچی کر کے زوردار کھلی کھلی سانس لی ۔

"اندر گھٹن محسوس ہوتی ہے نا اُجالا ۔" وہ خوشی خوشی بول رہی تھی ، لیکن

چہرہ اتنا خوش نظر نہیں آرہا تھا۔

"بی بی کہتے ہیں بھگوان بہت بڑا ہے۔"؟

مہتاب نے غور سے اُسے دیکھا۔ "حالات نے اس غریب اور دکھیاری کے دل سے اللہ پر سے یقین بھی اٹھا دیا ہے۔

کہتے ہیں۔

کہتے ہیں۔

مطلب لوگ کہتے ہیں۔ یہ خود نہیں کہتی۔ نہ یقین رکھتی ہے۔

ہم سب۔ ہم سب اُجالا۔ میں بھی۔ تم بھی اور نہ جانے اس بھری پڑی دنیا میں اور کتنے بھی، کتنے ہی لوگ اس دور سے ضرور گذرتے ہیں۔ جب اُن کا یقین اس عظیم ہستی کے وجود سے بھی متزلزل ہونے لگتا ہے۔

بٹ کم آن۔ لیٹس فیس دی لائف۔ دی وے اٹ کمس۔

BUT COME ON-LETS FACE THE LIFE
THE WAY IT COMES!!

دونوں نے پندرہ بیس دنوں میں بمبئی سے کافی شناسائی حاصل کرلی۔ مہتاب کے پاس اس حد تک" دولت ضرور تھی کہ وہ اپنے راستے تلاش کرنے کی جدوجہد جاری رکھ سکتی۔

ایک دن اس نے اجالا سے کہا۔

"آج میں کسی سروس کے لئے اپروچ کروں گی۔"

"کیا کروگی۔"؟ اجالا کو مہتاب کے منہ سے نئے نئے انگلش الفاظ سننے کا بہت شوق تھا۔ اس طرح وہ خود بھی کچھ سیکھنا چاہتی تھی۔

"اپروچ کروں گی۔ مطلب پہنچ جاؤں گی۔"

"تو بی بی تم آج اکیلی جاؤ۔ میں کیا کروں گی پڑھے لکھوں کے ہاں جا کر۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں اگر تو مجھ سے چھٹکارا پانا چاہتی ہے تو اور بات ہے۔" وہ زیر لب مسکرا رہی تھی۔

"ہائے میں جیتے جی اگنی میں بھسم ہو جاؤں جو بی بی تم سے چھٹکارا پانا چاہوں۔ میں تو بس....."

"ارے تو باہر بیٹھی رہنا۔ انٹرویو ہوتا ہی کتنے منٹ کا ہے۔"

"ٹھیک ہے بی بی۔ جو تم آگیا دو۔"

مہتاب ڈپٹ کر بولی۔ "آگیا نہیں۔ ! آگیا بڑے بڑے مہا پرش، سادھو سنت اور حکومت پسند، لوگ دیتے ہیں۔ میں اس اونچ نیچ، چھوٹائی بڑائی کے سخت خلاف ہوں۔ ہاں صرف عمر ایک ایسی چیز ہے کہ بڑا، چھوٹے کو حکم، یا آگیا دے سکتا ہے۔ اور کوئی نہیں۔"

مہتاب سخت سٹ پٹا رہی تھی کہ وہ کیوں یہاں آن مری۔

ایک بڑا سا آفس تھا۔ ایک طرف کئی کلرک نما انسان، موٹے موٹے رجسٹر کھولے پریشان چہرے جھکائے، اکثر چشمے چڑھائے جمع خرچ کے حساب جوڑتے بیٹھے تھے۔ دوسری طرف ٹائپ کی کھٹا کھٹ جاری تھی۔ ان سارے لوگوں میں مرد بھی تھے، عورتیں بھی۔ لڑکیاں بھی۔

اُسے اندر داخل ہوتا دیکھتے ہی ایک ہلچل سی مچ گئی۔

کلرکوں کے ڈیسکوں کی دو رویہ لائن تھی۔ بیچ میں گینگ وے جیسا بنا ہوا تھا۔ سامنے ہی ایک کیبن جیسا نظر آ رہا تھا۔ وہی باس کا کمرہ ہوگا۔ مہتاب نے اٹکل سے سوچا۔

اس کی شان شوکت، رکھ رکھاؤ دیکھ کر باہر باوردی گورکھے، نے پھر پہون،

نے، پھر اٹنڈینٹ نے، کسی کسی نے بھی اُسے روکنے کی ہمت تک نہ کی۔
اندر آ کے وہ کسی سے مخاطب نہیں تھی، لیکن ساروں سے ہی تھی۔

I WANT TO SEE MR MEHRA

"میں مسٹر مہرہ سے ملنا چاہتی ہوں۔"
اتنی خوبصورت، اتنی شائستہ، اتنی مہذب، اور اتنی ڈگنی فائیڈ لڑکی۔
اور پھر انگریزی بول رہی تھی۔ اکٹی لوگ اس کی خدمت گذاری کے لئے آگے بڑھے۔
"مسٹر مہرہ تو آج کل چھٹی پر ہیں۔ ہاں آپ مسٹر بیگ سے مل سکتی ہیں۔"
مہتاب کو دل ہی دل میں ہنسی آ رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا اپنی پیٹھ آپ ٹھونکے۔ اس نے محض دل سے ایک نام سوچ کر تیر چلا دیا تھا۔
مسٹر مہرہ۔ بمبئی میں جب سے وہ دنیائے بمبئی کے محل وقوع سے تعارف لیتی، یہاں وہاں جگہ جگہ بھٹکتی پھر رہی تھی۔ اسے کہیں نہ کہیں، ایک نہ ایک "مہرہ" ضرور مل جاتا تھا۔ یا آپس میں دو لوگ بات کرتے ہوئے ہوں تو ایک، دوسرے کو "یار مہرہ" کہہ کر ضرور مخاطب کرتا تھا۔ ناری سدھار گھر میں ہندی اور مرہٹی کے اخبار آتے تھے۔ مہتاب نے اپنے ذاتی پیسوں سے "ٹائمز آف انڈیا" جاری کروالیا تھا۔ ٹائمز آف انڈیا، اس کی زندگی کا ایک حصہ تھا۔ ٹائمز کی پیشانی پر دو چھوٹے چھوٹے ہاتھیوں والا مونوگرام۔ اور اس کے نیچے انتہائی باریک لکھائی میں "LET TRUTH PREVAIL" اُسے ہمیشہ سچا رہنے اور سچائی پھیلانے کی ترغیب دیتے رہتے۔
اور آج کل تو JUST TO KILL THE TIME وقت گذاری کے طور پر پورا ٹائمز چاٹ جاتی۔

CLASSIFIED ADVERTISEMENT

کے تحت دیئے جانے والے سارے اشتہارات گھول کر پی جاتی - نوکریوں کے اشتہارات - ACCOMMODATION کے اشتہارات - وہ بڑے رنگین رنگین خواب دیکھتی - میں نوکری کروں گی - معقول سی تنخواہ ملے گی - پھر کسی خوبصورت سے فلیٹ کو کرایے سے لے کر اس کا اچھا سا ڈیکوریشن اور سجاوٹ کروں گی - بس پھر اُجالا اور روشن کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی - پھر اطمینان سے عمران کاشف احمد تمہیں ڈھونڈنے کا جتن کروں گی - "ناری سدھار گھر" میں ٹائمز آف انڈیا اس کا سب سے بڑا رفیق اور ساتھی تھا - نہیں سب سے زیادہ محبت تو اُسے اُجالا سے ملی تھی - وہ دنیا کی بہت ساری خوبصورت چیزوں میں سے ایک بے پناہ پیاری اور خوبصورت شے تھی، لیکن مطالعہ بھی اپنی جگہ ایک بے پناہ حسن رکھنے والا ساتھی ہے - پھر روشن بھی تھی، لیکن روشن پر اُسے ترس آتا تھا اس لئے اُسے چھوڑ دینے کے خیال سے اس کا دل دکھ جاتا تھا - اتنی سی کم عمری میں اس نے بہت غلط غلط ہاتھوں میں اپنی معصومیت کھودی تھی اور سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا -

ایسی تو کتنی ہی لڑکیاں اور عورتیں تھیں، اسے جن سب پر بے پناہ ترس آتا تھا - خود اپنے آپ پر سب سے زیادہ ہی ترس آتا تھا - لیکن پھر بھی خدا کا شکر تھا کہ وہ اس حد تک بُرے حالات سے نہیں گذری تھی کہ اپنی نظر سے آپ ہی گر جاتی - ان سب عورتوں کو تو وقت گذاری اور دل بہلانے کے لئے کوئی مصروفیت یا ذریعہ بھی نہیں تھا - وہ پڑھی لکھی تھی، پڑھنے لکھنے میں خود کو مصروف رکھ کر اس کثیف ماحول سے کئی کئی گھنٹوں کے لئے چھٹکارا حاصل کر سکتی تھی اور کرتی تھی - وہ اپنے محدود پیسوں میں سے کچھ جوڑ توڑ کر کے انگلش

میگزین ضرور خرید لاتی تھی۔ اور یہ ٹائمز آف انڈیا!! اس میں جگہ جگہ "مہرہ" مل جاتے تھے۔

پرسوں ہی اس نے ایک لیڈی سیکرٹری کے جوب JOB کا AD پڑھا تھا۔ اور اس وقت یہاں میرین لائنز ایریا میں بڑی شائستگی اور پورے اعتماد کے ساتھ بات کر رہی تھی۔ حالانکہ یہ AD قطعاً کسی "مہرہ" کی طرف سے نہیں تھا۔

"تو مسٹر مہرہ اس وقت کہاں مل سکیں گے"۔ اس نے انگلش میں بات چیت جاری رکھی۔

"جی آپ سے بتایا نا۔ مسٹر مہرہ چھٹی پر ہیں۔ آپ مسٹر بیگ سے مل سکتی ہیں"۔

"اوہ شور SURE" وہ پر اعتماد قدموں سے آگے بڑھی۔ اٹنڈینٹ اُسے آتا دیکھ دُہرا ہو گیا۔ بڑی سرعت سے دروازہ کھول کر مودّب کھڑا ہو گیا۔

ٹھنڈے خنک کیبن میں داخل ہو کر اس نے ایک لمحہ انتظار کیا، پھر بڑی تمکنت سے اپنا دھوپ کا کالے شیشوں والا چشمہ اتار کے بائیں ہاتھ میں منتقل کیا۔

IF IM NOT WRONG......

یس میم۔ یو آر ہیر وِت بیگ

YOU ARE HERE WITH BEG

بیگ صاحب نے اس کا جملہ خود مکمل کیا۔ اور سحر زدہ سے ہو کر مسکرائے۔ دونو ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

پچاس پچپن کی عمر۔ بالوں میں چنبیلی پوری طرح کھل چکی تھی۔ کلین شیو۔ آنکھوں پر دبیز شیشوں والا نظر کا چشمہ۔ سانولی رنگت اعلیٰ قسم کا سوٹ۔ پورے کیبن میں قیمتی سینٹ اور سگریٹ کی ملی جلی خوشبو۔ اُن کو ایک نظر دیکھ کر احساس ہوتا تھا وقت، اعلیٰ زندگی کی ساری مراعات طشت میں لئے دست بستہ زندگی بھر اُن

کے سامنے جھکا رہا ہو گا۔

مہتاب اُن کی نگاہوں کی زد پہ تھی۔ سفید، ہرے نیلے پیلے اور سرخ چھوٹے چھوٹے پرنٹ والی سیاہ ساڑی۔ سیاہ بلاؤز۔ حد درجہ گھنے، سنہری بال۔ جانے کتنے لمبے ہوں گے۔ ابھی تو صرف سامنا، سامنے تھا۔ نیلی، نیلم کوٹ کر بھری ہوئی آنکھیں۔ رنگ اتنا گورا کہ ساری مثالیں بے مثال ہو کر رہ گئی تھیں۔ سفید سفید چاندی ایسے ہاتھوں میں سیاہ چشمہ۔ انگلیاں کافور اور اتنی نازک کہ انسان سوچے کہ ان سے پانی سے بھرا گلاس بھی اُٹھ پاتا ہو گا۔؟

بیگ صاحب خود ہی خفیف سے ہو گئے۔ اتنی دیر کسی لڑکی کو دیکھنا کچھ اچھے اثرات نہیں چھوڑتا۔ لڑکی پر بھی۔ اور خود اپنے دل پر بھی۔

WHAT CAN I DO FOR YOU MISS

مہتاب جنگ" اس نے شائستگی سے اُن کا سوال پورا کیا۔ وہ اب کی، اردو میں گویا ہوئی۔

"میں دراصل آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہونے کا شرف حاصل کر رہی ہوں......

بیگ صاحب کرسی پر ذرا آگے بڑھ آئے اور بے چین سے ہو کر بولے۔

آپ۔ آپ۔ میرا مطلب ہے.....

وہ مسکرائی۔"جی میں بالکل ہندوستانی ہوں۔

اور اپنے ہندوستانی ہونے پر انتہائی فخر مند بھی۔ کیا آپ محسوس نہیں فرماتے کہ اردو ایک بہت ہی شیریں، پاکیزہ اور لطافت بھری زبان ہے....؟

بیگ صاحب ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھتے ہوئے بولے۔

"ہم نے جو AD دیا تھا....

وہ بات کاٹ کر بولی ۔

9M A GRADUATE WITH ENGLISH LITERATURE

WITH FIRST CLASS FIRST !! "

پھر ذرا سا مسکرا کر بولی ۔ "بچپن سے ہی میری تعلیم کانونٹ سے ہوئی ۔ پھر کالج میں تو خیر سبھی کا انگلش میڈیم ہو جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بیگ صاحب نے بازو رکھے گلاس سے کور ہٹا کر غٹ غٹ پانی پیا اور ذرا سنبھل کر بولے ۔

"میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں ۔"؟

" آپ میرے لئے بہت کچھ ۔ بلکہ سب کچھ کر سکتے ہیں " وہ انتہائی سادگی سے بولی ۔

" آپ کے سرٹیفکٹس اور دوسرے ٹسٹی مونیل وغیرہ ۔ ۔ وہ اس کے خالی ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بولے ۔

"جی ۔ وہ ۔ وہ تو گم ہو گئے "

وہ بھولپن سے بولی ۔

"گم ہو گئے ۔"؟ ؟ وہ سوالیہ انداز میں اسی کے لہجے میں بولے ۔

وہ گھبرا کر بولی ۔ "جی اللہ گواہ ہے ۔ میں نے دانستہ نہیں کھوئے ۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں کیسے کھو گئے ۔"؟

" بس ۔ ایسے ہی کھوئے ہوں گے جیسے ہم اس وقت کھو گئے ہیں ۔ آپ میں ۔ آپ کی دل لوٹ لینے والی گفتگو میں ۔ آپ کی شائستہ اور دلفریب مسکراہٹ میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جی ۔ ؟ مہتاب کی آنکھیں پوری پوری پھیل گئیں ۔

پھر وہ اپنی شاندار کرسی چھوڑ کر اس کے قریب آئے۔ اسے بڑی نرمی سے سامنے پڑی کرسی پر بٹھایا اور بہت قریب منہ لا کر بولے۔

"آپ کو نوکری ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔

آپ تو دلوں پہ حکومت کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں"۔!

مہتاب نے ذرا دور ہٹنے کی کوشش کی۔ اسے اُن کے وجود سے سخت گھن محسوس ہو رہی تھی۔ ایسی کراہیت کہ ان کے منہ پر الٹی کرنے جی چاہ رہا تھا۔

اس نے اپنے اور ان کے چہرے کے درمیان اپنا نازک سا ہاتھ حائل کیا۔

"کیا اخباروں میں نوکریوں کے اشتہارات دے کر آپ لوگ لڑکیوں سے اسی قسم کا سلوک کرتے ہیں محترم۔"؟

انہوں نے اپنا سر اٹھا کر ذرا پیچھے کیا۔

"آپ شاید پہلی بار نوکری ڈھونڈنے گھر سے نکلی ہیں۔ آپ کو پتہ نہیں نوکری حاصل کرنے کے لئے آج کی دنیا میں لڑکیوں کو کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ کرپشن۔ یہ ایک بڑا ہمہ گیر لفظ ہے۔ اس کے زمرے میں کئی عنوانات آتے ہیں۔ پھر اور کئی ذیلی عنوانات۔ تو میں آپ سے یہ عرض کر رہا تھا اے خوبصورت گفتگو کرنے والی خوبصورت بلا۔ کہ لڑکی اگر خوبصورت ہو، اور ضرورت مند بھی۔ تو بڑی جلدی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اس کی۔ اور جب . . . .

وہ اس کی طرف دیکھتے دیکھتے اچانک ہانپنے لگے جیسے دورہ پڑنے والا ہو۔

وہ اتنی زور سے چیخی کہ باہر سے بہت سارے قدموں کی دھڑ دھڑاہٹ کے ساتھ بھڑ سے دروازہ کھلا اور بیک وقت کئی چہروں نے اندر جھانکا۔

وہ ان سبھوں کی طرف دیکھتی ہوئی پریشانی سے بولی۔

HE IS NOT FEELING WELL. HE MIGHT GET HEART ATTACK

سبھوں کی توجہ اُدھر ہوتے ہی وہ تیر کی تیزی سے باہر لپک گئی ۔
کوریڈر میں آکر اس نے اپنے حواس مجتمع کئے ۔ زور زور سے چند سانسیں لیں اور تیزی سے بھاگ آنے میں جو بال بکھر کر گئے تھے انہیں سنوار کے ساڑی کے بے ترتیب پلّو کو برابر کیا اور دور بیٹھی اجالا کے پاس جاکر دھپ سے گرسی گئی ۔

"کیا ہوا بی بی ۔" اُجالا نے پریشان ہوکر پوچھا ۔

نوکری نہیں ملی ۔"؟ اک دم اس کے اڑے ہوئے رنگ کو دیکھ کر وہ اس کے ہاتھوں کو ہاتھ میں بھر کر بولی ۔" وہی پرانی کہانی بی بی ۔"؟

مہتاب کچھ نہ بولی ۔ اک دم اس کی آنکھوں میں آنسو اُبل آئے ۔

"نا بی بی نا ۔" اُجالا اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھتی ہوئی بولی ۔

"یہ دنیا راکشسوں سے بھری ہوئی ہے ، لیکن تم پڑھی لکھی ہو بی بی ، اپنی رکھشا کرلو گی ۔"

"خاک رکھشا کرلوں گی ۔" وہ اُبل کر بولی ۔" کتنی پڑھی لکھی لڑکیاں اپنی عزّت بچا سکی ہیں ۔ کیا آج ہندوستان میں ایک بھی پڑھی لکھی لڑکی ایسی ملے گی جو محض اپنی تعلیم کی وجہ اپنی آبرو بچالے گئی ہو ۔"؟

اُجالا کو لگا کہ اس نے کافی احمقانہ بات کردی ہے ۔

"دیکھو بی بی ۔ اب اپنی عقل اور بدھی کو کام میں لاکر تم بچ کر نکل آئیں نا ۔"؟

دونوں اُٹھ کر چلنے لگیں تو اُجالا نے پوچھا ۔

"بی بی لیکن ہوا کیا تھا ۔"؟؟

مہتاب نے پوری بات ٹھہر ٹھہر کر ، دم لے لے کر سنا دی ۔

"بی بی ۔ اُجالا اسے ننھی بچّی سمجھ کر نصیحت کرنے لگی ۔

"بی بی جیون کتنا لمبا ہے اور کتنا دکھ واکھ ۔ یہ بھگوان ہی جانتا ہے ۔ پرنتو

تمہیں ایک بات سکھاتی ہوں، پریشانی کے سمے میں بھی میری بات یاد رکھنا۔ کبھی بھی ایسا اوسر آئے کہ کوئی راکشس تم پر بھلت کار کرنے کی نیت کرے تو کبھی بھاگم بھاگی مت مچانا۔ اسے کمرے بھر میں دوڑاتی مت پھرنا۔ اپنا بچاؤ کر کر کے اُسے اشتعال مت دلانا۔ ایسے سے مرد کی گندی بھاؤنائیں اور زور پکڑتی ہیں۔ وہ جو جو بھی تیاری کرے کرنے دینا۔ جب گندی نیت سے بالکل تم پر وار کرنے کو آہی جائے تو اپنی لات سے کس کے اس کی دونو ٹانگوں کے بیچ ایسی مار دینا کہ وہ دُہرا ہو جائے۔ تم سمجھ رہی ہو نا بی بی میں کیا کہہ رہی ہوں۔ پُرش کے نازک انگ پر مار لگنے سے وقتی طور پر وہ بے سدھ ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی گر بھی جاتا ہے، تب اُسے اٹھنے میں اتنی دیر ضرور لگ جاتی ہے کہ وہ چٹخنی کھول کر بھاگتی ہوئی لڑکی کا پیچھا بھی نہیں کر سکتا۔"...

مہتاب اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

"ہاں بی بی اتنی دیر میں چٹخنی کھولنے کی مہلت ضرور مل جاتی ہے۔" پھر وہ عجیب دکھ بھرے احساس کے ساتھ چپ رہ گئی۔

"اتنی ساری باتیں تمہیں کس نے سکھا دیں اُجالا؟"

مہتاب نے بڑے کرب سے پوچھا۔

"میں ان سارے کٹھن یگوں سے خود گزر چکی ہوں۔" پھر وہ کافی دیر چپ رہ کر بولی۔

"میری ماں نے مجھے سکھایا تھا یہ سب۔ بھگوان کے نام پہ جب مجھے چڑھایا گیا۔ یعنی جب بھگوان سے میری شادی کروائی گئی تھی تو ماں نے مجھے سکھایا تھا کہ "تو اب بھگوان کی ہو گئی۔ کسی پُرش نے تیرے انگ کو شریر کو چھونا بھی نہیں چاہیئے ورنہ پاپ لگے گا" اور اپنی رکھشا کے لئے یہ گُر اسی نے مجھے بتایا تھا۔"

وہ ایک دم پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی۔

"بی بی۔ مجھے پاگل مت سمجھو۔ ماں نے مجھے یہ ساری باتیں سکھائی تھیں پاک رہنے کے لئے۔ میں پوچھتی ہوں جب میری ماں خود دیو داسی تھی اور بھگوان سے بیاہی تھی تو میں کہاں سے پیدا ہو گئی۔؟ اور جو آج بھی بھارت ورش میں ہزاروں دیو داسیاں ہیں تو کیا وہ آپی آپ پرش کے بنا پیدا ہو جاتی ہیں"؟

اُجالا کے پاس کوئی جواب تو تھا ہی نہیں،

مہتاب بھی لاجواب تھی۔

اے کاتبِ تقدیر۔

نوکری کی تلاش میں ایک بار مہتاب اکیلی چرچ گیٹ چلی گئی۔ اسٹیشن کے باہر جاتے ہوئے اچانک ٹی۔ سی۔ نے اُسے گھیر لیا۔

"اسٹاف"۔ اس نے بیحد بولڈ بن کر کہا تو وہ بھی "سوری" کہہ کر شرمندہ ہو گیا۔

اُجالا کہاں کہاں اس کی مددگار ثابت ہوتی تھی!

اُجالا نے ہی اسے بتایا تھا کہ "بی بی اگر پاس میں اتفاقاً ٹکٹ نہ ہو یا پاس بھول جاؤ اور گیٹ پر ٹکٹ چیکر ٹکٹ کا پوچھے تو دھیرے سے "اشٹوف" کہہ دینا اور..... .

"کیا۔ کیا۔ کیا۔" مہتاب پریشان ہو کر بولی تھی۔ کیا کہہ دینا۔"؟

"اشٹوف۔" اُجالا نے اُسی اطمینان سے سمجھایا۔

"اچھا۔ اچھا۔ اچھا۔" مہتاب کی عقل میں بڑی دیر میں بات آئی۔

"اسٹاف۔ STAFF۔ یعنی.....

"ہاں۔ اُجالا متانت سے بولی۔" ریلوئی کے کرمچاری۔ تم کو معلوم

نہیں ہوگا بی بی جو بھی ریلوئے کے کرمچاری ہوتے ہیں نا اُن کو ٹکٹ وکٹ کی آوشکتا نہیں پڑتی۔ پاس ملتی ہے ریلوئی کی طرف سے۔ کبھی جیب میں نہیں ہو، غلطی سے گھر پہ بھول گئے ہوں تو بھی خالی اسٹوف بول دینے سے وہ جانچ پڑتال کرنے والے اچھے سے جانے دیتے ہیں "۔

چرچ گیٹ اسٹیشن کی کشادہ دو تین سیڑھیوں پر رُک کر اس نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں۔ چوڑی چوڑی شاہراہیں۔ تیز تیز جاتی ہوئی بے حساب گاڑیاں۔ چھوٹی بڑی۔ لمبی۔ انڈین، فارین۔ کئی غیر ملکی بھی نظر آرہے تھے۔

اس نے ہلکے پیلے رنگ کی ساڑی پہن رکھی تھی۔ کافی لوگ آتے جاتے اُسے دیکھ رہے تھے۔ وہ اب نگاہوں کی عادی ہو چکی تھی۔ طرح طرح کی نگاہیں۔ حریص نگاہیں۔ بھوکی نگاہیں۔ [illegible] والی نگاہیں۔ گرسنہ نگاہیں۔ کپڑے پھاڑ کر جسم کو ننگا دیکھنے والی نگاہیں۔ حیرت زدہ نگاہیں۔ اور ستائش بھری نگاہیں۔

وہ سڑک پر چلتی تو لوگ واقعتاً رُک جاتے تھے۔ ٹھٹھک کر اس کے گذر جانے کا انتظار کرتے پھر آگے بڑھتے۔ دو تین لوگ ساتھ ہوتے تو ٹھوکے مار مار کے ایک دوسرے کو بتاتے۔

وہ کن اکھیوں سے یہ سب دیکھتی۔ دیکھتے ہیں تو اس کا کچھ بگاڑتے تو نہیں۔ وہ بمبئی کی ہڑ بونگ بھری زندگی کی اور ایسی نگاہوں کی عادی ہو رہی تھی۔

چلتے چلتے ایک آدمی نے اس کو جان بوجھ کو دھکّا دیا۔

وہ پلٹی تو دھیرے سے پوچھا۔

"ہرے رما ہرے کرشنا کلٹ CULT ۔" ؟

اور جلدی سے اس کے اک دم قریب آگیا۔

مہتاب نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ "اوہ۔ نو"

وہ تیز تیز قدم بڑھانے لگی۔

وہ بھی تیز تیز چلنے لگا۔

"WANT TO JOIN US?"

"آف کورس ناٹ OF COURSE NOT"

وہ غصّہ سے بولی اور تین چار عورتیں جو اُس سے ذرا آگے باتیں کرتی ہنستی جا رہی تھیں، ان کے گروہ میں مل گئی۔

اس دن وہ بہت ڈر گئی، پھر واپس سیدھی "ناری سدھار گھر" چلی آئی۔

اُجالا نے اس سے تفصیل پوچھی تو اس نے سُنا دی۔

"بی بی یہ بمبئی شریفوں کے لئے بڑی بُری بستی ہے۔ غیر لوگوں سے بات وات مت کیا کرو۔"

"لیکن اُجالا۔ میں تو اپنے راستے جا رہی تھی۔ وہ خود ہی مجھ سے آ ٹکرایا۔"

"ایسے لوگوں کی بات کا جواب بھی نہیں دینا چاہیئے بی بی۔ بات کریں بھی تو بس گھور کے آگے بڑھ جانا چاہیئے۔"

"ٹھیک ہے اجالا ۔ میں آئندہ تمہارے مشورے پر عمل کروں گی۔"

نریمان پوائنٹ کے لمبے چوڑے شاندار "نرمل انٹرپرائزز" میں قدم رکھتے ہوئے مہتاب قطعاً پُر امید نہیں تھی کہ یہاں بھی کام بنے گا۔ جب اب تک نہیں بنا تو اب کیا بنے گا۔ لیکن کوشش کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔؟

کم سے کم اس طرح وہ تجربات سے تو آشنا ہو رہی تھی ۔

بڑا خوبصورت آفس تھا ۔ داخل ہوتے ہی دو طرفہ سلیک ٹیبلز لگے ہوئے تھے، جن پر کافی معتبر لوگ بیٹھے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے ۔ ہر ٹیبل پر فون بھی تھا ۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس آفس میں ہر کام بہت ہی سسٹم سے ہوتا ہے ۔ نہ کسی قسم کا شور شرابہ تھا نہ ہڑبونگ ۔ ایسا لگ رہا تھا اگزامنیشن ہال ہے اور سب پوری توجہ سے اپنے اپنے پیپرز حل کر رہے ہیں ۔

روشن کی عمر بھی روشنیوں اور نئے نئے شوقوں کی عمر تھی اور اس کی عادتیں بھی عمر کے حساب سے کم عمر تھیں ۔ امہتاب نے اسے کئی چیزیں دلائی تھیں ۔ سب ضرورت کی ۔ روشن نے اپنے شوق سے جبر کر کے میک اپ کا پورا سامان خریدا تھا ۔ بہن جیوں سے گالیاں کھاتی رہتی لیکن پورے ناری سدھار گھر میں میک اپ چیپڑ کے گانے گاتی گھومتی رہتی ۔ اجالا کو بھی پکڑ باندھ کے بقول اجالا کے "بندریا" بنا دیتی ۔ کم عمر کی ساری لڑکیاں اس کے آگے پیچھے پھرتی رہتیں کہ

"اے میں بھی لالی لگائے گی نا"

"اے ردسن میرے کو تھوڑا پوڈر دینا"

"اے تیرے حصے کا بھاڑو میں لگا دے گی ۔ میرے کو جرا سا گال کا لالی دینا"

یہیں تک بس ہوتا تو کچھ نہ تھا، وہ مہتاب کی بھی میک اپ دومین، بن گئی تھی ۔ جہاں مہتاب کہیں جانے کے لئے اُٹھی اور وہ اپنا الم غلم لے کر آ گئی ۔

"آپا خسم سے بس ذرا سا میک کروں گی ۔ دیکھنا اِتّے اچھے لگیں گے تم ۔"....

"تمے۔ نہیں۔ آپ کہو۔ اور جسے بھی تم کہتا ہے اُسے تم کہو۔ تُمے نہیں سمجھیں" وہ ان کی اصلاح کرنے سے کبھی نہیں چوکتی تھی۔

"اچھا بابا آپ۔ بس۔ میں میں آپ بولیں گے مجھے منہ سے نہیں جانے دیوں گی۔"

مہتاب ہار سی جاتی۔

اُجالا بے حد جبنجھلا سے بولتی۔ "اری روشن بی بی کسی بھی پابندی کی ضرورت ہے کیا۔ دیکھ بھگوان نے اپنے ہاتھوں بیٹھ کر بڑی لگن سے انہیں بنایا ہے۔"

آج بھی وہ ہلکے ہلکے میک اپ میں تھی۔ اُجالا اور روشن نے ضد کر کر کے اسے ہائی ہیلز دلوا دی تھیں۔ اونچی ایڑھی کے سینڈل اُسے کبھی سے پسند نہ تھے اور پھر اس کا قد بھی اتنا تناسب تھا کہ کسی جھوٹے سہارے کے ذریعے اسے بلند ہونے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ لیکن وہ ان دونو کا دل کسی بات پہ توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

"ارے بابا۔ وہ تھک ہار کر کہتی" یہ ہیلز پہننے سے ٹک ٹک آواز ہوتی ہے نا اس کی وجہ سے خواہ مخواہ لوگ متوجہ ہو جاتے ہیں۔"

"تو ہوتے رہیں۔ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے"۔ اُجالا غصہ سے بولی۔ "ویسے بھی تو لوگ دیکھتے گھورتے ہی رہتے ہیں۔"

آج بھی جب وہ "نرمل انٹرپرائزز" کے بڑے سے ہال میں داخل ہوئی تو یوں تو سب بجید اپنے اپنے کام میں مصروف تھے، لیکن جونہی اس کی سینڈلوں نے ٹک ٹک کرنا شروع کیا، پہلے ایک، پھر دو پھر تین۔ پھر چار۔ اور پھر تو پورے کا پورا ہال ہی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

سیاہ اور سفید دھاریوں والی ساڑی۔ اسی ڈیزائن کا بلاؤز۔ سفید سینڈلز، سفید پرس، آنکھوں پر کالے شیشوں کا چشمہ۔ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ گئے۔

آہ ۔

واؤ - wow

اوہ ۔

ہلکی ہلکی مہذب سیٹیاں ۔

وہ ان سب کو نظر انداز کرتی ہوئی عین کیبن سے لگے ہوئے ٹیبل تک پہنچی اور بہت ہی SOPHISTICATED مہذب لہجے میں بولی ۔

"I WANT TO SEE MR NIRMAL"

"جی - جی - یس" کرتا ہوا آفیسر ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا ۔

"جی۔ کیا آپ اُن سے کوئی اپوائنٹ منٹ ہے"؟ وہ تقریباً دُہرا ہو کر بولا۔

"جی۔ میرے خیال سے AD کے بعد کسی بھی قسم کے اپوائنٹ منٹ کی کوئی توجیہہ باقی نہیں رہ جاتی"۔

وہ گڑبڑا گیا۔

"بہتر۔ آیئے ۔ پلیز۔"

وہ اُسے اندر پہنچا کر اُلٹے پیروں واپس باہر چلا گیا۔

وہ سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو بڑی دلچسپی سے دیکھتی رہی۔ اس نے سر اُٹھا کر دیکھنے تک کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ کسی فائل پر جھکا ہوا تھا۔ سیدھے ہاتھ میں بال پن تھی۔ اسی ہاتھ سے اس نے بازو پڑی کرسی کی طرف اشارہ کر دیا۔ مطلب ۔ "بیٹھ جائیں"۔

لیکن وہ بیٹھی نہیں ۔

کافی دیر بعد اس نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا اور ہڑبڑا کر اپنی سیٹ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"آئی ام سوری" اس کے آگے وہ کچھ کہہ ہی نہ سکا۔

تیس اکتیس سال کا یہ سوٹڈ بوٹڈ شخص صورت سے انتہائی مہذّب نظر آ رہا تھا۔

"شاید یہاں مجھے کام مل جائے" اُس نے اپنے آپ میں سوچا۔

مہتاب اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ مہتاب کو۔

"آپ کا AD پڑھ کر میں..."

"پلیز بی سیٹڈ" وہ شائستہ انداز میں بولا۔ پھر ذرا پریشان ہو کر کہنے لگا۔

"جی میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس JOB کے لئے موزوں ہیں کیوں کی....

"جی۔"؟ مہتاب حیرت اور کچھ اداسی سے بولی۔"میں موزوں کیوں نہیں ہو سکتی۔ میں نے انگلش لٹریچر سے بی۔ اے آنرز کیا ہے اور میں....

بات یہ نہیں ہے۔ وہ پریشانی سے بولا۔

"پھر بات کیا ہے۔ میں جان سکتی ہوں۔"؟ وہ سراپا استفسار تھی۔" یہ ضرور ہے کہ ابھی میرے سرٹیفکیٹس وغیرہ میرے ساتھ نہیں ہیں، لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ...

اس نے ہاتھ اٹھا کر اس کو روکا۔

"آپ مجھے بہت معزّز خاندان کی بھلی لڑکی نظر آ رہی ہیں اور ہمارے ہاں کام کی جو نوعیت ہے میں نہیں سمجھتا کہ آپ کے والدین.....

"جی میرے والدین فوت ہو چکے ہیں" وہ دُکھ کے ساتھ بولی۔

دونوطرف سے بڑی رواں انگلش میں گفتگو ہو رہی تھی۔ اور نرمل کمار اس کی گفتگو کے انداز سے خاصا متاثر اور مرعوب نظر آرہا تھا۔

"دیکھئے مِس۔۔۔۔"

"مہتاب جنگ" اس نے فوراً اپنا نام بتایا۔ بٹ مسز مہتاب جنگ۔ آئی ام میریڈ۔۔۔۔۔۔

"اوہ۔ مس جنگ۔ میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ ہماری فرم MOSTLY فارن پارٹیز سے DEAL کرتی ہے۔ اس کے لئے ہمارا بہت بڑا اسٹاف ہے۔ ہماری لڑکیاں انہیں فائیو اسٹار ہوٹلز میں انٹرٹین کرتی ہیں۔۔۔۔۔۔

وہ اُسے مس ہی کہے جا رہا تھا!

مہتاب لرز سی گئی۔

آپ جانتی ہیں انٹرٹین ENTER TAIN کرنے کے معنی کیا ہوتے ہیں۔"؟

مہتاب اس کا منہ تکنے لگی۔ وہ کچھ کچھ سمجھتی تھی "جی نہیں"

"پھر تو آپ بہت بھولی ہیں اور MIS FIT بھی"

اچانک اس نے نڈر بننے کی کوشش کی۔

"نرمل کمار صاحب۔ کیا آپ انٹرویو کے لئے آنے والی لڑکیوں کو یوں پہلی ہی ملاقات میں آگاہ کر دیا کرتے ہیں کہ ان کے کام کی نوعیت کیا ہوگی"۔؟

وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"جی ہاں۔ اور آپ غالباً نئی نئی نوکری کرنے نکلی ہیں، ورنہ یہ سوال نہ کرتیں۔ ہائی سوسائٹی میں یہ چیز IN ہے۔ لڑکیاں ایسے JOB کے لئے دم دیتی ہیں۔ ٹپ بہت ملتی ہے نا۔!؟

فورٹ میں، ایک بیحد POSH، شاندار اور سجے سجائے، ایئر کنڈیشنڈ آفس کا دروازہ کھلا اور ایک انتہائی خوبصورت اور گریس فل لڑکی نے اندر جھانکا۔

"میں اندر آنے کی جرأت کر سکتی ہوں۔"؟

عمران نے رجسٹر سامنے سے ہٹا کر حیرت سے دیکھا، جیسے زمرّد کا ٹکڑا سامنے لہلہا رہا تھا۔

"آ۔ آ۔ آئیے۔ آف کورس کم اِن۔" وہ مارے بوکھلاہٹ کے ہکلانے لگا۔

پتہ نہیں ایئر کنڈیشنر میں اتنی ٹھنڈک بڑھ گئی تھی یا اس کے وجود اور قدموں کے ساتھ آنے والی خوشگوار فضا تھی کہ سارا ماحول خنک ہو گیا۔

اس نے ٹھٹھک کر سامنے شاندار ٹیبل پہ رکھی تختی کو پڑھا۔

آئی۔ کے احمد۔"

"میں اگر غلطی نہیں کر رہی ہوں تو یقیناً میں جناب آئی۔ کے، احمد صاحب سے مخاطب ہوں۔"

"جی۔ جی۔" وہ اپنی دس ہزار کی کرسی پہ بیٹھے بیٹھے ڈول سا گیا۔ نروس نس سے اس کے ہاتھ ہینڈل سے چھوٹے جا رہے تھے۔ "جی۔ بڑی خوشی سے۔"

لڑکی ذرا سی متعجب ہوئی۔ پھر اس کے مہذّب اور سنجیدہ چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ (یہ کمرے میں اچانک روشنی کیسے چمک اٹھی ہے!! عمران نے سوچا۔)

"جی۔ بڑی خوشی سے۔؟؟ اس نے آئی، کے احمد کی بات اسی انداز سے دُہرائی۔" لیکن بڑی خوشی سے کیا۔؟؟ میں نے تو آپ سے ابھی کوئی

مطالبہ کیا ہی نہیں۔"

وہ بدحواسی سے ہنسا۔"جی۔جی۔وہ ایسے ہی بس۔" اچانک وہ بیٹھے بیٹھے چیخا۔" ارے آپ کھڑی ہیں اور میں بیٹھا ہوں۔ یعنی کہ میری نالائقی کی حد ہو گئی۔"

"جی نہیں۔وہ زیرِ لب مسکرا کر بولی۔

"نالائقی شروع ہوئی ہے۔ ابھی حد نہیں لگی۔"

وہ ذرا سا سنبھلا۔

"آپ پلیز تشریف رکھیں۔ پلیز پلیز بی سیٹیڈ۔"

وہ ساڑی کا پلّو احتیاط سے سنبھال کر کرسی پر ٹک سی گئی۔

"جی آپ اچھی طرح تشریف رکھیئے نا۔ وہ سٹ پٹا کر بولا۔" اگر آپ گر دِر گئیں نا تو مجھے بے حد قلق ہو گا۔"

"جی۔میں آپ کو قلق کا موقع نہیں دوں گی۔"

وہ مسکرا کر بولی۔

بعض ہونٹ مسکراتے ہیں تو کائنات بھر میں اُجالا پھیل جاتا ہے۔ عمران نے اسے بے حد دلچسپی سے دیکھا۔

"آپ کا خوبصورت نام۔"؟

"مہتاب جنگ۔"!

"مِس مہتاب جنگ۔"؟ عمران نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"جی۔آپ کو کوئی اعتراض۔"

اوہ نو۔ اوہ یس ۔ ۔ ۔ ۔ اوہ نو۔ نو۔ نو وہ مسلسل حماقتیں کئے جا رہا تھا۔

"پہلے آپ یہ فیصلہ کر لیں کہ آپ کو میرے مس ہونے پر اعتراض ہے یا

نہیں - نو یا یس - اس طرح نو - یس، نو - یس سے بات آگے نہیں بڑھے گی۔"

"آئی ام سوری" وہ شرما کر بولا -

"کس بات کی سوری - ؟ میرے خیال سے تو اس میں سوری والی کوئی بات ہی نہیں تھی - بہرحال - میں آپ کے آفس میں کام سے آئی ہوں - صرف باتیں کرنے نہیں۔"

"شور - شور - SURE - SURE" وہ گڑ بڑا کر بولا -

"میرے لائق کوئی خدمت - "؟

"آپ ہمارے ادارے سے امریکہ کو EXPORT کرنے کے لئے جو ہینڈی کرافٹس خریدتے ہیں نا . . . .

اس نے بات کاٹ دی - "ہمارے ادارے MEANS ؟ - یعنی - ؟"

مہتاب نے بات پوری کی - "جی ہاں ہمارا ادارہ - ناری سدھار گھر۔"

عمران پریشان سا ہو گیا -

"ناری سدھار گھر - ؟ جی ہاں یاد آیا - لیکن وہاں سے تو میرے خیال سے کوئی ڈی - جی کپور یا سی - وی کپور، ایسا ہی کچھ نام ہے، وہ آیا کرتے تھے - یا کوئی اور بھی نام ہیں - یاد نہیں آرہے ہیں - آپ - آپ . . .

"جی میں" وہ ہلکے سے مسکرائی "تو آپ ابھی ابھی وہاں آئی ہیں غالباً۔"

"جی نہیں ویسے کافی دن ہو گئے ہیں۔"

"تو پھر اتنے دن سے کیوں نہیں آئیں۔" ؟ اچانک اپنی بات سے وہ خود ہی شرمندہ ہو گیا - لڑکی مسکرا رہی تھی - یقیناً اس نے بیوقوفی کی بات کر دی ہے -

"میرا مطلب ہے"، بات سنبھال کر وہ بولا -

"کہ آپ کے ادارے کو مال ہمیں سپلائی کئے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں۔"

"بی پ پابندی سے ہر ماہ مال آپ تک پہنچ جایا کرے گا۔"

"مجھے بے حد خوشی ہو گی۔ وہ سراپا انکسار بنا جا رہا تھا۔

"ویسے اگر آپ ہمیں کچھ CONCESSION دے سکیں تو بہت کرم ہو گا۔ وہ نرمی اور تپاک کے ساتھ بولی۔

"جی ۔ ؟ CONCESSION ۔ میرا خیال ہے آپ INCENTIVE کہنا چاہ رہی ہوں گی۔"

وہ ذرا ہڑبڑا سی گئی ۔"میرا مطلب یہ تھا کہ آپ جتنی قیمت میں ہم سے یہ مال لیتے ہیں، اگر اس سے ذرا زیادہ پر لینے لگیں تو ہمیں کافی فائدہ ہونے لگے گا۔"

وہ ذرا RELAXED ہو کر، کرسی سے ٹیک لگا کر اسے خوش ہو کر دیکھنے لگا۔

"آپ چاہتی ہیں میں اس کرسی کو چھوڑ کر، فٹ پاتھ پر چنے سینگ بیچنے بیٹھ جاؤں ۔" ؟

وہ اک دم، غیر ارادی طور پر زور سے ہنس پڑی ۔

"یہ آپ سے کس نے کہہ دیا ۔ ؟ کیا اک ذرا سے دام بڑھا دینے سے آپ اک دم سے اتنے غریب ہو جائیں گے ۔" ؟

"غریب تو ہم ویسے اس وقت سے ہی ہونا شروع ہو گئے ہیں" وہ بیچارگی سے بولا ۔

"وہ کیسے ۔" ؟ وہ سچ مچ پریشان ہو گئی ۔

. "دیکھئے نا اگر آپ کے جسم کے سارے اعضا صحیح سلامت ہیں، اور آپ ہی کے پاس ہیں تو آپ صحت مند بھی ہیں اور امیر بھی ۔ اگر ان میں سے مثال کے طور پر دل ۔ جی ہاں اک دل بھی اگر کم ہو جائے تو انسان غریب ہو گیا نا ۔ وہ کرسی پر اچک کر ذرا سا آگے بڑھا۔" آپ میرا مطلب سمجھ رہی ہیں نا ۔ اس وقت دل میرا، اکسپورٹ ہو چکا۔"

مہتاب مسکرا کر اس کی بات سنتی رہی ۔ "اب میں کچھ عرض کروں ۔"؟

"جی ارشاد ۔ میں ہمہ تن، کان بنا ہوا ہوں"۔

"دیکھئے ۔ وہ انگلی اٹھا کر بولی"۔ "میں زیادہ ہنستی مسکراتی لڑکی نہیں ہوں، لیکن آپ مسلسل مجھے مجبور کئے جا رہے ہیں کہ میں مسکراتی رہوں ۔ آپ میری بات سن لیجئے ۔ اس بار ہم نے بہت خوبصورت WALL HANGINGS بنائی ہیں ۔ امریکن ایسی چیزیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں ۔ لیکن یہ والی HANGINGS دیکھ کر تو وہ پاگل ہو اٹھیں گے"۔

"میں آپ کا سارا "ناری سدھار گھر" ہی خرید لیتا ہوں نا جی ۔ ....." وہ جوش میں آ کر بولا ۔

"جی ۔" وہ حیرت سے بولی ۔ یہ کیسے ممکن ہے ۔"؟

وہ سنبھلا ۔ "جی میرا مطلب یہ تھا کہ جس حد تک ممکن ہو ۔ میں خرید لوں گا ۔"

اک دم وہ انٹر کام میں منہ ڈال کر بولا ۔

"ٹرے ۔"

اور مڑ کر مہتاب سے بولا ۔ "حد ہو گئی میری نالائقی کی ۔ کہ ایک لڑکی بیٹھی ہے اور چائے تک آفر نہیں کی ......

وہ حجاب آمیز انداز میں مسکرائی ۔ "جی اس تکلیف کی ضرورت بھی نہیں ۔ میں ایسے مطالبات زندگی سے کرتی ہی نہیں، جو پورے نہ ہو سکیں ....

عمران اُسے سنجیدگی اور غور سے دیکھتے ہوئے بولا ۔

"آپ ۔ آپ "ناری سدھار گھر" کی نئی انچارج یا ڈائرکٹر ہیں ۔"؟

"جی ۔ وہ سر جھکا کر بولی ۔" میں ان دونوں میں سے نہیں ۔ "پھر ٹرے دیکھ کر بولی ۔" آپ کے لئے چائے بنا دوں ۔"؟

"تو پھر۔"؟ وہ سخت حیرت زدہ تھا۔

وہ دھیرے دھیرے ایک ایک لفظ صاف صاف بولی۔ ساتھ ساتھ بڑی نفاست سے وہ چائے بھی بنا رہی تھی" میں حالات کی ماری اُن سینکڑوں لڑکیوں میں سے ایک ہوں، جو اپنا گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، یا کر دی جاتی ہیں۔ میں وہاں کسی عہدے دار کی حیثیت سے نہیں ہوں بلکہ وہاں ایک پناہ گزین کی حیثیت سے ہوں"۔

عمران سخت حیرت اور تاسف سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اٹکتے اٹکتے بولا۔

"مس جنگ اگر آپ بُرا نہ مانیں کہ پہلی ہی ملاقات میں، میں آپ سے اتنی پرسنل اور نجی باتیں کرنے لگا ہوں۔ تو کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ جیسی مہذب، خوبصورت — تعلیم . . .

"یس۔ آئی ام اے گریجویٹ۔ "انگلش لٹریچر اینڈ اکنامکس"!۔ وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

BUT LOOK MR AHMAD ALL THAT MATTERS – IS MONEY!!

اس دنیا میں جو بھی ہے۔ زر ہے۔ سمجھ گئے آپ۔ اینڈ پلیز۔ آئی وانٹ ٹو LEAVE ناؤ۔"

اور وہ جس خوشگوار خنکی کے ساتھ آئی تھی۔ وہ خوشگوار خنکی ساتھ ہی لیتی گئی۔

"آئی۔ کے۔ احمد۔ مسٹر عمران کاشف احمد WHERE ARE YOU؟"

تم کہاں ہو۔"؟

اس نے بڑبڑا کے اپنے آپ سے پوچھا!

وہ کرسی پر یوں ہی گُنگ سا بیٹھا تھا کہ اچانک دروازہ بے آواز نرمی سے پھر کھلا اور مراد اندر داخل ہوا۔

"کیا ہوا عمو۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔ طبیعت کچھ خراب ہے کیا۔"؟

"عمران سنبھل گیا" نہیں یار ایسی تو کوئی بات نہیں بس ایسے ہی۔

"بس ایسے ہی۔ کیا۔ صورت سے خاصے ڈسٹربڈ معلوم ہو رہے ہو" پھر اچانک وہ دروازے کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"ابھی جب میں جلدی میں اوپر آ رہا تھا تو ایک بہت ہی خوبصورت اور گریس فل سی لڑکی، ہرے کپڑوں میں نکلتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ یہیں تیرے پاس ہی آئی تھی نا غالباً"

"غالباً نہیں یقیناً" وہ کچھ شگفتہ سا ہو کر بولا۔

"اچھا" مراد ایک چیئر پر اطمینان سے پھیلتا ہوا بولا۔ "تو یہ بات تھی"

"کیا بات" ؟ عمران گڑبڑا کر بولا۔

مراد ذرا غصہ سے بولا۔ "بزرگوں نے جو کہا ہے وہ سچ ہی کہا ہے ابھی کہ بیوی کی موت، کہنی کی چوٹ ہوتی ہے۔ لگتی بڑے زوروں سے ہے لیکن بڑی جلدی وہ تکلیف رفع بھی ہو جاتی ہے"

"لیکن یار میں نے کیا کیا ہے" ؟ عمران سراسیمہ ہو کر بولا۔

"ابھی۔ وہ سنجیدگی سے بولا" میں خود مرد ہوں لیکن سوچتا ہوں کہ مرد آخر کس حد تک بے حس اور جانور ہو سکتا ہے۔ تم سوچو دو مہینے بھی پورے نہیں ہوئے۔ تم اور تمہارے ساتھ میں بھی، ایک ایسے سانحے سے گذرے ہیں کہ جس کی مثال قصے کہانیوں اور فلموں میں ملے تو ملے ہماری اپنی زندگی میں ملنا تقریباً ناممکن ہے۔ ایک معصوم سی لڑکی تمہاری زندگی میں چند ساعتوں کے لئے آئی۔ تمہاری بے حسی سے چلی بھی گئی۔ ہم نے اس حادثے کا اپنے اپنے طور پر ماتم بھی کیا۔ لیکن ماتم کر کے بھی کچھ حاصل نہ کر سکے، ظاہر ہے جس کا چہرہ تک نہ دیکھا ہو، بات تک نہ کی ہو، اس کو ڈھونڈا بھی کیسے جا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی میرے خیال سے بے حسی کی ایک حد ہونی چاہیئے"

عمران جز بز سا ہو کر بولا۔ "لیکن تو ہی بتا نا یار مراد میں آخر کر بھی کیا سکتا ہوں۔؟

میں اپنے اس گناہ پر جلتا بھی شرمسار ہو سکتا تھا اللہ کی بارگاہ میں ہوا بھی۔ پچھتاوے وں نے، تو یقین بھی نہیں کرے گا، مجھے راتوں کو رُلایا بھی، لیکن پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ ہم سب اپنے اپنے مقدّر کا لکھا پورا کرنے پر مجبور ہیں۔ تو خود کو میری جگہ رکھ کر سوچ، اگر یہی حادثہ تیرے ساتھ گذرتا تو تو کیا کرتا۔"؟

"میں کچھ بھی کرتا۔ مراد ایک ایک لفظ پر زور دے دے کر بولا۔ "لیکن تیری طرح اتنی جلد کسی لڑکی سے عشق لڑانے تو نہ بیٹھ جاتا۔ آخر ضمیر اور کانشس بھی کوئی چیز ہے یار"۔

"تو میری بات سمجھنے کی کوشش کر۔ ذرا میری مجبوری کو سمجھ۔ میں ایک طرح سے معصوم ہوں اگر یہ سب ...

مراد اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "ہر ظالم اپنے آپ کو معصوم ہی سمجھتا ہے۔

"BUT IT IS NOT FAIR AMMU"

عمران بے بسی سے بولا۔ "یار تو پوری بات سمجھنے کی کوشش کر۔ میں اس ساری بکھیڑ میں کہاں، وِلن بن کر ابھرتا ہوں۔ ممکن ہے جیسا کہ ہم نے سوچا ہے وہ کوئی مصیبت زدہ اور مجبور لڑکی ہو، جسے واقعی میری اس حرکت سے، یعنی یوں چھوڑ کر بھاگ جانے سے بہت تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہو۔ لیکن ہر تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں، یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ کوئی گینگ ہو جو اس طرح امیر لڑکوں کو زبردستی پکڑ کر ان SO CALLED دلہنوں کے ذریعے پھانس کر گھروں میں ڈکیتی کرواتے ہوں۔ قتل کرواتے ہوں۔ یار پیسے کے لئے آج کی دنیا میں کیا کیا نہیں ہوتا"؟

مراد خاموش بیٹھا سن رہا تھا۔ واقعی اس نے اس پہلو سے تو سوچا ہی نہ تھا۔

عمران پھر کہے گیا۔ "میں نے ہر دو صورتوں پر غور کیا ہے۔ جتنا پچھتانا تھا، پچھتا چکا لیکن جب خود اللہ نے ہی یہ بات بھی ذہن میں ڈالی تو مجھے لگا کہ یوں بھی تو

ہو سکتا ہے نا۔؟ رہا اس کے بھائی کا سوال۔ تو یار ممکن ہے یہ بھی ان لوگوں کا کوئی چکر ہو۔ اس طرح رقت پیدا کر کے دلوں میں نرمی اور آنکھوں میں آنسو ابلوانا بھی اُن کے پروگرام میں شامل ہو سکتا ہے۔"

"ہوں۔" مراد صرف ہوں پر ہی اکتفا کر گیا۔ عمران کی ساری ہی سوچیں اک دم غلط کہہ کر رد کی بھی نہیں جا سکتی تھیں۔

"لیکن یار میں نے خود بھی ایسی نیوز اپنی آنکھوں سے خود انگلش پیپرز میں پڑھی ہیں۔"

"یار تو رہا گھامڑ کا گھامڑ ہی۔ ارے میں کب نہیں کہہ رہا ہوں کہ ایسا ہوا ہی نہیں ہو گا۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ ایسا یقیناً ہوتا ہو گا اور بات جب پھیلی ہو گی تو نیوز بن کر اخباروں کی زینت بھی بنی ہو گی۔ میرا کہنا صرف یہ ہے کہ بعد کی باتیں اخباروں کو کیا معلوم۔ وہ تو وہی چھاپیں گے ناجو AUTHENTIC ہو۔ سچ ہو، صحیح ہو پوری جانچ پڑتال کے بعد ہی خبریں اخباروں اور خاص طور سے انگلش اخباروں میں چھپتی ہیں یہ ریجنل لنگویج کے اخباروں پر تو میں بلیو کرتا ہی نہیں۔" عمران جھلا کر بولا۔

"تیرا کہنا بالکل ہی رد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن۔" مراد رک گیا.....

"لیکن کیا۔" عمران بھڑک گیا۔ "زندگی میں اگر وہ لڑکی پروین رعنا کبھی ملی اور واقعی بڑے گھر کی بہو بنانے لائق ثابت ہوئی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں یار کہ اُس سے شادی کر لوں گا.....

مراد مسکرا کر اس کی بات کاٹ کر بولا۔

فار یور انفرمیشن، آپ شادی کر چکے ہیں، یہاں سوال نباہنے کا ہے۔"

عمران سٹ پٹا کر بولا۔ میرا وہی مطلب تھا۔ بہ حالِ یار ممی کا اصرار مانے

ڈال رہا ہے اور کبھی نہ کبھی تو مجھے شادی کرنی ہی پڑے گی نا ․․․․ ؟

"اچھا ․․․"؟ مراد ذرا مذاق کے موڈ میں آ گیا۔ تو آپ ان محترمہ سے ایک وقت کی ملاقات میں اتنے امپریسڈ ہو چکے ہیں کہ شادی تک کا سوچنے لگے۔"

"بکواس مت کر یار۔" وہ سر کھجانے لگا۔ واقعی خیالوں ہی خیالوں میں وہ بہت دور تک پہنچ چکا تھا۔ ورنہ یہ شادی کا لفظ کیسے اس کی زبان پہ آ جاتا۔ ؟

"یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لڑکی ․․․․ نام وام پوچھا کہ نہیں۔ وہ ہنس کر بولا۔

"مہتاب جنگ۔" اس کا نام تو عمران کے ذہن پر واقعی مہتاب بن کر جگمگا ہی رہا تھا۔

"مہتاب جنگ ․․․"؟ مراد مرعوب سا ہو کر بولا۔ بڑا ڈگنی فائڈ نام ہے ․․․ حیدر آباد کے نواب خاندان کی ہو گی ․․․"؟

ممکن ہے ․ ہو ․ لیکن اس کے لہجے اور بات چیت میں جو حیدر آباد کا مخصوص پچ ہے نا ․ وہ قطعاً نہیں ہے۔"

"ہاں ․ مراد اپنی بات کا سرا اٹھاتے ہوئے بولا۔" میں اصل میں کہہ یہ رہا تھا کہ ممکن ہے کہ بقول تمہارے، جب تمہارے منہ پر لفظ شادی آ ہی گیا، تو وہ تم سے شادی کر ہی لے، لیکن جب بعد میں پر دین رعنا زندگی کے کسی موڑ سے اچانک نکل کر تمہارے سامنے آ کھڑی ہو تو تم تو اسے نباہنے پر تیار ہو جاؤ، لیکن یہ لڑکی ․ مہتاب جنگ صاف کہہ دے کہ مجھے دوسری بیوی بننا منظور نہیں ․ جو کہ اکثر عورتوں کو نہیں ہوتا. اس وقت تم کیا کرو گے۔"؟ ؟

عمران جھلا گیا ․ "کیا بکواس باتیں لے بیٹھے ہو یار ․ ہر بات مفروضہ ․ ہر بات مفروضہ ․ اتنے مفروضوں کے بیچ انسان تو زندہ رہنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" وہ چائے کی ٹرے اپنے سامنے کھینچتے ہوئے بولا۔

"کس نفاست سے چائے بنائی تھی یار اس نے۔ واقعی CLASSY چیز تھا اس کی ہر ہر بات میں۔"

"تو کب پیغام بھجوا رہے ہو" مراد ہنستا ہوا بولا۔

ہاتھ میں اٹھایا ہوا چمچہ عمران نے پھر سے بڑے میں رکھ دیا اور پریشانی سے بولا۔

"یار وہ "ناری سدھار گھر" سے آئی تھی۔"

مراد اس کی حیرت پہ حیرت کرتے ہوئے بولا۔

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ؟ امیروں کے نت نرالے شوق ہوتے ہیں، اُسے بھی ناریوں کے سدھار کا شوق ہوگا۔ اکثر امیر ایسے ہی سر پھرے ہوتے ہیں۔"

"لیکن مراد۔۔۔۔ عمران اٹک اٹک کر بولنے لگا۔ وہ لڑکی امیر نہیں ہے وہ خود ناری سدھار گھر کی ایک ناری ہے۔۔۔۔

"اوہ نو۔" مراد اپنی کرسی سے ذرا آگے کھسک آیا۔ "میں نے اسے بہت غور سے تو نہیں دیکھا، لیکن ایک نظر میں انسان جتنا کسی کو دیکھ اور پرکھ سکتا ہے یار تو وہ تو خاندانی لڑکی نظر آرہی تھی۔" مراد افسوس سے بولا۔

"اور یار میں کیا بتاؤں بات چیت کا انداز تو اس قدر شائستہ، مہذّب اور رکھ رکھاؤ لئے تھا کہ میں کئی بار بات کرتے کرتے ہکلا گیا۔"

مراد ٹیبل پر غیر ارادی طور پر انگلی بجانے لگا۔ پھر بولا۔ "بھئی میں مفروضے قائم کرنے کا قطعاً قائل نہیں، لیکن معاملہ کچھ گڑ بڑ لگتا ہے۔ دیکھو یار جو کچھ کرنا سوچ سمجھ کے کرنا۔ آخر خالہ جان کس طرح راضی ہو جائیں گی کہ کسی اُلٹے پُلٹے ناری سدھار گھر کی لڑکی کو اپنی بہو بنا لیں۔۔۔۔

عمران نے ذرا احتجاجی نظروں سے اُسے دیکھا تو وہ گڑبڑا کر بولا۔

"بات کو سمجھو ایمی۔ ناری سدھار۔ اس لفظ "سدھار" پہ غور کرو، ایسے گھروں

میں ہمیشہ بدچلن، آوارہ، گھر سے بھاگی ہوئی، فلم زدہ قسم کی لڑکیاں ہی غلط ہاتھوں میں پڑ جانے کی وجہ سے آتی ہیں۔ ہمیں کیا پتہ اس کا کیا ماضی رہا ہو۔ ممکن ہے وہ لڑکی ہو ہی نا۔ کسی ناجائز بچے کی ماں واں بھی ہو۔"

"آئی ریفیوز ٹو ہیر آل دِس ربش۔"

"I REFUSE TO HEAR ALL THIS RUBBISH"

عمران غصہ سے بولا۔

مراد اٹھ کر آیا۔ اس کی پیٹھ تھپک کر بڑی نرمی سے بولا۔

"I DIDNT MEAN TO HURT YOU."

جو بھی قدم اٹھانا سوچ سمجھ کر اٹھانا۔ بہرحال میں تمہارا WELL WISHER تو ہوں ہی۔ دوست بھی ہوں۔ بھائی سے بڑھ کر۔"

تیسری تنخواہ کے ایک ہزار روپے وصول کرتے ہوئے مہتاب ٹوٹ سی گئی۔

"میں اس فرشتے کے احسانوں کا بدلہ کس جنم میں چکا پاؤں گی خدایا۔ جب کہ میرا تو اس جنم میں ہی وشواس نہیں ہے۔"

جس لفافے میں روپے آتے تھے، اس پر ہمیشہ ڈاکٹر رضا ہمدانی کا فل اڈریس اور کئی فون نمبر لکھے ہوتے تھے۔ ان کے ایک دو ہی نہیں کئی کلینک تھے، جہاں ان کے ماتحت دوسرے قابل ڈاکٹرز کام کرتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر وہ خود بھی وہاں پہنچ جاتے تھے۔

سننے کی چاہت ہو نہ ہو، کپور ڈاکٹر رضا کے بارے میں، ہر ملاقات میں ممکنہ حد تک تفصیل بتا جاتا تھا۔

"کیا یہ تمہارا فرض نہیں بنتا مہتاب جنگ کے جو شخص بلا کسی غلط ارادے کے تم پہ یوں بے پناہ احسان کیے جا رہا ہے، اسے فون کر کے صرف شکریہ ہی کہہ دو۔"

اس نے اپنے آپ کو جیسے ایک طوفان کی زد میں آیا ہوا پایا۔

اس کے دل کا فیصلہ نفی میں تھا۔ پتہ نہیں کیوں اسے ڈاکٹر رضا ہمدانی کے بے پناہ خلوص سے ... بے پناہ ڈر لگتا تھا۔

اُسے شرم بھی آتی تھی کہ بغیر کسی کام اور محنت کے وہ کس مزے سے اُن سے ہر ماہ ہزار روپے وصول کیے جا رہی ہے۔ واپس کرنے کے لئے وہ ان کے پاس جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی، پتہ نہیں کیوں اس کا دل ہر بار اُن سے ملنے کو منع کر دیا کرتا تھا۔ اور یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی کپور سے یہ کہہ دے کہ "روپے واپس کر دیں۔ مجھے نہیں چاہئیں"

کپور آج کے دن تک اس سے سخت ڈرتا تھا۔ مارے ادب کے اُس پر گھگھیاہٹ سی طاری ہو جاتی تھی۔ اسے یقیناً مہتاب اور ڈاکٹر رضا ہمدانی کے تعلقات کے بارے میں رتی بھر بھی غلط شبہ نہیں تھا۔ وہ اُن دونوں ہی کی اتنی عزت کرتا تھا کہ پیٹھ پیچھے بھی کبھی اول فول بکنے کی جرأت تک نہیں کر سکتا تھا۔ اور ایسے گھٹیا شخص کے سامنے وہ ڈاکٹر رضا ہمدانی جیسے فرشتے کے دیئے ہوئے روپئے ٹھکرا دے۔۔!

نہیں کبھی نہیں۔

"میں ان روپیوں کو جمع کروں گی۔ جمع کرتی رہوں گی۔ کبھی تو وقت آئے گا کہ انہیں واپس کر سکوں گی۔ ابھی اس وقت تو مجھے بے پناہ، زبردست سہارا اور تقویت محسوس ہوتی ہے کہ ہاں میرے پاس کچھ نہ کچھ دولت جمع ہے۔ اور مہتاب جنگ اس چھوٹی سی عمر میں، اس بڑی سی دنیا میں رہ کر تم نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اس دنیا میں جو بھی چکر چل رہا ہے۔ صرف زر۔ زن اور زمین ہی کا ہے۔ یہ اس کا مخصوص ٹاپک تھا جس پر وہ گھنٹوں سوچ سکتی تھی۔

اور بار بار سوچتی بھی تھی ۔

میں اس زر کو سنبھال کر رکھوں گی ۔

ہاں مہتاب جنگ یہ ضروری بھی ہے کیونکہ یہ کم سہی۔ لیکن اسی کی خاطر تم گردش میں آئی ہوئی ہو ۔ یہ کبھی نہ بھولنا مہتاب جنگ "!

اُس کے منہ سے خود بخود زور سے "مہتاب جنگ" نکل گیا ۔ وہ مسکرائی ۔ بعض عادتیں موروثی ہوتی ہیں ۔ قابل بیرسٹروں نے ان چھوٹی موٹی HEREDITY میں پائی ہوئی موروثی عادتوں کی وجہ بڑے بڑے مقدمے جیتے ہیں ۔ اس کے پاپا ہمیشہ بات کرتے وقت "میں"۔ یا "ہم" کی بجائے وراثت جنگ کہہ کر خود کو گفتگو میں لاتے تھے ۔ ممی اس بات پہ ہنستی بھی تھیں ۔

"آپ ہنسو بیگم مگر ایسے طریقے سے بات کرنے سے انسان میں خود اعتمادی بڑھتی۔ اپنے آپ پر یقین بڑھتا کی ہم ۔ ہم ہئیں کوئی ہولے شولے نئیں "۔

وہ بچپن سے جب بھی انداز میں سوچتی، اپنے آپ کو نام لے کر مخاطب کرتی، تبھی سوچ پاتی ۔

کبھی کبھی وہ تنہائی میں زور سے اپنا نام لے لیتی اور خود ہی شرمندہ سی ہوجاتی ۔

کوئی سن لے تو ۔ ؟ سوچے گا پاگل ہے ۔

میں پاگل نہیں ہونے دوں گی اپنے آپ کو ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گی کہ مجھے میرے سارے حواسوں کے ساتھ زندہ رکھے تاکہ اس زندگی نے جتنے دکھ سب مجھے دیئے ہیں ہر ہر دکھ کا بدلہ سُو سُو سکھ پاکر اس زندگی اور اس دنیا سے لوں "۔

فارن کے کچھ نمائندے، بچھڑی ہوئی مجبور اور لاچار عورتوں کے HOMES کا معائنہ کرنے بمبئی آئے ہوئے تھے ۔ پہلے وہ ملک کی خاتون سربراہ سے دارالخلافہ میں جا کر مل چکے تھے ۔

اب اس وقت وہ اس "ناری سُدھار گھر" کا جائزہ لے رہے تھے جس میں مہتاب جنگ بھی تھی۔ نمائندوں میں خواتین بھی تھیں اور مرد حضرات بھی ــ مقامی مہمانوں کے علاوہ اور بھی کئی لوگ تھے۔ ایک ام ال اے تھے۔ دو تین گزیٹڈ آفیشل تھے میز بانی کے فرائض ایک ام۔ پی ادا کر رہے تھے۔

ٹوکریاں، چٹائیاں اور WALL HANGING بنتی ہوئی عورتوں کے پاس جب وہ گروہ جا کر رُکا تو بہتوں کی آنکھیں مہتاب کو دیکھ کر، دیکھتی ہی رہ گئیں۔

وہ لوگ آپس میں انگلش میں بات کر رہے تھے۔ عورتوں کی پستی، ان کے ناگفتہ بہ حالات، اُن کی ترقی کے امکانات۔۔۔ وہ تیزی سے ہاتھ چلاتی ہوئی عورتوں کی انگلیوں کی مہارت بھی بغور دیکھ رہے تھے۔ ایک ڈیلیگیٹ نے انگلش میں اپنے ساتھی سے کچھ کہا۔ دوسری خاتون نمائندہ نے تعریفی انداز سے کہا۔

"مسز اندرا گاندھی نے واقعی عورتوں کی ترقی کے لئے بہت کچھ کیا ہے "

مہتاب جنگ اپنے آپ کو روک نہ سکی۔

BUT I THINK WHAT SHE HAS DONE IS NOT UP TO HER MARK!

ایک دم سب لوگ ٹھٹھک گئے۔

"گڈ گرل ـ گڈ گرل ـ ایک نسبتاً معمر امریکن نے اسے APPRECIATE کیا"۔

SHE HAS HER OWN THOUGHTS!

جتنے سوال وہ کرتے گئے۔ وہ صاف صاف جواب دیتی گئی۔

"آپ کو تو جرنلسٹ ہونا چاہیئے تھا" ام پی مسکرا کر بولے۔ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔"؟

وہ صرف مسکرا دی۔

انہوں نے ساتھ والے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے بڑھ کے ایک کارڈ بڑھا دیا۔ مہتاب نے "تھینکس" کہہ کر وہ کارڈ رکھ لیا اور بنائی میں مصروف ہو گئی۔

چار دن ہو گئے، مہتاب اس بات کو بھول بھال بھی گئی۔ لیکن پانچویں دن اسے پتہ چلا کہ یہ دنیا کتنی لیچڑ، گھٹیا اور ذلیل ہے۔

وہ کیاریوں کے پاس چند لڑکیوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے سبزی نوڑ رہی تھی کہ بہن جی آکر بولی۔

"اے بائی تم کو آفس میں بڑا صاحب بلاتا ہے" نہ یہ تنخواہ کا دن تھا، نہ پہلی تاریخ۔ اسے کپور کے نام سے انگار لگ جاتی تھی۔

اس نے اپنا رکھ رکھاؤ ایسا بنا رکھا تھا کہ کسی کو اس سے بحث، تکرار یا سوال جواب کی ہمت نہیں تھی۔

"تم چلو۔ میں آتی ہوں"

آفس میں کپور دہرا بنا جھکا کھڑا تھا۔

ہیں ہیں کے سوا اس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔

"مس مہتاب جنگ ۔ ہم بڑے بھاگیہ شالی ہیں کہ ہمارے ام۔ پی دسرتھ پانڈے خود یہاں پدھارے ہیں"

مہتاب کو ہنسی آگئی۔ اچھی خاصی اردو بول لیا کرتا تھا۔ ام پی کو دیکھ کر بے تحاشہ ہندی بولے چلا جا رہا تھا۔

پانڈے صاحب مسکرا کر بولے۔ میں ادھر اپنی CONSTITENCY کا حال چال دیکھنے نکلا تھا۔ ادھر سے گجر رہا تھا تو سوچا آپ سے بھی مل ہی لوں"

"جی نوازش ہے آپ کی" وہ بہت مہذب انداز میں بولی۔

پانڈے صاحب نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ ایک لفظ ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن سمجھ گئے کہ کچھ شکریے سے ہی ملتا جلتا ہوگا۔

"آپ کو کتنی جبانیں آتی ہیں؟" انہوں نے بہت مودّب بن کر پوچھا۔

"دیکھئے اردو تو میری مدر ٹنگ ہے۔ چونکہ میرا بچپن سے ہی انگلش میڈیم رہا ہے اس لئے اسے بھی ایک طرح سے مدر ٹنگ ہی سمجھ لیجئے۔ بائی دی گریس آف گوڈ جتنی کمانڈ مجھے اردو پر حاصل ہے، تقریباً اتنی ہی، بلکہ کچھ زیادہ ہی انگلش پر حاصل ہے۔ اینی پرابلم؟" ANY PROBLEM?

پانڈے صاحب کے ہوش اڑ گئے۔

"جی نہیں پرابلم تو کوئی نہیں۔ وہ سنبھلنے کی کوشش کرنے لگے۔" اصل میں بات یہ ہے کہ ہماری کانگریس آئی کی مہاراشٹر شاکھا کی طرف سے ہم ایک انگریجی کا اکھبار نکالنے کی سوچ رہے تھے۔ یہ اکھبار جاہر ہے بمبئی سے نکلے گا۔ میں سوچ رہا تھا اسٹاف میں آپ جیسی کابل لڑکی آجائے تو.....

"لیکن جرنلزم کی تو میں اے بی سی بھی نہیں جانتی۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"تو کیا ہوا۔ وہ لاپرواہی سے بولے۔ سیکھنے بیٹھو تو سب کچھ آجاتا ہے۔"

وہ عجیب تذبذب کا شکار تھی۔ اگر واقعی ایسا ہو جاتا ہے تو ایک تو یہ کہ اُسے اس ناری گھر سے چھٹکارا مل جائے گا۔ یہ حقیقت تھی کہ یہ ناری گھر نرک سے بدتر تھا، لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ اپنے طور پر عورتوں کے لئے صحیح معنوں میں دارالامان۔ جائے پناہ بھی تھا۔ ورنہ اتنی ساری تباہ تاراج، ٹھکرائی ہوئی عورتیں، کنواری مائیں، جلائی ہوئیں بہویں۔ بھاگی ہوئی لڑکیاں، جنہیں ماں باپ پھر اپنانے پر راضی نہیں تھے، کہاں جاتیں۔؟ کون ان کا سہارا بنتا۔ اگر اتنی ساری بداعتدالیاں، اتنی گمراہیاں، اتنا شدید کرپشن اور اتنا

EXPLOITATION نہ ہوتا تو یہ ناری گھر۔ واقعی ناری "سدھار" گھر ہوتا، لیکن ہر معاشرے کی اپنی برائیاں بھی ہوتی ہیں۔ اور یہ ہر معاشرے کا المیہ بھی ہے کہ برائیاں چاہے کم ہوں خوبیوں کو ڈھانپ لیتی ہیں۔ خود میں! اگر یہاں پناہ نہ لیتی تو شاید.... اوہ نو اس نے سر جھٹکا تو اُسے ماحول تنا تنا سا نظر آیا۔

"آپ بہت دیر سے وچاروں میں گم ہیں۔ کوئی جواب نہیں دے رہی ہیں۔"

"میرا قیام کہاں ہوگا جناب۔" وہ اچانک جیسے ایک فیصلہ کر کے بولی۔

"کیا۔ کہاں ہوگا۔" وہ ذرا سامنے ہو کر بولے۔

"قیام۔ وہ سمجھا سمجھا کر بولی۔ میں کہاں رہوں گی۔"؟

"ہمارے دل میں۔" وہ برجستہ بولے۔ کپور نے دیدے پٹ پٹا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

مہتاب نے تلخی سے انہیں دیکھا۔ آخر کو پالیٹیشن تھے۔ بات کو سنبھال کر بولے۔ "جس منش میں اتنے گُن ہوں اسے دل ہی میں استھان دینا چاہیئے نا۔ ؟ کیوں جھوٹ تو نہیں کہہ رہا ہوں میں۔"؟

اسے پاپا یاد آئے۔ ہمیشہ کہا کرتے تھے۔

"ALMOST EVERY BASTARD, GOES, TO POLITICS!"

"مجھے کرنا کیا ہوگا۔"

وہ مسکرائے۔ "میرے کھیال میں آپ اس وکت میرے ساتھ چلی چلیں تو کاپھی بات چیت طے ہو سکتی ہے۔ ویسے میں نے اکھبار کے دوسرے کرم چاریوں کی میٹنگ بھی بلائی ہے۔ بلکہ وہ ہمارا انتجار بھی کرتے ہوں گے۔"

"آپ پلیز کچھ منٹ ویٹ کریں۔ میں زیادہ ٹائم نہیں لوں گی۔"

وہ تیار ہو کر آئی تو پانڈے صاحب کی آنکھیں اس پر سے ہٹنا ہی بھول گئیں۔ اسے یہ ساری سچویشن سخت ناپسند ہوئی۔

"چلیں۔" وہ ساڑی کا پلّو سنبھال کر ان سے بولی۔

باہر آئے تو ایک باوردی شوفر نے جھپٹ کر کار کا دروازہ کھولا۔

مہتاب نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ کپور، آفس کے دوسرے ورکرس، ساری بہن جیاں باہر تک آ گئے تھے۔ سب کے چہروں پر ایک شناسا، جانی بوجھی اور بہت کچھ کہتی ہوئی مسکراہٹ تھی۔ مہتاب کچھ بھی نہ سمجھی۔

گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے مہتاب نے سنا، کپور سبھوں کو سنا کر فخر سے کہہ رہا تھا۔

"ام پی صاحب نے "ڈس کشن" کے لئے انہیں ساتھ لے لیا ہے۔"

"سب مالوم ہے۔ کوئی بھگتی ہوئی لڑکی پیچھے سے بولی۔ "کھالی پیلی نام کا "ڈسکسن"۔ میں سب جانتی۔ میں نئیں جانے گی تو اور کون جانے گی۔"!

وسرتھ پانڈے کا بہت ہی عالی شان فلیٹ تھا۔ مہتاب کو سجاوٹ، ڈیکوریشن سے غضب کا پیار تھا۔ وہ بہت انہماک سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

وہ اُسے سیدھے بیڈ روم میں لے آئے۔ اسے ذرا سی حیرت ہوئی۔

"آپ کی شادی نہیں ہوئی۔"؟ وہ ان کے کھچڑی بالوں کو حیرت سے دیکھ کر بولی۔

پانڈے صاحب نے اطمینان سے جواب دیا۔ "سبھی مجھ سے یہی پوچھتے ہیں۔ جوان لگتا ہوں نا۔ اسی لئے۔ ویسے بھگوان کی کرپا سے میں دادا، نانا بھی بن چکا ہوں۔" وہ بھاڑ جیسا منہ پھاڑ کر ہنسے۔ مہتاب کو مسکراہٹ تک نہ آئی۔ وہ خود ہی سنا رہے تھے۔

"بیوی بچے آج کل دہلی کے پھلیٹ میں ہیں۔ ام پی ہوں نا۔ وہاں بھی پھلیٹ سرکار کی طرف سے ملا ہوا ہے۔ یہ البتہ میرا اپنا جاتی پھلیٹ ہے۔ بھگوان کی کرپا سے اپنی جمین داری ہے۔ کوئی کمی نہیں۔"

مہتاب ابھی تک فلیٹ کا جائزہ ہی لیتی کھڑی تھی۔

دیواروں پر خوبصورت پینٹنگز آویزاں تھیں۔ بیچوں بیچ ڈبل بیڈ تھا جس پر مخملیں گردپوش بچھا ہوا تھا۔ سنبل بھری روئی کے اونچے اونچے دو سرخ سرخ تکیے پاس پاس رکھے ہوئے تھے۔ دونو طرف کے سرہانوں کے پاس چھوٹی چھوٹی بیش قیمت میزیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک میز پر سفید رنگ کا ولایتی ٹیلیفون جگمگ کر رہا تھا۔ دروازہ ایک گیلری میں کھلتا تھا۔ ایک داخل ہونے کا تھا۔ بالکنی میں کھلنے والی کھڑکیوں پر میرون کلر کے سویڈ کے پردے جھول رہے تھے۔ لکڑی کے اسٹینڈس میں منی پلانٹ کھڑکیوں پر جھول رہی تھی۔ بستروں سے کافی دور ہٹ کے، ایک قیمتی مخمل کا صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا۔ ساتھ میں نرم نرم کشن۔ پیروں میں روندنے کے لئے موٹا دبیز قالین۔ بیچ میں شیشے کی نفیس ٹیبل رکھی ہوئی تھی۔ دیوار سے دو الماریاں لگی ہوئی تھیں۔

مہتاب جب یہ سب دیکھنے میں مصروف تھی تو پیچھے سے اُسے چٹ کی سی آواز آئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

پانڈے صاحب دروازے کی اندرونی چٹخنی لگا چکے تھے۔

دوسری نظر میں اس نے یہ دیکھا کہ ایک الماری کھول کر انہوں نے شراب کی بوتل اور دو انتہائی نفیس غالباً بلجیم کٹ گلاس کے چم چم کرتے جام نکالے اور ٹیبل پر رکھ دیئے۔

مہتاب یہ سب کچھ بڑے اطمینان سے دیکھتی رہی۔

اُجالا نے اُسے جتنی بار بھی اپنے لٹنے کی کہانی سنائی تھی مہتاب نے یہ محسوس کیا تھا گویا اللہ نہ کرے وہ خود بھی اسی پر بیت رہی ہو۔ جب آپ کسی کو دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگتے ہیں تو من و تو کا جھگڑا مٹ جاتا ہے۔ اُجالا سے مہتاب کو اس قدر پیار۔ رحم بھرا، ترس بھرا پیار ہو گیا تھا کہ وہ اکیلے میں بھی اس چپ چاپ، معصوم حسین سی لڑکی کے لئے کتنی ہی بار رو چکی تھی۔ وہ ایک لڑکی ہونے کے ناطے سوچ سمجھ سکتی تھی کہ اُجالا کے دل پر کیا بیتتی ہو گی۔

اُجالا نے کتنی ہی بار ایسے قصّے سنائے تھے جن میں، عین مَیں ایسے ہی مناظر تخیّل میں مہتاب کی آنکھوں نے دیکھے تھے۔

یہ منظر اس کے لئے نیا نہیں تھا۔ حیرت اسے اپنے ضبط پر ہو رہی تھی۔

"آپ کے پیپر کمیٹی کے دوسرے ممبرز کہاں ہیں" مہتاب نے بڑے سکون سے پانڈے صاحب سے پوچھا۔

پانڈے صاحب ٹیبل پر بوتل اور جام رکھ کر اس کے قریب آ گئے۔

"سنو لڑکی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دو چار قدم چلا کر صوفے تک لائے اور اس کے دونوں شانے پکڑ کر اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولے۔

"جس "ناری سدھار گھر" سے میں تمہیں لے کر آیا ہوں نا۔ اس کی کاریہ کرتا سمیتی کا میں بھی ایک سدّس، ممبر ہوں۔ تمہیں پتہ نہیں ہو گا مجھے ہے۔ اس "ناری سدھار گھر" میں ہمیشہ بگڑی ہوئی ناریاں لائی جاتی ہیں تا کی ان کا سدھار کیا جائے۔ کلیّان کیا جائے" وہ خود بھی اطمینان کے ساتھ اس کے بازو بیٹھ گئے۔

"یہ ہم بھی جانتے ہیں اور گھر چلانے والے بھی کی ایک بار جس کی عجّت

لٹ گئی، دس بار بھی اور لٹ جائے تو کوئی پھرک نہیں پڑتا۔ اور پھر ناری تو کنواں ہوتی ہے، دو چار ڈول پانی یک۔ مُسا پھر نے نکالا۔ دوسرا مسا پھر آیا، اس نے بھی نکالا۔ کنوئیں کو کیا پھرک پڑتا ہے۔ وہ ہنسے ہنس کر انہوں نے اپنا بش شرٹ اتار کر سوفے پر اُچھال دیا۔ مہتاب کو اُبکائی سی آگئی۔ ان کے تھل تھل کرتے جسم اور بڑے سے پیٹ پر کھچڑی بالوں کا جنگل سا پھیل رہا تھا۔ اس نے کراہت سے نگاہیں دوسری طرف پھیرلیں۔

پاپا اتنے مہذّب اور ڈگنی فائیڈ تھے۔ ان کے ساتھ زندگی کے اتنے سارے سال گذرے۔ کبھی انہیں بغیر قمیض یا کُرتے کے نہیں دیکھا۔ حد یہ کہ گلے کے سارے بٹن تک وہ گردن کی آخری حد تک لگائے رکھتے تھے۔

قُل قُل قُل کی آوازوں سے وہ سمجھی کہ اب وہ شراب انڈیل رہے ہیں۔

"تم۔ ناری سدھار گھر سے آئی ہو۔ وہاں پہنچی ہو گی تو پہلے سے ہی سب کچھ لٹا کر پہنچی ہو گی تمہارا کوئی بوائے پھرینڈ ہو گا جو جھلم کا لالچ دے کر تم کو بمبئی لایا ہو گا۔ یا پھر کسی سے پیٹ آگیا ہو گا، اس لئے منہ کالا کر کے، ماں باپ کے ڈر سے بھاگ آئی ہو گی۔ پھر کہیں نہ کہیں سے پُلس کے ہتھے چڑھی ہو گی۔ پھر پولس نے بھی اپنی کیمت وصول کی ہو گی۔ اب ناری سدھار گھر میں بھی کسی نہ کسی نے کچھ نہ کچھ وصول کیا ہی ہو گا۔ اس لئے بے جھجک ہو کر اپنے کپڑے اتار ڈالو۔ تم تو اس کھیل کی عادی ہو چکی ہو گی ڈارلنگ.... بیچ بیچ میں وہ شراب سِپ کرتے جا رہے تھے اور کپور کو جی بھر کے مغلظات سنا رہے تھے۔

"مگر سالا وہ حرامی کی اولاد کپور۔ اتنی بار جاتا ہوں۔ پورے ناری گھر میں گھومتا ہوں جس کھوب صورت چہرے پہ نجر پڑ جاتی ہے اس سالے کپور کو اِسارہ کر دیتا ہوں، تو اسی رات مال سپلائی کر دیتا ہے لیکن اس حرام کی اولاد

نے تجھ جیسا انار کا دانہ چھپا کے رکھا تھا۔ ایں۔؟ کیا اپنے لئے رکھا تھا۔؟؟ سالے کو چکی پسوانے بھجوا دوں گا۔ اس کی ماں کا بھڑوا۔ اپنے کو۔ ہچ۔ سمجھتا کیا ہے۔ ہچ یہ انار کا دانہ سالے نے اپنے لئے اٹھا کے رکھا تھا گیا.....

ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ ہر صبر کی انتہا ہوتی ہے۔ مہتاب نے آج تک جیسی بھی زندگی گذاری تھی اس میں سب سے اہم حصہ تہذیب اور آداب و مراتب کا تھا۔ پاپا ممی دو دو مہینے کے بچوں تک سے آپ کے سوا کبھی بات نہ کرتے۔ وہ اسی روش پر چلی تھی جس پر اس کے مہذب ماں باپ نے چلنا سکھایا تھا۔ پھر اسکول اور کالج کی زندگی میں یہ ضرور ہوا کہ اپنے سے کم عمر لڑکیوں کو وہ "تم" ضرور کہہ لیا کرتی۔ لیکن وہ بھی تہذیب کے دائرے میں رہ کر۔

شاید اس کی بیس سالہ زندگی کا پہلا موقع تھا کہ کسی بدتمیز نے اُسے "تُو" کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ اتنی گراوٹ کی باتیں کی تھیں اور اتنا ذلیل کیا تھا۔

"کم آن ڈارلنگ۔ تو بھی سروع ہو جا۔" وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولے۔

اس نے شراب کی بوتل اٹھائی اور جام میں شراب انڈیلنے لگی۔

"یہ بات ہوئی نا کچھ۔" وہ جھومتے ہوئے بولے۔ شراب جام سے اچھل کر ٹیبل اور ٹیبل سے گر کر قالین کو بھگونے لگی۔

"اے پاگل۔" وہ ہچکی لے کر بولے۔ اتنی کیمتی سراب پانی کی طرح بہا رہی ہے۔ اندھی ہے کیا۔" ہ

وہ جام کی طرف ان کی توجہ دلا کر بولی۔

اس جام کو دیکھ رہے ہیں نا پانڈے صاحب جب یہ بھر گیا تو چھلک اُٹھا۔ میرے ضبط اور صبر کا جام بھی چھلک اٹھا ہے۔ اور میں زیادہ برداشت نہیں

کردں گی۔ دھیرے دھیرے ایک ایک لفظ وہ پھر سے دُہراتی گئی۔" اور میں زیادہ برداشت نہیں کروں گی"۔ اور کہتے کہتے اس نے جام اٹھا کر ان کے چہرے پر پھینک مارا تو "تو کمینی، حرام جادی۔ ناری سدھار گھر کی دو ٹکے کی رنڈی۔ تو نے میرے کو۔ دسرتھ پانڈے کو للکارا۔ میرے منہ پہ دارو پھینکی۔؟ تجھے پتہ ہے ہائی کمانڈ تک میری بیکنگ کرتا ہے۔ اچھے اچھے میرے سامنے کتوں کی طرح جوتے چاٹتے ہیں تو تو کس گنتی میں ہے۔۔ لے ذرا دیکھ اب"۔

وہ ایک ہیجان اور غصہ کے ساتھ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ اس سے پہلے مہتاب تیزی سے لپک کر فون کے پاس پہنچ چکی تھی۔" تو پولس کمشنر سے لے کر ہوم منسٹر تک سب کو فون کر کے آجمالے۔ دیکھتا ہوں کون تیری مدد کو آتا"۔

۵۳۲۲۲۲۔ اس نمبر کو وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ ڈاکٹر رضا ہمدانی نے غالباً یہ آسان سا نمبر اسی لئے لیا تھا کہ ضرورت مندوں کو گھبراہٹ میں بھی آسانی سے یاد رہے۔

پانڈے کے اس تک پہنچتے پہنچتے وہ فون میں منہ ڈال کر " ہلو ڈاکٹر رضا ہمدانی ہیں"۔ کہہ چکی تھی۔

ڈاکٹر رضا ہمدانی کا نام سنتے ہی جیسے پانڈے کو کرنٹ لگ گیا۔ دوڑ کر پہلے تو اک دم اپنا بش شرٹ اٹھا کر پہنا، پھر دوبارہ اس کے قریب آکر بولا۔ ایسا لگ رہا تھا اتنی ہی دیر میں اس کا نشہ غائب ہو چکا ہے۔

" ڈاکٹر رجا ہمدانی کو آپ کیسے جانتی ہو"۔؟ اس کی آواز میں خوف لرز رہا تھا۔

وہ سکون سے بولی۔" ہی از مائی فرسٹ کزن"۔ وہ میرے فرسٹ کزن ہیں"۔

" میم صاحب" وہ تھرائی ہوئی آواز میں ہاتھ جوڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

" تم میرے بارے میں ان سے کیا بتاؤ گی"۔؟

وہ ایک دو لمحے چپ رہی۔ پھر اُلٹا اسی سے سوال کیا۔

"آپ کیا چاہیں گے؟ میں کیا بتاؤں گی یہ آپ مجھے بتا دیں"!!

بوکھلاہٹ میں وہ بیحد مہذب بن گیا۔

"آپ پلیز یہ بتا دیں کی میں ایک انگریجی اکھبار نکالنا چاہتا ہوں جس کا ہولڈ آپ کے ہاتھ میں دے کر آپ کو اس کی سمپادک بنانا چاہتا ہوں۔ اسی سلسلے میں آپ کو اپنے پھلیٹ پر انوائیٹ کیا تھا۔ وہ اک دم اس کے پیروں میں گر پڑا۔ پلیج"

"او۔ کے" وہ چلنے کو ہوئی اور مڑی۔ پھر ایک ایک لفظ پر زور دے دے کر بولی۔

"اور اتنا یاد رکھئے گا مسٹر ایم۔ پی کہ "ناری سدھار گھر" میں قسمت کے ہاتھوں مجبور، ہر لڑکی آبرو باختہ بدچلن اور طوائف نہیں ہوتی۔ "ناری سدھار گھر" واقعی "سدھار گھر" بن جائے اگر آپ جیسے ذلیل اور کمینے اشخاص اسے کوٹھا نہ بنائیں"

مہتاب کے باہر نکلنے سے پہلے ہی پانڈے کے، دھڑ سے صوفے پر گرنے کی آواز مہتاب نے سن لی تھی!

ٹیکسی میں تیزی سے آتے ہوئے خیالات اسے راستوں اور دکانوں اور شہر کی رنگا رنگی میں ذرا بھی بہلا نہ سکے۔

کپور کی مسلسل بک بک سے وہ کئی دفعہ جل اٹھتی تھی، لیکن ڈاکٹر رضا ہمدانی کے بارے میں اگر وہ زندگی بھر بھی بتاتا رہتا تو وہ پورے سکون سے سنتی تھی اور سن سکتی تھی۔ کپور نے ہی اُسے ڈاکٹر رضا کے بارے میں بتایا تھا کہ بمبئی کے تقریباً سارے CRIMINALS ان سے تھر تھر کانپتے تھے۔ اُن کے رسوخ اور سورس SOURCE اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ چیف منسٹر سے ان کے دوستوں جیسے تعلقات تھے۔ چیف منسٹر کتنے ہی بڑے ہوتے، ڈاکٹر رضا ہمدانی کے لئے

وہ فون پر کبھی بھی AVAILABLE تھے۔

"آج۔ آج بھی۔ آج بھی ڈاکٹر صاحب آپ ہی فرشتہ بن کر..... ٹیکسی کی پچھلی نشست پر سر ٹکائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"کتنے احسان ڈاکٹر صاحب کتنے"۔ ؟؟

اس کے آنسوؤں نے جواب دیا۔ ا تنے کہ گنواؤں تو گنوا نہ سکوں"

وہ خلافِ توقع ڈیڑھ سوا گھنٹہ بعد سورج ڈھلنے سے بھی پہلے ہی پہنچ گئی تو لوگوں کے منہ کھُلے کے کھلے رہ گئے۔ اس کے کپڑے، اس کا حلیہ، اس کے بال، کچھ بھی بگڑا بگڑا یا نہیں تھا۔

کپور نے ہاتھ ملتے ہوئے پوچھا۔

"کیسا رہا ڈسکشن مِس جنگ" ؟ تو اس کے لہجے میں طنز کا نام و نشان تک نہ تھا۔ "ناری سدھار گھر" سے گئی ہوئی کوئی بھی لڑکی" اوپر" سپلائی کی جاتی تھی تو رات رات بھر، اور کبھی تو دوسرے دن بھی واپس نہیں آتی تھی۔

اور جس اعتماد سے وہ واپس آئی تھی، وہ منہ سے بول رہا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے کپور پر نظر ڈالی اور بولی۔

"مجھے ان میں اتنی قابلیت نظر نہیں آئی کہ وہ ایک انگلش ڈیلی کو ہینڈل کر سکیں"

کپور اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ !

مہتاب نے بہت سوچا بہت سوچا کہ وہ اُجالا کو ساری بات بتا دے لیکن اس طرح اُسے اُجالا کو ڈاکٹر رضا ہمدانی کے بارے میں بھی بتانا پڑتا اور

اُجالا جو اتنی مہذّب تھی کہ کبھی اس کے ماضی میں جھانکنے کی کوشش تک نہیں کی، اگر ڈاکٹر صاحب کے بارے میں سُن لیتی تو پنجے جھاڑ کے اُس کے پیچھے پڑ جاتی کہ "بس بی بی تم ڈاکٹر صاحب سے شادی کر لو" کیونکہ وہ آئی اسی دن سے اُجالا سے اس کی دوستی ہو گئی تھی اور اب یہ دوستی اتنی پختہ اور راسخ ہو گئی تھی کہ مہتاب کو کبھی کبھی لگتا کہ اُجالا یہاں نہ ہوتی تو وہ مر جاتی شاید ۔ لیکن عجیب بات یہ تھی اور مہتاب خود پر لعنت بھی بھیجتی تھی کہ اُسے سچّی دوست ماننے کے باوجود، آج تک اس نے اُجالا کو اپنے ماضی کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں بتایا تھا ۔ اور اس وقت اُجالا اسے اتنی عظیم لگتی جب مہتاب بیحد پریشان نظر آتی تب بھی وہ کھود کھرج کے کوئی بات نہ پوچھتی ۔ وہ اس کی تعلیم، اس کے مہذّب اندازِ گفتگو، بیچ بیچ میں اس کے انگلش کے الفاظ کے استعمال سے، اور سستے مول کے سوتی کپڑوں کے پہننے کے انداز سے، ہر ہر بات سے بیحد مرعوب تھی ۔ وہ نہیں چاہتی کہ مہتاب کو کسی بھی بات سے ناراضگی کا موقعہ دے ۔ مہتاب اپنے آپ کو اُجالا کے تعلق سے قطعاً ایماندار نہیں مانتی تھی ۔

"اس نے اپنی ہر ہر بات، ہر ہر راز تم سے بتا دیا ہے ۔ وہ تمہیں اپنا سچا دوست سمجھتی ہے ۔ سائے کی طرح تمہارے ساتھ لگی رہتی ہے ۔ تم بھی اسے وہ اعتبار دو کہ وہ خود پر فخر کر سکے کہ "ہاں بی بی جی میری دوست ہیں" مہتاب جنگ اُجالا کو وہ اعزاز دو، جس کی وہ مستحق ہے "

"میں ایک دن اپنی اس مختصر زندگی کا ہر ہر راز تمہارے حوالے کر دوں گی اُجالا ۔ آئی لو یو ۔

"I REALLY LOVE YOU SO MUCH!"

کپور کے بُلانے پر مہتاب آفس میں پہنچی تو وہ سراپا انکسار بن کر کھڑا ہو گیا ۔

"جی۔ مس جنگ۔ وہ آپ نے خود ہی کہا تھا کہ "احمد ایکسپورٹرز" کے یہاں خود جائیں گی اور پھر ایک بار کے بعد گئی ہی نہیں ہیں آپ ... کیا میں چلا جاؤں یا بہن موہنی جی کو بھیج دوں .... کیور پوچھ رہا تھا۔

وہ اس کی بات کاٹ کر بیچ ہی میں بول اٹھی۔

"جی نہیں میں خود چلی جاؤں گی۔ کل گیارہ بجے۔"

"او۔ کے"۔ وہ مستعدی سے بولا۔ "پیپرز میں تیار کر دوں گا۔"

اُسے آئی۔ کے۔ احمد ایکسپورٹرز کے ہاں گئے ہوئے پورے سترہ دن ہو چکے تھے۔ وہاں سے آنے کے بعد کئی دنوں تک وہ کافی ڈسٹربڈ رہی تھی۔ اُجالا نے اتنے کم عرصے میں اسے اس قدر تجربہ کار بنا دیا تھا کہ وہ کئی باتوں کی تہہ میں اتر جاتی تھی۔

آئی۔ کے۔ احمد کے التفات سے وہ گھبرا سی گئی تھی اسی لئے اسے نظر انداز کرنا چاہ رہی تھی۔ کالج میں ایسے تجربوں سے وہ اکثر گذری تھی۔ لڑکے، بنا کسی مطلب کے، محض "ستانا کرکے"، بھی اس قسم کے فقرے اچھالتے رہتے تھے۔ سبھی لڑکیاں ایسے EASY PASSES کو لیتی تھیں۔

اُسے احمد کی کسی بات کا بُرا نہیں لگا تھا۔ وہ بھی اس دن کافی HAPPY MOOD میں تھی۔ نہ ہوتی تو بھی احمد نے اخلاق سے گری ہوئی کوئی بات کی ہی نہیں جس کا وہ بُرا مانتی۔ اپنے جان لیوا حُسن کے بارے میں وہ پورا احساس رکھتی تھی۔ مغرور ہوتی تو شاید اتنی خوبصورت نہ لگتی۔ ایک نرم سی مسکراہٹ اور انکساری اسے گھیرے رہتی جب بھی کوئی اس کے حُسن کی تعریف کرتا۔ اسے احمد پر غصہ تھا نہ پریشانی۔ فکر صرف ایک بات کی تھی کہ اگر۔ احمد نے چند ملاقاتوں کے بعد اپنا عندیہ ظاہر کر دیا تو۔ تو میں تو ایک شادی شدہ لڑکی ہوں۔

میں کیا کروں گی۔ جب کہ میں اسے یہ بتانے کی حماقت کر چکی ہوں کہ میں مس ہوں۔ مس مہتاب جنگ! اور ویسے وہاں جانے کا کوئی جواز بھی تو نہیں تھا۔ نہ تو وہ آوارہ صفت لڑکی تھی نہ اسے کسی کو رجھانا ہی تھا۔ صرف باہر کی دنیا سے شناسائی۔ اس لیے رحم بمبئی کے گلی کوچوں سے تعارف۔ اور کوئی مقصد نہیں سوائے اس کے کہ اس بے مروّت' انگلی چھڑا کر چل دینے والے دغاباز کو کھوج سکوں اور صرف یہ پوچھ سکوں کہ "یہ داغ پھر کبھی یاد نہیں آیا۔" ؟؟

گلابی سوتی ہینڈلوم کی ساڑھی۔ گلابی ہی بلاؤز۔ دھوپ میں تپے ہوئے گلابی گال۔ گلابی ہونٹ۔ نیلم کی طرح جھل جھلاتی آنکھیں۔ سنہری بالوں کا ایک آبشار پیچھے گرائے، جب وہ "احمد اکسپورٹرز" کے آفس میں داخل ہوئی تو عمران کئی لمحے تو صرف اسے دیکھتا ہی رہا۔

"آداب عرض ہے۔" کہہ کر یونہی کھڑی رہی۔ عمران نے آداب کا جواب بھی نہیں دیا۔ وہ بہت ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "آپ سے کم سے کم اس بداخلاقی کی توقع میں نے نہیں کی تھی۔"

"جی۔" ؟ وہ ہڑبڑا کر بولا۔

"مجھے آپ سے آرڈرز لینے تھے۔"

"جی۔" وہ پھر "جی" کہہ کر اسے دیکھنے میں محو ہو گیا۔ مہتاب اکتا کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"خاصا POSH اور MOD آفس ہے آپ کا۔"

وہ اب کی بار تو "جی" بھی نہ بولا۔

"اچھا۔" وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی،

میں جا رہی ہوں۔ خدا حافظ۔ کل کپور صاحب آپ کے آفس آجائیں گے۔"

اک دم وہ چونکا۔ "ارے ارے ارے۔ آپ کہاں جا رہی ہیں مہتاب جنگ۔ بیٹھئے تو۔ بات تو سنیئے" وہ اس کے پیچھے لپکا۔

وہ دروازے تک پہنچ چکی تھی۔ "آپ بھی کمال کرتی ہیں" وہ دروازے پر ہاتھ رکھ کر اسے دباتے ہوئے بولا۔ تاکہ وہ دروازہ کھولنے نہ لگے۔

"کمال میں نہیں کر رہی ہوں۔ آپ کر رہے تھے۔ میری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ آداب کا بھی جواب نہیں دیا"

"آداب۔ ایک بار نہیں ہزار بار آداب۔ یا کہئے تو غلاموں کی طرح دست بستہ بس آداب ہی کہئے چلا جاؤں" اور وہ واقعی جھک کر آداب پہ آداب کرنے لگا۔

مہتاب کو ہنسی آگئی۔ "دیکھئے آپ یوں ہنسانے والی باتیں نہ کیا کریں۔ زندگی نے میرے مقدر میں یہ تحفہ بہت کم رکھا ہے۔ یوں نہ ہو کہ آپ کے چند لمحوں کے ساتھ میں، میں یہ ساری پونجی لٹا بیٹھوں اور پھر ساری زندگی ہنسی کو ترستی رہوں"

وہ اچانک ہی اداس ہو گئی۔

وہ اچانک سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ایک بات تو آج تک میری سمجھ میں ہی نہیں آئی کہ لڑکیاں بیک وقت یوں ہنسنے اور اداس ہونے کی ایکٹنگ کیسے کر لیتی ہیں اور۔۔۔۔"

"آپ کی زندگی میں اب تک کتنی لڑکیاں آئی ہیں"؟ مہتاب نے یونہی سوال کر دیا۔

"م۔ مم۔ میری زندگی میں"؟ عمران بری طرح سٹ پٹا گیا۔ "میری زندگی میں لڑکیاں کیوں آئیں اور کہاں سے آتیں۔ میرا مطلب تو یہ تھا۔ وہ سنبھل گیا۔ کہ وہ ہماری بہنیں اور کزنز وغیرہ جو بھی ہیں نا۔ سب ایک سے بڑھ کر ایک اُستاد۔ فرسٹ کلاس اداکاری کرتی ہے یہ آپ کی صنف" اب وہ نارمل ہو چلا تھا۔

"پلیز آپ تشریف رکھئے نا" وہ کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

وہ دھیرے سے بیٹھ گئی۔

وہ پھر سنجیدہ ہو گیا۔" آج مارکیٹ میں گلاب کے پھولوں کی قیمتیں اتر گئی ہوں گی میرے خیال سے۔"

"جی۔؟ وہ کیوں۔"؟ وہ بے دھیانی میں یونہی پوچھ گئی۔

اس نے بڑے شریر انداز میں اس کے سراپے کی طرف اشارہ کیا۔

"جب ایسے ایسے پھول راستوں سے گذریں تو ان سالے گلابوں کی کیا۔۔۔

" ارے ارے آپ گالیاں بھی دیتے ہیں۔"! وہ حیرت زدہ سی ہو کر بولی۔

وہ ذرا شرمندہ ہو گیا۔" آئی ام سوری میں دراصل اس وقت اللہ گواہ ہے کافی بوکھلایا ہوا ہوں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میں کسی قسم کی ایکٹنگ وغیرہ نہیں کر رہا ہوں۔"

" لگ تو مجھے یہی رہا ہے کہ آپ واقعی ایکٹنگ کر رہے ہیں۔"

وہ مسکرایا۔" اصل میں خداوند قدوس نے بعض چہرے بنا کر، پھر ویسے ماڈل بنانا قطعاً ختم کر دیا ہے، اسی لئے جب ان بعض چہروں میں سے ایک آدھ آپ جیسا چہرہ نظر آجاتا ہے نا تو انسان سب کچھ بھول جاتا ہے۔ ایکٹنگ بھی!

جی ہاں۔" پھر وہ کافی فکرمند ہو کر بولا۔" اب اللہ جانے میرا کیا ہو گا۔"؟

مہتاب نے ٹیبل پر دونوں کہنیاں ٹکا کر ہتھیلیوں کے پیالے میں اپنا ہیروں موتیوں جڑا چہرہ رکھ لیا اور اطمینان سے اس کی باتیں سننے لگی۔

کافی دیر کے بعد وہ سنجیدگی سے بولی۔" اب مجھے یہ بتایئے کہ آپ اتنی بک بک کرتے رہتے ہیں تو بزنس کیا کرتے ہوں گے۔"؟

" بزنس۔؟ ہاہا بزنس۔ بزنس۔ بزنس تو میں کر ہی نہیں سکتا نا۔؟ آرٹسٹ ہوں نا۔ یہ تو باپا کا بزنس ہے۔ بس مجبوری ہے۔ اگر نہ کروں تو ممی غصہ۔۔۔۔ ممی کا نام لیتے ہی اسے جیسے ہوش آگیا۔

"مائی گوڈ۔ بارہ بج گئے۔ اس وقت روزانہ پابندی سے فون کرکے میں ممی کی خیریت پوچھتا ہوں" اس کا ہنستا ہوا چہرہ مہتاب کو واقعی پریشان سا لگا۔

وہ آپریٹر کو گھر کا نمبر ملانے کو بول کر پھر سے مہتاب سے مخاطب ہو گیا۔

"میری ممی کافی بیمار ہیں۔ میری ایک ہی ممی ہیں۔" مہتاب نے اُسے گھورا تو وہ سنبھل کر بولا۔ "اصل میں میں کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ میں اپنی ممی کا ایک ہی بیٹا ہوں"....

"اور وہ بھی دودھ پیتا" مہتاب نے بیچ میں دھیرے سے کہا۔

"جی نہیں۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔ مجھے یہ دودھ اور اولٹین اور کوکو قسم کی چیزیں قطعاً پسند نہیں ہیں میں تو بس چائے کافی.... اک دم مہتاب کو غور سے دیکھ کر وہ سٹ پٹا گیا۔ "آپ نے شاید مذاق کیا ہے مجھ سے۔ "دودھ پیتا" کہہ کے۔ نا۔ اور میں بھی سچ ہی سمجھ بیٹھا۔ ویسے میں واقعی سوائے چائے۔ کافی کے کچھ نہیں پیتا"

مہتاب نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

"میرے اللہ۔ آپ کی بیوی پر سخت رحم آ رہا ہے مجھے....

"جی ابھی میری شادی نہیں ہوئی ہے"....

وہ روانی میں کہہ گیا۔ اک دم وہ سٹ پٹا سا گیا۔

"اگر سامنے بیٹھی ہوئی اس لڑکی کو پتہ چل جائے کہ میری شادی ہو چکی ہے۔ تو۔"

وہ موضوع بدلنے کو بولا۔

"آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں"؟

مہتاب نے خاصے غصے سے اسے دیکھا۔ "میرا خیال ہے کہ میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں مس مہتاب جنگ ہوں"

"تو مطلب یہ کہ ہم دونو ہی غیر شادی شدہ ہیں۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ دو اتنے پیارے پیارے لڑکا لڑکی خوبیٔ قسمت سے اچانک مل جائیں اور دونو غیر شادی شدہ

نکلیں۔۔۔۔۔

مہتاب اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "مسٹر احمد آئی ام شیور کہ آج آپ پر کوئی دماغی دورہ پڑا ہے یا آپ ہیں ہی ایسے سرپھرے"؟؟

وہ اس کی بات کا جواب دیئے بغیر ممّی سے مخاطب ہو گیا تھا۔

"جی ہاں ممّی۔ آداب عرض ہے۔ مجھے اللہ سے امید ہے کہ آپ کی طبیعت اچھی ہوگی۔ خدا کے فضل سے میں بھی یہاں خیریت سے ہوں۔ یہاں کا موسم اس وقت بیحد پیارا ہے۔ گلاب کا ایک بیحد پیارا پھول عین میرے سامنے کھلا۔۔۔۔

"عمّو۔ ممّی غصہ سے اُدھر سے چیخیں۔ کیا پاگل ہو گئے ہو۔ کیا بک رہے ہو"؟؟

"جی۔ جی۔ وہ م۔مم۔ میں۔ جی بات یہ ہے ممّی کہ مجھے ذرا چکّر آگیا تھا"

وہ بات بنا کر بولا۔

"خیریت۔؟ ممّی کی آواز میں پریشانی اُبھر آئی۔ کیا زیادہ کام کر ڈالا۔ خدا کے لئے اپنی صحت کا خیال رکھا کرو عمّو"۔

"جی نہیں ممّی۔ میں نے کام بالکل زیادہ نہیں کیا، البتہ آج میں آنکھوں سے ذرا زیادہ کام لے رہا ہوں"۔ وہ شرارت سے مہتاب کو دیکھتا ہوا بولا۔

"آنکھوں سے۔؟ ممّی اُدھر سے چیخ کر بولیں۔ تم مجھے پاگل کر دو گے لڑکے"۔

"میں آل ریڈی پاگل ہو چکا ہوں ممّی۔ اب آپ کے ذمّہ یہ فیصلہ ہے کہ مجھے رانچی بھجوائیں یا آگرہ"!

مہتاب کو ممّی کی باتیں تو سمجھ میں نہیں آرہی تھیں لیکن اِدھر عمران کے جوابوں سے اسے لگ رہا تھا کہ وہ اپنی باتوں سے ماں کو سخت پریشان کر رہا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"اچھا عمو۔ میں فون بند کر رہی ہوں۔ تم سخت حماقت کے موڈ میں لگ رہے ہو۔ فرح تم سے خود بات کرے گی۔ ویسے بھی مجھے زیادہ بولنے سے تکان ہو جاتی ہے۔ خدا حافظ۔"

"ارے ارے ممی۔ ممی۔" وہ ریسیور رکھتے ہوئے بے چارگی سے بولا۔

"خدا حافظ۔"

"آپ کی ممی بیمار ہیں۔" مہتاب فکرمند ہو کر بولی۔ اب کے وہ خاصا سنجیدہ تھا۔

جی ہاں۔ نہیں ایک ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے۔ ہم نے انہیں امریکہ بھی بھجوایا تھا کہ اگر بائی پاس سرجری" کی ضرورت ہو تو۔ وہاں میری ایک بہن بیاہی ہوئی ہے۔ اس کے ہسبنڈ خود بھی ڈاکٹر ہیں۔ ایک بہن یہیں بیاہی ہوئی ہے دونو مجھ سے چھوٹی ہیں۔ ممی ابھی حال ہی میں امریکہ سے واپس آئی ہیں۔ دراصل ممی، ایک تو پاپا کی ڈیتھ کی وجہ بہت ڈسٹربڈ ہو گئی تھیں دوسرے یہ خاندانوں میں پراپرٹی وغیرہ کا بھی کچھ نہ کچھ جھنجھٹ نکل آتا ہے نا۔ حالانکہ اللہ کا شکر ہے کہ کافی پیسہ جائداد ہے ہم لوگوں کے پاس۔ لیکن بس وہ کچھ نہ کچھ جھگڑے ٹینشن چلا ہی رہتا ہے۔ بس ایک دن بیٹھے بٹھائے اٹیک ہو گیا۔ بہنوں نے سارا الزام میرے سر ڈال دیا۔"

"وہ کیوں؟" مہتاب خاصے انہماک اور ہمدردی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

وہ ذرا جھینپ کر بولا۔ "اصل میں ممی میری شادی کے لئے بہت بضد ہیں۔"

"یہ تو دیکھئے ہر ماں کی آرزو ہوتی ہے احمد صاحب۔ اور پھر ویسے تو آپ کی عمر ماشاءاللہ شادی کے لائق بھی ہے۔" اس نے اپنی رائے پیش کی۔

"جی ہاں۔ جی ہاں۔" وہ ہڑبڑا کر بولا۔ میں سمجھتا ہوں۔ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ مجھے شادی کر لینی چاہیئے۔ میری عمر بھی ۲۷ سال ہو چکی ہے جو کہ شادی کے لئے سخت معقول عمر ہے اور چونکہ بہنوں سے بڑا ہوں اور بہنیں تو مائیں بھی بن چکی ہیں تو ممی کو فطرتاً اور

لازماً میری شادی کی فکر ہونی ہی چاہیئے"۔

"تو آپ کریں نا" وہ اصرار کر کے بولی۔

"دیکھئے نا اس میں دو دقتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ جو کاروبار ہے، یہ جو میں یہاں بیٹھا آپ کو نظر آرہا ہوں تو یہ سب پاپا کا بنایا ہوا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس پر میرا کوئی حق نہیں ....

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "ارے یہ آپ کی عجیب وغریب THIN KING ہے۔ والد کی چھوڑی ہوئی جائداد، بزنس، پراپرٹی، زمینات، سبھی کچھ تو اولاد اور زیادہ تر لڑکوں کا ہوتا ہے۔ آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں کہ .....

وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں بھی جانتا ہوں، لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ میں خود کچھ کر کے دکھاؤں۔ خود اپنی آمدنی پیدا کروں۔ اسی لئے میں بچتا رہا۔ لیکن اب ممی بہت ہی زیادہ فورس کرنے لگی ہیں.....

"تو قباحت کیا ہے" وہ حیرت سے بولی۔

"مجھے آج تک کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آئی" پھر کچھ رک کر بولا۔ پسند ہی نہیں آئی تھی"۔

اس "تھی" کے اضافے پر مہتاب نے اسے غور سے دیکھا اور سنجیدگی سے بولی۔

لک مسٹر احمد۔ دیکھئے احمد صاحب۔ یہ میری اور آپ کی صرف دوسری ملاقات ہے....۔

"اور مجھے یوں لگ رہا ہے کہ اس دوسری ہی ملاقات میں ہم نے صدیوں کے فاصلے طے کر ڈالے ہیں" وہ بات کاٹ کر بولا۔

"لیکن میں۔ وہ لفظ "میں" پر زور دے کر بولی۔ "میں اپنی ایک شخصیت

رکھتی ہوں۔ میرے بھی سوچنے کا ڈھنگ ہے۔ میرے بھی کچھ آئیڈیلز ہیں۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ آپ کی طرح میں بھی سوچنے لگوں" وہ بے پناہ سنجیدہ ہو رہی تھی۔

"مت سوچئے نا میری طرح۔ میں کوئی مجبور کر رہا ہوں آپ کو" وہ ڈھٹائی سے بولا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا LOVE AT FIRST SIGHT کے بارے میں، پہلی نظر کی محبت کے بارے میں۔ بس مجھے پسند آگئی ایک لڑکی۔ میں آپ کو مجبور کر رہا ہوں کیا کہ میری پسند کی داد دیجئے"؟؟

مہتاب۔ بگڑ کر بیٹھ گئی۔ "دیکھئے آپ سخت غلطی کر رہے ہیں۔ یہ طریقہ نہیں ہوتا کسی لڑکی سے بات کرنے کا"

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ "اب میں کس کی قسم کھا کر آپ کو یقین دلاؤں" پھر ادھر دیکھ کر بولا۔ اُس پیدا کرنے والے کی، اللہ کی قسم کھا کر آپ یقین دلاتا ہوں کہ میری زندگی میں آپ، صرف۔ صرف۔ صرف آپ وہ پہلی اور آخری بھی لڑکی ہیں جس سے میں نے اس قسم کی باتیں کی ہیں"۔ وہ سنجیدگی سے بولا "خدا کی قسم مجھے تو کوئی بھی دوست جب کہتا تھا کہ مجھے یہ لڑکی پسند آگئی۔ وہ لڑکی پسند ہے۔ اس سے محبت ہے اُس سے محبت ہے مجھے تو پہلی ہی نظر میں ہی مجھے بھا گئی۔ میں تو اس کے بغیر مر ہی جاؤں گا، وغیرہ وغیرہ۔ تو میں دل ہی دل میں ہنستا تھا کہ یہ کیا بیکار خرافات ہے۔ یہ محبت، عشق یہ سب بیکار بیہودہ بکواس باتیں ہیں۔ لیکن صرف دو ملاقاتوں میں میری زندگی، ہستی، شخصیت سبھی کچھ بدل گیا۔ آپ کو پتہ نہیں ان سترہ دنوں میں، ایک ایک پل کا حساب میں نے گن گن کر رکھا ہے۔ آپ کو یقیناً احساس نہیں ہوا ہوگا کیونکہ آپ کی باتوں سے ایسا لگا ہے کہ آپ کو میں پسند نہیں آیا۔ لیکن میں نے ایسی شادیاں

بھی ہوتے دیکھی ہیں اور بیحد کامیاب ہوتے دیکھی ہیں جہاں لڑکا مر پڑ کے محبت میں مر جانے کی حد تک پہنچ کے، لڑکی کو حاصل کرتا ہے، جب کہ لڑکی کی مرضی ہوتی بھی نہیں۔ اور پھر وہ بیحد خوشی خوشی زندگی گذارتے ہیں۔ آپ مجھے مت پسند کیجئے، کیا آپ کے لئے یہ کافی نہیں کہ میں آپ کو پسند کرتا ہوں۔ مر جانے کی حد تک۔"

اُسی وقت فون کا سگنل پا کے عمران نے فون اٹھایا۔ "ہلو۔"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "السلام علیکم بھائی جان۔"

"ارے فرح۔ وعلیکم۔ کیسی ہو بھائی۔"

"اچھی ہوں بھی اور نہیں بھی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔" وہ ہنس کر بولا۔

"بات یہ ہوئی میرے عزیز از جان بھائی جان کہ دنیا میں شاید ہی کوئی بے حس بیٹی ہو گی جس کی ماں بیمار اور تنہا ہو، اور وہ اپنی گھر زندگی میں خوشی محسوس کرے۔"

"اب تمہی بتاؤ فرح میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"آپ شوق سے کنوارے رہنے کا ریکارڈ قائم کیجئے لیکن بھائی جان آپ ممی کی دیکھ بھال کے لئے کم سے کم ایک نرس تو رکھ سکتے ہیں نا۔"؟

"نرس۔ ہاں فرح نرس رکھ تو سکتے ہیں، لیکن ممی نہیں مانتیں۔ وہ کہتی ہیں مجھے گھر میں ایسا ہسپتال جیسا ماحول نہیں چاہیئے۔ وحشت ہوتی ہے کہ ہر لمحہ سفید کپڑوں میں ایک نرس سینے پر سوار رہے۔" وہ پریشانی سے بولا۔

"ارے تو کوئی نرس نہیں، تو کوئی ایسی عورت چوبیس گھنٹوں کے لئے رکھوا دیجئے تا جو بس دیکھ بھال کرتی رہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ خدمت کے لئے نرس

ہی ہو جو سفید کپڑے ہی پہنے۔ کوئی بھی ہو سکتی ہے۔"

عمران کے کان بہن کی بات سننے میں لگے تھے لیکن آنکھیں مہتاب پر جم سی گئی تھیں۔ وہ تیزی سے فرح سے بولا۔ "اچھا فرو میں چند منٹوں میں تم سے پھر بات کرتا ہوں۔ انتظار کرنا۔ خدا حافظ۔"

"آپ برا نہ مانیں مس جنگ تو میں آپ سے کچھ پرسنل سوالات کر سکتا ہوں"؟ عمران نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اگر سوالات ایسے ہوئے کہ میں جواب دینے میں کوئی جھجک محسوس نہ کروں تو بلاشبہ آپ سوالات کر سکتے ہیں۔"

"ناری سدھار گھر"۔ میں آپ کی آمدنی کا کوئی ذریعہ ہے۔" وہ رکتے رکتے پوچھ رہا تھا۔

"جی ہاں۔" وہ ایک لمحہ بھی توقف کیئے بغیر خوش دلی سے بولی۔

"کتنی۔ اور کیسے۔ میرا مطلب ہے آپ کی کتنی آمدنی ہو جاتی ہے اور کن ذرائع سے ہوتی ہے۔"؟

"ہم لڑکیاں جو چٹائیاں بن لیتی ہیں۔ ہینڈی کرافٹ بناتی ہیں۔ پھر ہسپتالوں کے مریضوں کے یونیفارم سینے کے جو آرڈرز آتے ہیں، اُن سے جو پیسے ہمیں ملتے ہیں۔ کافی ہو جاتے ہیں۔" ۔ ۔ وہ رک رک کر بول رہی تھی۔

"اندازاً۔"؟ وہ بالکل سیریس تھا۔

"کسی مہینے ڈیڑھ سو۔ کسی مہینے ۲ سو۔ دیکھئے احمد صاحب" وہ ذرا جھجک جھجک کر کہتے کہتے اپنی آواز میں بشاشت پیدا کر کے بولی۔

"یہ تو اپنی اپنی محنت پر DEPEND کرتا ہے۔"

عمران نے چند لمحے سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اُس نے ہڑبڑا

کر نگاہیں ہٹالیں۔

"مس مہتاب جنگ" وہ تقریباً دانت پیس پیس کر کہنے لگا" کیا آپ مجھے یہ بتانے کی تکلیف گوارہ فرمائیں گی کہ آج کی اس مہنگائی بھری دنیا اور زندگی میں ڈیڑھ ۲ سو روپے کیا ہوتے ہیں۔"؟؟

وہ آنکھیں پھیلا کر بولی۔"خاصے ہوتے ہیں"۔!

"خاصے ہوتے ہیں" وہ غصہ میں بالکل بچوں کی طرح منہ اچکا کے مہتاب کے لہجے میں اس کی نقل کر کے بولا۔

"خاصے ہوتے ہیں۔!! کون سی جاگیریں کھڑی کر لی ہیں آپ نے ان پیسوں سے۔ اگر لینا چاہیں تو ایک ساڑی تک نہیں آسکتی۔ دوسری تعیشات کا تو ذکر ہی کیا"۔

مہتاب کی نیلی نیلی آنکھوں میں سمندر موجیں مارنے لگے۔ وہ ہڑبڑا کر بولا۔

"آئی ام سوری۔ آئی ام ریلی ویری ویری سوری۔ میں آپ کو قطعاً HURT ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں۔ ہم۔ میں.....

اچانک دروازہ کھلا اور مراد جھکتا ہوا اندر چلا آیا۔

"اوہ آئی ام سوری.....

وہ پچھلے قدموں لوٹنے لگا تو عمران غصے سے بولا۔

"پاگل ہوا ہے سالے۔ اس میں سوری کی کیا بات ہے۔ کم آن۔ میٹ مائی ڈیرسٹ فرینڈ مراد۔ اور مراد شی از مہتاب جنگ..... وہ ہم جو مال اکسپورٹ کرتے ہیں نا اسی سلسلے میں آپ آئی ہیں.....

"آداب عرض ہے" مراد نے بڑی نفاست سے بیٹھی ہوئی اس لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

مہتاب ۔" جی آداب عرض ہے" کہتے کہتے اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے انتہائی مہذّب اور شائستہ انداز سے ماتھے تک اپنا نقرئی ہاتھ لے جاکر آداب کیا۔

مراد نے بدحواس ہوکر اس کے ہاتھ کو دیکھا اور بے حد بے تابی سے پوچھا۔

"آپ کی شادی ہو گئی ۔"؟

مہتاب نے گڑبڑا کر عمران کو دیکھا۔

عمران نے مراد کو۔ مراد نے پھر مہتاب کو۔ اس قدر سرعت سے نگاہوں کے تبادلے ہوئے کہ سبھی بوکھلا کر مسکرا دیئے۔

"یار ابھی ابھی میں نے تجھ سے تعارف "مس مہتاب جنگ" کہہ کے کروایا ہے۔ اگر اس عمر میں آکر اور ایم اے پاس کر کے بھی تجھے مس کے معنی نہیں معلوم تو لعنت ہے تجھ پہ" عمران ہنس کر بولا۔

"نہیں ابھی ۔ میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ پتہ نہیں کچھ حماقت ہو گئی۔ چھوڑ یار"

پھر وہ مہتاب کی طرف مڑا اور بولا۔

"مجھے یقین ہے آپ میری اس بدتمیزی یا حماقت کا جو بھی آپ کہہ لیں، بُرا نہیں مانیں گی"۔

مہتاب مسکرائی۔

مراد نے اسے حیرت سے دیکھا ۔" میں کوئی بدنظر، یا عاشق مزاج نوجوان نہیں ہوں مس، لیکن میں اتنا کہنے کی اجازت ضرور چاہوں گا کہ آپ مسکراتی ہیں تو۔ تو ساری کائنات مسکرانے لگتی ہے۔ میں نے آپ جیسے معصوم، سچّے اور خوبصورت چہرے بہت کم دیکھے ہیں"۔

عمران خوش ہو کر مہتاب سے بولا ۔" ابھی ابھی میں یہ سب کہہ رہا تھا تو آپ کو یقین نہیں آرہا تھا نا ۔ لیکن دیکھ لیا آپ نے ۔ مراد بھی وہی کچھ کہہ رہا

ہے۔"

مہتاب نے دھیرے سے مسکرا کر مراد کو دیکھا۔

مراد ہنس کر بڑی سچائی سے بولا۔"بات بالکل صحیح ہے بھابھی.....

ابھی مراد کی بات پوری ہوئی بھی نہیں تھی کہ مہتاب گویا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ عمران بھی سراسیمہ ہو گیا۔ مراد نے ہنس کر اپنی بات جاری رکھی۔

"بات یہ ہے مہتاب بھابھی کہ میرے اس نالائق دوست کو آج تک زندگی میں کوئی بھی لڑکی پسند آئی ہی نہیں تھی خالہ جان بے چاری کہہ کہہ کر تھک ہار چکی ہیں۔ بہنیں بحید بول بول کے اب ہمت کھو چکی ہیں۔ لیکن میں نے اسے کسی کی بات مانتے نہیں دیکھا۔ خود میں نے ہزار بار کہا۔ اتنی لڑکیاں اسے دکھائی گئیں، اتنی جگہ سالے کے بردکھوے ہوئے کہ "نا ہونے والی سسرال" کی مٹھائیاں کھا کھا کے یہ پہلوان ہو گیا۔ لیکن اس نامعقول نے ہاں کر کے نہ دی۔ آج زندگی میں پہلی بار اس کی آنکھوں میں آپ کے لئے پسندیدگی یا آپ برا نہ مانیں تو کہوں، چاہت کے رنگ دیکھے ہیں اور میں نے یہ طے کر کے رکھا تھا کہ جس بھی دن یہ جس بھی لڑکی کو پسند کرے گا، میں اسے بھابھی کہہ کے ضرور پکاروں گا۔"

پتہ نہیں کون کیا کہہ رہا تھا۔ دماغ میں مسلسل سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ مہتاب نے اپنا سر وہیں ٹیبل پہ ٹکا دیا اور پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا۔

مراد اور عمران ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ مراد ہڑبڑا کر بولا۔"کچھ کر یار۔ یہ تو لگتا ہے بے ہوش ہو گئیں۔"

عمران نے قریب جا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ آنکھیں بند تھیں اور چہرہ پھیکا پھیکا لگ رہا تھا۔

عمران بھنا کر مراد سے بولا۔"تو بھی تو نمبر ایک کا پاگل ہے۔ آتے ہی پوچھنے

کی کیا تک تھی کہ آپ کی شادی ہو گئی کیا" ؟

"نہیں عمو تو غصہ مت کر۔ اصل میں بھابھی نے جب آداب کرنے کے لئے ہاتھ پیشانی تک اٹھایا نا تو ہتھیلی کی پشت پہ ایک داغ دکھائی دیا۔ مجھے پتہ نہیں کیوں خیال آیا کہ ہو سکتا ہے بھابھی وہی لڑکی ہوں جسے تو نے جرکا دیا تھا۔ بس شک رفع کرنے کے لئے پوچھ لیا" اس کی آواز میں ندامت تھی۔

"یار ایسے ہی بیٹھے بٹھائے، بچھڑے ہوئے ملنے لگیں تو معجزے نہ ہونے لگیں۔

عمران اداسی سے بولا۔ پھر اچانک ہی اُسے دوبارہ سے غصہ آ گیا اور میں پوچھتا ہوں ایک غیر لڑکی کو، رشتہ نہ ناطہ، بھابھی کہہ کر پکارنے کی کیا تک تھی"

مراد بھی غصّہ سے بولا۔ "اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو بھابھی، میرا مطلب ہے مس مہتاب کی آنکھیں آنسوؤں سے پہلے ہی بھری ہوئی تھیں۔ ا میں نے کچھ ذرا کہہ دیا تو تو غصّہ کرنے لگا اور جو خود اُس بے چاری کو رُلا رہا تھا وہ نہیں کہتا۔ ؟ اسی وجہ سے وہ بے ہوش بھی ہوئی ہیں"

عمران منمنا کر بولا۔ "ارے یار ایسا تو میں نے کچھ نہیں کہا۔ بس اتنی بات ہوئی تھی کہ ممّی کی دیکھ ریکھ کے لئے جو ایک نرس رکھنے کی بات چل رہی تھی تو ممّی پتہ نہیں کیوں نرس سے الرجک ہیں، تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر مس مہتاب کو ہی رکھ لیا جائے تو"... مراد بات کاٹ کر بولا۔

"مگر وہ راضی ہو جائیں گی۔ ؟ اور غصّہ وصّہ ہو گئیں تو۔" ؟؟

"بات تو سن پوری" میں اسی متعلق سے اس سے بات کر رہا تھا۔ کہ ناری سدھار گھر میں کتنی آمدنی ہو جاتی ہے وغیرہ تو اتنے میں تو آ گیا"

مراد پوچھنے لگا۔ کتنی آمدنی.....

اک دم عمران غصّہ سے چیخا۔ "یار حد ہو گئی ہماری بے حسی کی۔ ایک لڑکی بے ہوش پڑی ہے اس کی تو کچھ CARE نہیں لے رہے، اوپر سے بیکار بحوث میں وقت گنوا رہے ہیں۔ اگر کچھ ہو ہوا گیا تو۔۔۔۔

مراد بدحواس ہو کر بولا۔ "ہاسپٹل لے چلیں۔"؟

"عمران نے کچھ سوچ کر کہا۔" نہیں یار یہ غلط ہو گا۔

ہم دونو ہی مرد ہیں، اور پھر غیر۔ اس کو بیہوشی کی حالت میں، ظاہر ہے گود میں اٹھا کر لے جانا ہو گا آزو بازو کے دوسرے آفس کے لوگ دیکھیں گے اور خواہ مخواہ اسکینڈل بنیں گے، اس سے بہتر یہ ہے کہ تو خود دوڑ کر جا اور کسی ڈاکٹر کو یہیں لے آؤ۔"

عمران کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی مراد تیر کی طرح نکل چکا تھا۔

آفس کے باہری کمرے سے لگ کر بازو میں ایک چھوٹا سا آرام دہ کمرہ تھا۔ ہوٹل کے ایک چھوٹے سے خوبصورت آرام دہ اور سجے ہوئے ایئر کنڈیشنڈ کمرے کی طرح، ۔ اس میں ضروریاتِ زندگی کی ہر چھوٹی بڑی چیز موجود تھی۔ ایک مخملیں صوفے پہ عمران نے دھیرے سے مہتاب کو لے جا کر لٹا دیا۔ اُسے مہتاب کو گود میں اٹھاتے ہوئے کچھ لحاظ بھی ہوا کچھ ڈر ابھی۔ لیکن اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار تھا بھی نہیں۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے وہ لڑھک بھی سکتی تھی۔

مراد ڈاکٹر کو لے کر سیدھا چھوٹے کمرے ہی میں پہنچا جسے عمران نے RESPITE کا نام دے رکھا تھا۔

ڈاکٹر نے بہت تفصیل سے معائنہ کیا۔ آنکھوں کے پپوٹوں کو الٹا کر دیکھا۔ ہتھیلیوں کو کھول بند کیا۔ اسٹتھیسکوپ سے سینے کی دھڑکنیں گنیں سنیں۔ نبض دیکھی۔

مراد اور عمران اس سارا وقت ہونقوں کی طرح کھڑے رہے۔

"کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب - آپ کچھ بول نہیں رہے" - عمران پریشان ہو کر بولا -

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے - دیکھئے میں خواہ مخواہ انجکشن لگا کر پیسے وصول کرنے کا قائل نہیں - اس میں خواہ مخواہ پیشنٹ کو بھی تکلیف ہوتی ہے -! برف ہو گی آپ کے پاس -؟"

فریزر کھول کے مراد بھاگ کے برف کے کیوبس لے آیا - ڈاکٹر نے ایک گلاس میں ۱-۲ ٹکڑے برف کے ڈال کے پانی کو ٹھنڈا کیا، پھر اس یخ بستہ پانی کے چھینٹے مہتاب کے چہرے پہ گرانے لگے -

کافی دیر کے بعد مہتاب کی آنکھیں جھپکنے لگیں - عمران اور مراد نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو مبارک باد دی -

دھیرے دھیرے اس نے پوری آنکھیں کھول دیں

"HOW ARE YOU FEELING NOW?"

ڈاکٹر نے مسکرا کر پوچھا -

مہتاب چند لمحے خالی خالی نگاہوں سے تینوں چہروں کو دیکھتی رہی - پھر ایسا لگا کہ اس کے حواس مجتمع ہونا شروع ہوئے -

"I THINK I'M FINE NOW"

وہ بڑے مہذب لہجے میں بولی - ڈاکٹر اُسے توصیفی نظروں سے دیکھ رہا تھا -

"کیا پہلے کبھی آپ کے ساتھ ایسا ہوا ہے -؟"

وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی -

"نہیں نہیں" - ڈاکٹر خلوص سے بولا - "آپ یونہی لیٹے لیٹے میرے سوالوں کا جواب دیجئے"

"پہلے تو کبھی بھی زندگی میں ایسا نہیں ہوا۔ لیکن اب پچھلے چھ ماہ میں یہ دوبارہ ایسا حادثہ ہوا ہے"۔

"آپ کو کیا محسوس ہوتا ہے"۔؟

مہتاب حیرت سے بولی۔ "جی مجھے کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔ بیٹھے بیٹھے میں بے ہوش ہو جاتی ہوں البتہ جب ہوش میں آتی ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ صدیوں کی تھکن مجھ پہ طاری ہے"۔

کوئی ایسا غم۔ یا صدمہ۔ جس نے....

وہ اک دم بات کاٹ کر بولی۔ جی نہیں ڈاکٹر مجھے کوئی غم یا صدمہ، خدا کے فضل سے ایسا نہیں جسے سوچ کر یا محسوس کر کے میں ہوش کھو بیٹھوں.....

"آپ غذا میں کچھ اچھی طاقت کی چیزیں، پھل، دودھ، انڈے، پروٹین وغیرہ لیتی ہیں یا نہیں"۔؟

"پھل۔۔ دودھ۔ انڈے۔ پروٹین۔! مہتاب طنز سے ہنسی"۔ ڈاکٹر یہ امیروں کے چونچلے ہیں۔

"I CANT AFFORD THESE LUXURIES"

عمران کا دل دکھ سے بھر گیا۔ وہ منہ پھیر کے کھڑکی کے شیشوں سے پرے بازار کی چہل پہل دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر نے مراد کو ایک پرچی پر کچھ دواؤں کے نام لکھ کر فوراً لانے کی تاکید کے ساتھ دوڑا دیا۔ اور عمران سے مخاطب ہو کر بولا۔

"ینگ مین۔ ? WHO IS SHE TO YOU"

عمران کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے۔

پھر مہتاب کی طرف مڑ کر ڈاکٹر بولا۔

"آپ اپنی CARE نہیں لیں گی تو نقصان اٹھائیں گی۔ آپ کے جسم

میں خون بہت کم ہے۔ اور یہ بار بار بے ہوش ہو جانا صرف حد درجہ کمزوری کی وجہ سے ہے۔ اگر آپ نے اپنی غذا اور دواؤں کی طرف توجہ نہیں دی تو آپ ایک دن بُری طرح پچھتائیں گی۔"

ڈاکٹر کے چلے جانے کے بعد مہتاب بھی چلنے کو ہوئی۔

"اس وقت میں زیادہ پیسے ساتھ لے کر نہیں چلی تھی احمد صاحب۔ اگلی بار میں آپ کے پیسے لے آؤں گی۔ کتنا بل دیا آپ نے ڈاکٹر کا۔"؟

عمران بیحد ضبط سے کام لے رہا تھا۔

"کیا آپ اتنی سی بات بھول نہیں سکتیں مس مہتاب جنگ۔"؟

"کسی کا احسان اتنی سی بات نہیں ہوتی مسٹر احمد۔" اور پھر پیسہ۔؟ اسی کا تو جھگڑا ہے ساری دنیا میں۔ انسان پیسے کی شکل میں کسی کا احسان اٹھائے تو پھر اُسے بہت جھک جانا پڑتا ہے اور پاپا نے مجھے زندگی میں ہمیشہ سر بلند ہو کے چلنا سکھایا۔"

عمران کے دل میں غم کے بگولے سے چل رہے تھے۔" یہ لڑکی جس کی ماہانہ یافت کل ڈیڑھ ۲ سو روپے ہے۔ ڈاکٹر کا بل کیسے دے گی۔ یہ فورٹ کا ایریا ہے۔ اَپر کلاس ایریا۔ یہ نادان نہیں جانتی کہ ڈاکٹر کی صرف وزٹنگ فیس دو سو روپے گئی ہے اور پھر اس کی دوائیں۔ اوہ۔ نو۔"!

وہ بہت سارے غموں کو پی کر مسکرا کر بولا۔

"اُدھار سہی۔"

ٹھیک ہے۔ وہ بھی مسکرائی۔ اُدھار سہی۔"

عمران کے دل سے ایک بوجھ سا اتر گیا۔

"لیکن میں آپ کو اس وقت ہرگز جانے نہ دوں گا۔" وہ چلنے کو اٹھی تو عمران اس کے راستے کے بیچ آکر کھڑا ہو گیا۔

پہلے ڈاکٹر رضا ہمدانی۔

اب یہ آئی۔ کے۔ احمد۔

کتنے بازوؤں کے حصار اُسے روکتے رہیں گے۔؟

اور خود وہ کہاں روپوش ہے جس کی مجھے واقعی ضرورت ہے۔ تلاش ہے۔!

وہ مسکرائی۔ "کیا کریں گے آپ۔"؟

"میں آپ کے لئے جان دے دوں گا" وہ دونو ہاتھوں سے دروازے کا راستہ اس کے لئے روکتا ہوا بولا۔

مہتاب پھر سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

عمران بھی اس کے سامنے والی سیٹی پر بیٹھ گیا اور بے حد متانت سے بولا۔

"اب خدا کے لئے دل لگا کے میری پوری بات سنئے۔ بھلے مجھے چار جوتے مار لیجئے گا لیکن بے ہوش نہ ہو جائیے گا"

مہتاب ہلکے سے مسکرائی۔

"ٹھیک ہے آپ کہئے میں سن رہی ہوں"

"پہلے وعدہ کیجئے کہ غصہ نہیں کریں گی"

مہتاب پھر سے مسکرائی۔

"وعدہ"!

"پکا"؟

"بالکل پکا"

"دیکھئے مس مہتاب جنگ۔ وہ کچھ اور قریب کھسک آیا۔

"میں آپ کے ماضی کو کُریدنا نہیں چاہتا۔ لیکن چونکہ آپ نے خود بتایا ہے کہ

آپ "ناری سدھار گھر" میں رہتی ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا ذاتی کوئی....
وہ اٹک اٹک کر کہنے لگا، گھر فلیٹ نہیں ہے"۔

مہتاب اپنے دماغ سے کھیلنے لگی۔

"آپ پلیز پلیز برا نہ مانیں۔ تو اگر آپ بجائے وہاں رہنے کے، ہمارے گھر آجائیں اور ہم آپ کو دو ہزار ماہانہ تنخواہ بھی دیں تو آپ برا تو نہیں سمجھیں گی نا"؟؟

مہتاب نے نظریں اٹھا کر اُسے دیکھا۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپ"؟ وہ بڑی امید سے بولا۔

مہتاب کی آنکھوں میں سوچ کے سائے لہرا رہے تھے۔

ڈاکٹر رضا ہمدانی!! ہزار روپے ماہانہ۔ بغیر کسی کام کے۔ احسانوں کا بوجھ!

وہ بہر حال ڈاکٹر رضا کے ہزار روپے کے بوجھ سے خود کو لپٹتا ہوا محسوس کرتی تھی۔ لوٹانے جاتی تو ملاقات ہو جاتی۔ ملاقات ہوتی تو وہ پہلی ہی ملاقات میں جو اپنی پسندیدگی اس تئیں ظاہر کر چکے تھے، تو وہ کیسے اُن سے سامنا کرتی۔ وہ شادی شدہ لڑکی تھی وہ کسی کو کس طرح جھوٹے خوابوں میں اُلجھا سکتی تھی!

کپور سے روپیوں کو منع کر کے وہ ڈاکٹر رضا جیسی فرشتہ ہستی کو کپور کی نظروں میں ہلکا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے ایک فیصلہ کر لیا۔

"کام کیا کرنا ہو گا مجھے"؟ وہ پوچھ رہی تھی۔

"کام تو کافی سخت ہو گا مس جنگ۔ دیکھئے میں پہلے ہی صاف بتا دوں۔ آفس میں جو نوکریاں ملتی ہیں وہ ۹ سے ۵ تک ہوتی ہیں۔ آپ کو ۲۴ گھنٹے مسلسل ڈیوٹی دینی ہو گی"۔

"مثلاً۔؟

"مثلاً یہ کہ ممی کو دوائیں وقت سے دینا۔ ان کے کھانے پینے کا خیال

رکھنا۔ پھلوں کے جوس نکلوانا۔ کھانے میں بنا نمک اور کم مرچ کے کھانے الگ بنوانا۔ پھر وہ اس قدر تنہا ہو چلی ہیں تو ان کو کمپنی دینا۔ کیونکہ میں تو صبح نو بجے کا نکلا ہوا، کبھی کبھی تو رات کے نو بجے پہنچتا ہوں۔ اب دیکھئے نا میرا بزنس ہی کچھ ایسا ہے.....“ وہ ملتجی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

مہتاب بڑے غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ ”ناری سدھار گھر“ میں رہتے رہتے وہ پاگل بدحواس ہو چلی تھی۔ یہ صحیح تھا کہ وہ دل سے معترف تھی کہ ایسے گھر اگر نہ ہوں تو اس جیسی بے سہارا لڑکیاں کہاں جائیں۔ اندرونی ماحول کتنا بھی کثیف سہی، یہ طے تھا کہ رہنے کو ٹھکانہ اور پیٹ بھرنے کو روٹی اور تن ڈھانپنے کو کپڑا بھی مل ہی جاتا تھا۔ پھر محنت کرو تو کچھ نہ کچھ آمدنی بھی ہو ہی جاتی تھی۔ لیکن وہ اس ماحول سے اس گھٹن سے تنگ آ چکی تھی۔ اگر اُجالا نہ ہوتی تو شاید اب تک وہ مینٹل کیس بن چکی ہوتی۔

اُجالا کے قرب اور دوسراہٹ سے اُسے بڑی ہمت تھی، لیکن وہ اکثر سوچتی کہ آخر اس زندگی کا انجام کیا ہوگا۔ آدھا سال تو یونہی نکل گیا تھا وہ ناری سدھار گھر کے کاموں سے بمبئی میں کافی جگہوں پر جانے آنے لگی تھی۔ لیکن کسی پر بھی نظر ڈالتی تو اسے رونا آ جاتا۔

”میں کس نشانی، کس حوالے سے عمران کاشف کو پہچانوں۔ میں نے تو اُسے دیکھا تک نہیں۔ کاش اس دن میں نے جھوٹی شرم اور دنیا داری چھوڑ کر ایک صرف ایک جھلک ہی اس کی دیکھ لی ہوتی تو کم سے کم میں آج اُسے کھوجنے کی تاویل تو پیدا کر لیتی۔“!!

اُس دن اس نے بڑی آس سے فورٹ کے اس شاندار آفس سے نکل کر باہر پیون سے پوچھا تھا۔

آئی۔ کے۔ احمد۔ کے INITIALS کیا ہیں۔"؟؟
بیوٹن کے جواب دینے سے پہلے ہزار بار وہ جی اور ہزار بار مری۔
"اقبال۔ کامران احمد" وہ اُسے حیرت سے دیکھتے ہوئے بولا تھا کیونکہ وہ اس قدر بے چین نظر آ رہی تھی کہ وہ خود پریشان ہو گیا تھا۔

لیکن وہ اتنی خوش نصیب نہیں ہو سکتی تھی کہ اسے بیٹھے بٹھائے ایک خوبصورت گھر، دولت، گاڑی، بنگلہ سب کچھ مل جاتا۔!

"اعجاز بھائی۔ آپ نے تو اپنے طور پر میرے لئے بہت اچھا ہی کیا تھا۔ لیکن آپ بے چارے بھی کیا جانتے تھے کہ وہ ساتھی ہی دغاباز نکلے گا۔ کیا اُسے کبھی یہ بھی خیال نہیں آتا ہوگا کہ مذہب کے نام پر اس نے جس لڑکی کو قبولا تھا، یوں بھٹکنے کیوں چھوڑ دیا۔؟ کیا اللہ، رسولؐ اور مذہب کی بھی لوگوں کے دل میں اہمیت نہیں رہی"۔؟؟

عمران اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بغور دیکھ رہا تھا۔ اور مسلسل سوچ رہا تھا ساری دنیا کی لڑکیوں کا مجموعی حسن اگر میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور اس بدنصیب کا ایک پلڑے میں، تو بھی اسی کے حسن کا پلڑا زمین سے جا ٹکے گا!

"میں آپ کو دو چار دنوں میں سوچ کر جواب دوں گی"۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ مربھکوں کی طرح پہلے ہی مرحلے پر ہاں کر دے اور شرمساری مول لے۔

"دو چار۔ دن" عمران سچ مچ پریشان ہو گیا۔ "یہ دو۔ چار۔ دن کیسے گذریں گے آپ کو احساس ہے کچھ۔"؟

"مجھے احساس ہے" وہ "ہے" پر زور دے کر بولی۔

"لیکن میں آپ سے کہے دے رہا ہوں کہ میں جواب ناں میں بالکل نہیں سنوں گا!"
وہ وارننگ دینے کے انداز میں بولا۔

وہ مسکرائی۔ "آپ بڑے من مانی کروانے والے لگتے ہیں"۔

وہ خوش ہو کر ہنس دیا۔ "یعنی آپ کچھ کچھ تو مان ہی گئیں ناکہ میں من مانی کر سکتا ہوں۔ " پھر ہنس کر بولا۔ "اگر آپ نہیں مانیں تو آپ کو اٹھا کے بھاگ جاؤں گا۔"

"کافی وزنی ہوں میں"۔ وہ مسکرا کر بولی۔

"جی نہیں پھول ہیں آپ۔ ابھی آپ بے ہوش ہو گئی تھیں تو یہ خاکسار ہی آپ کو اس چیئر سے اٹھا کر وہاں صوفے تک لے گیا تھا"!

"اوہ۔ نو"۔ وہ لرز کر بولی۔

"اوہ۔ یس"۔ وہ ہنس کر بولا۔ پھر اک دم وہ سنجیدہ ہو کر بولا۔ "اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ ورنہ کرسی سے آپ کے گر جانے کا خطرہ تھا۔ اور اگر آپ گر جاتیں تو مجھے بیحد قلق ہوتا"۔

وہ بڑی سچی معصومیت سے کہہ رہا تھا۔ یہی بات تو وہ پہلی ملاقات میں بھی کہہ چکا تھا۔

مراد دوائیں لے کر آیا تو مہتاب چائے کی ٹرے سامنے رکھے نفاست سے چائے بنا رہی تھی۔

"آپ اپنے لئے چائے نہیں بنائیں گی"۔ مراد نے حکم چلایا۔

مہتاب نے اسے حیرت سے دیکھا۔ "کیوں بھلا"؟

"اس لئے کہ ڈاکٹر نے آپ کو جوس اور دودھ لینے کو کہا ہے۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ چائے میں کوئی طاقت نہیں ہوتی اور دوسری اطلاع یہ ہے کہ جوس

کے لئے میں نے آرڈر کر دیا ہے، بس آتا ہی ہو گا۔"

ایک بار وہ اور اجالا شاپنگ کے لئے گئی تھیں۔ تھک جانے پر دونوں نے پائن ایپل جوس پینے کا سوچا۔ پہلے دام پوچھ لینا اچھا ہی ثابت ہوا۔ اتنے چھوٹے چھوٹے گلاس اور دام دس روپے فی گلاس۔ وہ چپکے سے اجالا کا ہاتھ پکڑ کر "جوس شوپ" سے نکل آئی تھی۔ SHOP سے نکلنے پر وہاں بیٹھے ہوئے کالج کے لڑکوں نے کچھ آوازے بھی کسے، لیکن اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تک نہیں۔

پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔ کس قدر سکھ دیتا ہے!

لیکن یہاں تو ساری زندگی FLASH BACK بن کر رہ گئی تھی۔ پیچھے۔ پیچھے۔ اور پیچھے۔ کاش کوئی یوں کر دے کہ دماغ تو صحیح سلامت رہے لیکن بس گذری باتیں دماغ سے نکل جائیں۔! ممّی پاپا کبھی اُسے چائے پیتی دیکھ لیتے تو نوکروں کی شامت آجاتی۔

"بٹرو ماں کے واسطے پھلاں کا رس کیوں نئیں نکالے گے۔"؟

پاپا چلاتے۔ "ہم کو زیادہ غصّہ نئیں آتا مگر ہمارے چاند کے ویسی بیٹی کے ساتھ کچھ زیادتی ہوئی تو ہم برداشت نئیں کر سکتے۔ ہم منلانی اماں آپ کے ذمّے بیٹی چھوڑے ہیں۔ پڑھاؤ لکھاؤ بھی آپ۔ تربیت بھی کرو، مگر کھانے پینے کا خیال سوب سے بڑھ کر رکھو آپ۔ باوا جان فرماتے تھے "زندگی میں نا پیٹ کا کام آتا، نا گانٹھ کا کام آتا۔ کام آتا تو بس کھایا پیا! مطلب اولاد کام میں آتی نہ دولت کام میں آتی۔ بس انسان کھالیا پی لیا سو وہی اچ طاخت کام میں آتی۔ اب سے ہم بچّی کو پانی پیتے دے نئیں دیکھنا۔ بس دودھ رَس ہور کچّے کھوپرے کا پانی پیتے دے دِکھنا اُنے۔"

وہ جوس کا TALL GLASS سامنے رکھ گیا تھا جو اُسے مس سمجھ کر جنے کیا کیا خواب بُن رہا تھا۔

"آپ یہ جوس، ان گولیوں، کیپسول اور ٹانک کے ساتھ لے لیجئے۔" عمران گولیوں کے پیک کھولتا ہوا بولا۔

وہ مراد سے مخاطب ہو گئی۔ "آپ پلیز مجھے ایک ٹیکسی منگوا دیں گے۔؟؟"

"آپ میرے ساتھ گاڑی میں جا رہی ہیں میڈم۔" عمران ایک ایک لفظ الگ الگ کر کے بولا۔ "اور اس ٹاپک پر اب آپ زبان نہیں کھولیں گی۔"

وہ یہ جملہ چاہتی بھی تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ "ناری سدھار گھر" والے کیا کہیں گے۔؟ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ہر شخص جانتا ہے کہ "ناری سدھار گھر" میں رہنے والی ناری کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔

اس نے دھیرے دھیرے اپنی آنکھیں اٹھائیں۔ عمران نے دیکھا اس کی نیلم جڑی آنکھیں ہیرے موتی رول رہی تھیں۔

عمران خلافِ توقع گاڑی چپ چاپ چلاتا رہا۔

وہ بھی کچھ نہ بولی۔

"میں جب آپ کے ہاں کام پر آنے لگوں گی تو پلیز آپ سے ایک ریکوسٹ ہے کہ مجھ سے میری پچھلی زندگی کے بارے میں کوئی سوال نہیں کریں گے۔" وہ بغیر اس کی طرف دیکھے بولی۔

عمران کار چلاتا رہا۔ وہ بازو کی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اُس نے ایک نظر بھی اُس لڑکی پر نہیں ڈالی جو اتنے کم دنوں میں اس کی زندگی کو یکسر بدل چکی تھی۔ دیکھنے کی ضرورت تھی بھی نہیں۔ وہ اس کا اپنا ایک حصہ بن کر اس میں سما چکی تھی۔

"دیکھئے تابی۔ اس نے سڑک پر نظریں جمائے جمائے بات شروع کی تو وہ لرز گئی۔

"تابی۔"؟

مہتاب نے اُسے بات آگے نہیں لے جانے دی۔

"آپ مجھے تابی کہہ کے، اپنے گھر والوں کی نگاہوں میں اور ذلیل کردیں گے۔"

"اور ذلیل"۔ وہ غصہ سے مڑا۔ پہلی بار اس کی آنکھوں نے مہتاب کو دیکھا۔"

تم نے یہ الفاظ۔"اور ذلیل"، کیونکر استعمال کئے۔ مطلب یہ کہ ہم سب تمہیں پہلے ہی ذلیل سمجھتے ہیں۔ اب"اور ذلیل" سمجھیں گے۔!!

"تمہیں اپنے الفاظ واپس لینے پڑیں گے"۔ اس نے عین بیچ سڑک میں گاڑی روک دی۔

پیں پیں۔ پوں پوں۔ پیچھے آنے والی گاڑیوں کے مالکوں، اور شوفروں نے ہارن بجا بجا کر چند سیکنڈ میں ایک ہنگامہ کردیا۔

مہتاب نے گھبرا کر کھڑکی سے سر نکالا۔ ایک دو تیز سیٹی کی آوازوں نے اس کا استقبال کیا۔

"لڑکی ہونا بھی جرم ہے"۔ اُس نے گھبرا کے سر اندر کرلیا۔

"او کے۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں"

"دیٹس لائک اے گڈ گرل۔

THATS LIKE A GOOD GIRL

وہ فتح مند ہو کر مسکرایا۔

"اب آپ اپنی بات جاری رکھ سکتی ہیں"

وہ سمجھانے کے انداز میں دھیرے دھیرے کہنے لگی۔

"میرا ماضی کثیف نہیں ہے۔ تاریک ہے۔ کثافت الگ شے ہے۔ تاریکی الگ۔ میں اپنے ماضی پر شرمندہ نہیں ہوں، لیکن میں نہیں چاہتی کہ میری

کتابِ زندگی کے اوراق میری مرضی کے خلاف الٹے جائیں۔ میں آپ کے توسط سے آپ کے گھر والوں سے یہ گذارش کروں گی کہ میری ماضی کو خاموشی کے پردے میں دفن رہنے دیں۔"

"میں اس کا وعدہ اس لئے نہیں کرسکتا کہ مائیں بہت محبت والی ہوتی ہیں اور میری ممی تو دنیا کی سب سے سویٹ اور محبت والی ماں ہیں۔ وہ ہم بچوں ہی سے نہیں۔ سبھی سے بے پناہ محبت سے " پیش آتی ہیں۔ اگر انہوں نے اپنی محبت سے مجبور ہو کر آپ سے کچھ سوالات کئے تو میں کیا کرسکوں گا۔ بزرگ ہیں۔ کیسے روک سکوں گا۔" وہ تھوڑی دیر رُک کر بولا۔

"لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ کے ماضی میں ایسی کیا خرابی ہے کہ آپ ذکر ہی نہیں آنے دینا چاہتیں۔ دیکھئے کسی بھی کنواری لڑکی کی زندگی میں بس یہی دو چار باتیں ہوتی ہیں جیسے آپ بُرا نہ مانیں، آپ پر رکھ کے نہیں کہہ رہا ہوں۔ جو عام طور سے لڑکیوں کے ساتھ ہوتی ہیں وہ باتیں گنوا رہا ہوں۔" وہ ہنسا، ذرا لائٹ موڈ میں بولا۔

"مثلاً کسی سے محبت ہو گئی۔ محبت میں کسی کے ساتھ فرار ہو گئیں۔ لڑکے نے دھوکا دے دیا۔ ناجائز بچے کی والدہ بن گئیں۔ فلم کا شوق چرآیا۔ بمبئی بھاگ آئیں۔ لاحول ولا۔ وہ ہنسا۔ لیکن جہاں تک آپ کے پاکیزہ چہرے اور گریس فل پرسنالٹی کا سوال ہے، کوئی بے ہودہ سے بے ہودہ انسان بھی آپ کے تعلق سے ان ساری باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں سوچ سکتا۔ اور میں تو ویسے کافی "ہودہ" ہوں۔"

اس بے ہودہ اور ہودہ والی بات پر مہتاب اچانک ہنس دی۔

وہ اچانک بریک پر پاؤں رکھ کے گاڑی کو روکتا ہوا حیرت سے بولا۔

اس نے تمہاری بے ہوشی، تمہاری تنہائی اور تمہارے لڑکی ہونے کا کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ غالباً۔ نہیں غالباً نہیں یقیناً آج بھی تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔ اور شاید نہیں۔ یقیناً زندگی بھر بھی تمہارا ہی انتظار کرتا رہیگا۔

لیکن تم تو ایک شادی شدہ لڑکی ہو! پھر تم نے اس بمبئی میں ان چند مہینوں میں جو زندگی کے اتنے سرد و گرم دیکھے، تمہیں پتہ نہیں کہ یہ دنیا کتنی تباہی بھری ہے۔ پھر ایک تنہا لڑکی کے لئے۔!! کتنے مردوں نے، جن میں بوڑھے بھی تھے، جوان بھی۔ تمہارے ہم مذہب بھی تھے، غیر مذہب کے بھی ــ تمہاری طرف کثافت بھرے ہاتھ پھیلائے۔ وہاں تمہارا شادی شدہ ہونا، بتانا کام آیا نہ کنواری مس ہونا، بتانا ہی انہیں روک سکا۔ صرف اللہ تم پر مہربان تھا۔ تمہاری قسمت تھی کہ ہر بار تم بچ گئیں۔!

اب اپنے آپ کو حالات کی کسوٹی پر پرکھو مہتاب جنگ۔ ایک شخص تمہیں مذہبی طور پر نکاح کے بندھن میں باندھ کر تمہیں چھوڑ کر، جلا کر بھاگ گیا۔ اب تم مذہب کے اس حصار سے کب نکلوگی۔ کیسے نکلوگی۔ دنیا کی نظر سے، تم بھلے کنواری ہو۔ یا شادی شدہ ہو۔ جو بھی ہو صرف زن ہو ــ زن ــ جس کی وجہ سے، جس کے وجود سے کائنات میں رنگ بھی ہے۔ بیشک ہے! بے پناہ ہے، لیکن اس کی اپنی زندگی بے رنگ ہوتی ہے۔ اگر اس کا کوئی سہارا نہ ہو۔

اس سہارے کو اب گنوانے کی حماقت مت کرنا۔ زندگی کے اس مختصر دور میں تمہیں کتنے ہاتھ ملے جو سیدھے تمہارے دامن اور گریبان تک بڑھ گئے۔ تاکہ تمہاری عصمت کی دھجیاں اڑا دیں۔ تمہارے جسم کی بوٹی بوٹی نوچ لیں اور تمہیں بمبئی کے اس بازار میں بیسوا، طوائف، اور

"ارے آپ ہنستی بھی ہیں۔؟ بھئی ہم تو سمجھتے تھے کہ اس ہنسی نام کی شے سے آپ کا کوئی تعارف ہی نہیں ہے۔ آخر بات کیا ہے مس تابی۔ کیا ہماری باتیں آپ کو پسند آگئیں۔"؟

پھر گاڑی بڑھاتا ہوا بولا۔ اگر یہی رویّہ رہا تو خدا سے یقین ہے کہ ہم بھی پسند آہی جائیں گے ایسے بُرے بھی نہیں ہیں ہم۔" اور خود ہی ہنسنے لگا وہ بہت ہی خوش لگ رہا تھا۔

مس مہتاب جنگ۔ میں نے تمہیں مس کہہ کے مخاطب کیا ہے۔ تم جانتی ہو تم مس نہیں ہو مسز ہو۔ تم نے اپنی زندگی ایک سیلاب بلا کی مانند گذاری ہے۔ تم نے خوشیاں کم۔ شاید کم کا لفظ زیادتی ہے۔ خوشیاں دیکھی ہی نہیں ہیں۔ اب تک تمہارے حصے میں صرف غم ہی غم آئے ہیں۔ اس لئے کہ ایک ان دیکھے ہاتھ نے قلم ہاتھ میں لے کر تمہارے نصیب پر سیاہی پھیر دی۔ اب یہ اس سیاہی کے پردے پر چند سنہرے الفاظ نظر آ بھی رہے ہیں تو ان کی چمک بے معنی ہے۔ دنیا میں سر اونچا کر کے جینے کی لگن میں۔ اچھا مقام حاصل کرنے کی سعی میں، اچھی سروس اور کیریئر بنانے کی جستجو میں کئی جگہ تم نے خود کو مس بھی بنایا۔ مسز بھی بتایا۔ ڈاکٹر رضا ہمدانی کے ہاں مس بتانے میں تمہارا ایک مطلب تھا۔ کہ کہیں وہ تمہارا اندرونی تفصیلی چیک اپ نہ کروا دیں۔ اس پر تمہیں قائم رہنا بھی پڑا۔ اور تمہیں فائدہ بھی ملا۔ ایک ایسے شخص کی محبت تمہیں حاصل ہوئی جو اپنی ایک منفرد شخصیت اور مقام رکھتا ہے۔ وہ شخص جھوٹا ہو ہی نہیں سکتا، جو زندگی کی اتنی آسائشات، شان شوکت، نام نمود، عزت، شہرت، دولت رکھتے ہوئے بھی تنہا ہو۔ اس نے جس شرافت اور سچائی سے، تم سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا وہ تو اپنی جگہ ایک سب سے بڑا سچ تھا۔

بنا کر کھڑا کر دیں ۔ لیکن اس شخص نے کھلنڈرے پن کے سوا اور کوئی بے ہودگی اب تک نہیں کی ۔ یہ بھی اس کی عمر کا تقاضہ ہے اور شاید تم اچھی نوکری پانے کی لالچ میں اپنے آپ کو مس ۔ کنواری ظاہر نہ کرتیں تو شاید وہ تم سے اتنا فری FREE ہوتا بھی نا ۔ اور اس نے اس پیدا کرنے والے رب کی قسم کھا کر تمہیں یقین دلایا ہے کہ تم اس کی زندگی میں آنے والی وہ پہلی لڑکی ہو، جس سے اُس نے اس قسم کی باتیں کی ہیں۔ یعنی ۔ اظہارِ عشق کیا ہے ۔ وہ یہ بھی جانتا ہے اور اس بات کو سراہتا بھی ہے کہ تمہاری طرف سے کبھی کوئی ہلکی سی بھی، گری ہوئی بات نہیں ہوئی ۔ کوئی اشارہ نہیں ہوا جس سے تمہارے وقار پہ حرف آئے ۔ اسی لئے وہ تمہاری اتنی، بے پناہ عزت کرتا ہے ۔ اس دنیا کو غور سے دیکھو پچھلے واقعات سے عبرت پکڑو اور اس سہارے کو قبول کر لو ۔ یہ تھوڑے ہی ہے کہ تم یہاں رہ کر اپنی عزت گنوا دو گی ۔ اب تک تم اپنی آبرو، سنبھالے رہیں، خدا ساتھ ہے، آئندہ بھی سنبھالے رہو گی ۔ سوال صرف ایک ٹھکانے کا ہے ۔ وہ تمہیں بتا رہا تھا نا کہ اس کی ممّی دن رات اس کا پیچھا لئے ہوئے ہیں کہ "شادی کرو ۔ شادی کرو"۔ آج نہیں کل اس کی شادی ہو ہی جائے گی ۔ پھر تم اطمینان سے زندگی گذارنا۔"

مہتاب نے اپنے سر کو زور زور سے جھٹکا ۔

"اے اللہ ۔ میں ان خیالات سے کیسے چھٹکارا پاؤں ۔ کہاں جاؤں میں؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو جکڑ لیا ۔

سامنے "ناری سدھار گھر" کا پھاٹک نظر آ رہا تھا ۔

اس رات مہتاب بڑی رات گئے تک جاگتی رہی ۔ اے کاتبِ تقدیر... بڑی دور سے آواز آ رہی تھی ۔ پتہ نہیں کس صاحبِ ذوق نے یہ ریکارڈ لگا دیا تھا ۔ ایک بار دو بار ۔ تین بار ۔ بار بار وہی گیت بجے جا رہا تھا ۔ سننے

والے کا دل بھر ہی نہیں پا رہا تھا۔

پاپا کی ہنسی کی آواز۔!

"اجاڑ بند کر دیہ گانا۔ بہوت ہوا بس آپ کتے بار یہ گانا سنیں گے آغا"

اے کاتبِ تقدیر مجھے اتنا بتا دے۔ اتنا بتا دے کیوں مجھ سے خفا ہے

تو۔ کیا میں نے کیا ہے ؟

"آپ کو نئیں معلوم بجنے آرا۔ یہ اِنے سہگل گایا سو گیت ہے۔ جب تک موسیقی کی دنیا آباد ہے۔ یہ گیت بھی زندہ رہیں گا"

اوروں کو خوشی مجھ کو فقط درد رنج و غم دنیا کو ہنسی اور مجھے رونا دیا ہے

کیا میں نے کیا ہے....

"کائے کو تو بھی آپ ایسا گانا ہمیشہ ہمیشہ سنتیں۔ کون سی خوشی وہ مالک آپ کو نئیں دیا بول کے"؟

حصے میں سب کے آئی ہیں رنگین بہاریں بدبختیاں لیکن مجھے شیشے میں اتاریں پیتے ہیں لوگ روز و شب مسرتوں کی مے میں ہوں کہ سدا خونِ جگر میں نے پیا ہے کیا میں نے کیا ہے۔

کیوں مجھ سے خفا ہے تو کیا میں نے کیا ہے۔

"ائی توبہ توبہ کرو۔ اللہ کا شکر بھیجو۔ وہ کون سی بھی تو نعمت نئیں چھوڑا جو ہم نا ئیں دیا۔ یہ بھرے پڑے گھر میں آغا جب دیکھو تب ایسا نئیں سننا۔ بدبختیاں لیکن مجھے شیشے میں اتاریئں۔ بند کرو بولیتوں میں"۔

"آپ نا نئیں معلوم۔ اِنے اس گیت میں کیا ہے۔ وہ خالی سننے ہور محسوس کرنے کی بات ہے بیگم۔ بولنے بتانے کی نئیں۔ آپ بھی ذرا غور سے سنو"

تھا جن کے دم قدم سے یہ آباد آشیاں وہ چہچہاتی بلبلیں جانے گئیں کہاں جگنو

ہیں چمک ہے نہ ستاروں میں روشنی اس گھُپ اندھیرے میں ہے مری جان پر بنی۔ اس گھُپ اندھیرے میں ہے مری جان پر بنی۔۔۔۔۔

کیا تھی خطا کہ جس کی سزا تو نے مجھ کو دی

کیا تھا گنہ کہ جس کا بدلہ مجھ سے لیا ہے۔۔۔۔

"ابو ایو۔ آخا۔۔۔۔

بخت آرا۔ آپ نا معلوم نا۔ ہم اس زندگی میں دو اِچ اشخاص کے دیوانے۔ ایک علاّمہ اخبال ہور دوسرے سہگل۔ کائے کو ہم سے ہمارے خوشیاں چھینے"۔

پاپا ایک بار علاّمہ اقبال سے مل کر آئے تھے۔ کس قدر خوش تھے۔

"اب دنیا میں کوئی خوشی ایسی باخی نئیں رہی جس کی حسرت ہو"۔

وہ بیحد خوش ہو کر بولتے۔

ممّی انہیں چھیڑتیں۔

"کیوں اُنے سیگل سے نئیں ملنا کیا"۔

"نکوّ بیگم۔ وہ دونو دونو ہاتھ ہلاتے"۔ کسی بھی آرٹسٹ سے ملنا اپنے خاباں کو چکنا چور کرنا ایک برابر ہے۔ وہ جو اپنے دل میں اس کی عخیدت ہوتی وہ ذرّا سی بھی بات سے چکنا چور ہو جاتی۔ مئیں تو کبھی موخع آیا بھی تو سیگل سے نئیں ملوں گا"۔

"ہو تو پھر علاّمہ اخبال سے کائے کو ملے۔؟

مرتے پڑتے بھاگ کو علی گڑھ پہنچیں"۔

"بخت آرا۔ علامہ اخبال کو دنیا میں کسی سے بھی نہیں ملا سکتے۔ اُنوں تو ایک مینارۂ نور ہوتے ان کو ایک نظر دیکھ لئے تو آنکھاں کی بینائی بڑھ جاتی —— زندگی کا مخصد پورا ہو جاتا۔ کیا اُنوں کی شاعری ہور کیا اُنوں کے باتاں بولوں"۔

پھر اک دم وہ اُن سے اپنی ملاقات کا حال سنانے لگتے۔

"کِتا خیال والا، ہمت والا شخص ہوتا اُنے۔ یہ بڑے بڑے لائق، قابل انگریزاں کے سامنے ایسی ایسی وکالت، ایسے ایسے دلیلاں، ایسے بحثاں، انگریزی ہیں، اُتی روانی سے کرتا کی اُنے بھی دانتاں میں انگلیاں پکڑ کو بیٹھ جاتیں۔ انگریزوں سے نپٹنے کو تو ہمارے علامہ اقبال جیسی انگریزی آنا چاہیئے" وہ جوش میں آ کر بولتے۔

"بحث کرنے پو آتا ہے تو ہلا دیتا ہے میرا شیر انگریزوں کو" علامہ اقبال کے نظریۂ خودی کا ایک عجیب و غریب پہلو پاپا نے ڈھونڈ نکالا تھا۔ علامہ اقبال چونکہ بیحد روانی سے انگلش بولتے تھے اور انگریزوں سے ان کی اپنی مادری زبان میں بحث مباحثے کیا کرتے تھے اس لئے ان میں احساسِ کمتری نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ وہ برابری کی سطح پر انگریزوں سے ملتے اور بات چیت کرتے تھے۔ ان انگریزوں کے سامنے انہوں نے کبھی آنکھ نیچی نہ کی اور چونکہ بیحد تھیے اور روانی کے ساتھ انہی کی زبان اُن کے منہ پہ پھینک مارتے تھے اس لئے اکڑ کر بات کرتے تھے۔ عام ہندوستانیوں کے برعکس۔ جو انگریز کی "وِل" WELL سنتے ہی اِدھر اُدھر سر ہلانے لگتے تھے۔ پاپا کہتے تھے۔ انگریز صرف اپنی زبان کی وجہ ہم پو راج رچ رائے۔ نئیں تو وہ بھی انسان۔ ہم بھی انسان۔ کیا ہمارے کشمیر کے لوگاں گورے گھٹے نئیں تھے جو یہاں کے لوگاں یہ بولتے کی گوری چمڑی کی وجہ سے رول کرلئے۔ غلط بات۔ اصل میں اپنی زبان انگریزی کی وجہ سے رول کررئے یہاں وہ لوگاں۔ ہور اسی سے علامہ اقبال سے اُن کا دم نکلتا کی برابری سے اُنوں سے بحث مباحثے کرتا میرا شیر۔" اور اپنے اس نظریے میں وہ اس قدر پکے تھے یعنی یہ کہ چونکہ علامہ اقبال انگلش پر کمانڈر کھتے ہیں اسی لئے انگریز سے ٹکر لیتے ہیں اور

"خودی" کا سبق دیتے ہیں، کہ انہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ اپنے اور خاندان کے سارے بچوں کو بچپن ہی سے ڈائرکٹ انگلش میں، کانونٹ میں تعلیم دلوائیں گے۔ اردو، عربی، فارسی گھر پہ پڑھا لیں گے، لیکن دنیا میں سر اونچا کر کے جینا ہے تو انگلش پر حاوی ہو جاؤ" اور بعد میں مہتاب کے حق میں تو یہ بات سو فیصد صحیح ثابت ہوئی۔ اس نے سر اٹھا کے جینا اپنے پاپا کے اصولوں سے سیکھا اور اس میں انگلش کا، کہیں نہ کہیں بہت بڑا رول تھا۔

قدم قدم پہ پاپا کی یاد آتی تھی۔ ممی تو ماں ہی تھیں۔ نو ماہ پیٹ میں رکھ کر اپنا خون، دودھ کی شکل میں پلا کر پالنے والی۔ مصیبتیں اٹھانے والی۔ لیکن پاپا۔! انہوں نے اسے پھولوں سے بھی بڑھ کر رکھا تھا۔ کتنی CARE لئے تھے اس کی۔ اس کی ہر بات میں، ہر شوق میں پیش پیش رہتے تھے۔ ہمیشہ کہتے۔

"کوئی بھی شوخ ہو۔ اعلیٰ ہو۔ اب ہم نا دیکھو پسند کرے تو کس کو سیگل کو"۔

"پاپا وہ سیگل نہیں ہے۔ سہگل ہے" وہ تصیح کرتی تو اسے لپٹا لیتے۔ بیٹے اُنے اس کو سیگل بولو یا سہگل۔ وہ زندہ جاوید شخص ہے ہو روہ بھی اس واسطے کی اُنے یہ گیت گایا نا۔

اے کاتبِ تقدیر مجھے اتنا بتا دے۔

وہ زور سے چیخ مار کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا ہوا بی بی"، اُجالا جو ہمیشہ اس کے بازو ہی سوتی تھی، تیزی سے اُٹھ بیٹھی۔ کوئی سپنا دیکھا کیا" وہ جلدی جلدی پینٹری میں گئی، پانی لے کر آئی اور بولی۔"بی بی میں تم کو کتنی بار بولی کہ ہم میں رات کو سوتے سمے ہری سمرن

رام نام جاپ کرتے۔ تم بھی اپنے دھرم کے انوسار کچھ پڑھ کر سویا کرو۔ ڈراؤنے سپنے نہیں دکھتے۔"

"اُجالا۔" مہتاب اپنے اتھل پتھل بے قابو دل کو تھامتے ہوئے بولی۔ "میں آج تمہیں اپنی زندگی کی کہانی سناؤں گی۔"

اُجالا کچھ نہ بولی۔ کتنی بار اس کا جی چاہا تھا کہ اس اپسرا جیسی سندر، اُداس اُداس رہنے والی لڑکی سے اس کے اتیت، اس کے ماضی کے بارے میں پوچھے۔ لیکن اس کا پڑھا لکھا ہونا ہمیشہ اُجالا کو ڈرا گیا۔ وہ مہتاب سے دیوانگی کی حد تک محبت کرتی تھی، لیکن اس سے زیادہ اس کا احترام کرتی تھی۔ اس کی شخصیت، خاندانی وقار، اندازِ گفتگو اور سب سے بڑھ کر اس کے تعلیم یافتہ ہونے نے، مہتاب کی شخصیت کے گرد ایک ایسا نورانی ہالہ۔ ایسا حصار باندھ دیا تھا کہ اُجالا اس کے بہت قریب جانے کی ہمت اپنے میں نہیں پاتی تھی۔

آج اسے ایسا لگا کہ پہلی بار مہتاب نے اس کی محبت کا جواب اُتنی ہی شدید سچی محبت سے دیا ہو۔

مہتاب اُجالا کا ہاتھ تھام کے اندھیرے کاریڈور سے ہوتے ہوئے اُسے بیک یارڈ میں لے آئی۔ کچن کے پچھواڑے کا بلب رات بھر جلتا تھا کہ چور اُچکے سبزیاں نہ توڑ لے جائیں۔ برآمدے کی ٹھنڈی ٹھنڈی سیڑھیوں پر بیٹھ کر مہتاب پہلے تو اجالا کے گلے لگ کر خوب پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ اس کے بعد سسکیوں کے بیچ میں، رُک رک کے، ٹھہر ٹھہر کے رو رو کے اس سے کہنا شروع کیا۔

"میں اس خاندان کی بیٹی ہوں جو حیدرآباد دکن میں اپنی اعلیٰ نسبی اور امارت کے لئے دور دور مشہور تھا۔

جانے کتنی ساعتیں۔ کتنے ماہ و سال، کتنی صدیاں گذر گئی تھیں کہ وہ ماضی

کے اوراق الٹتی رہی اور قطرہ قطرہ آنسو جمع ہو کر اُجالا کے سینے میں سمندر بن گئے۔

وہ اپنے لئے کبھی نہیں روتی تھی۔ آج وہ اس لڑکی کے لئے رو رہی تھی جو اس کی نظر میں اس سے بھی زیادہ مظلوم اور دکھی تھی۔

وہ ذرا سنبھلی تو اپنے آنسو ساڑی کے پلّو میں جذب کرتے ہوئے بولی۔

"بی بی۔ تم ڈاکٹر صاحب سے شادی کرلو۔"

مہتاب بری طرح چونک گئی۔ اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

دیکھ اجالا تجھے نہیں پتہ ہوگا۔ ہم مسلمانوں میں نا۔ جب تک طلاق نہ ہو جائے، دوسری شادی، عورت کی، نہیں ہو سکتی۔ مرد کی تو ہو سکتی ہے لیکن عورت ایسا نہیں کر سکتی۔ اور میں تجھے بتا چکی کہ میں شادی شدہ ہوں۔ وہ کچھ رکی اور پوچھا۔" لیکن اُجالا، اس وقت میری زندگی میں دو لوگ ہیں، جو مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ تو نے ڈاکٹر صاحب کا نام کیوں لیا۔"؟؟

اُجالا کو وقت اور تجربات نے کتنی ساری باتیں سکھا دی تھیں۔ وہ سو برس کی عمر کا تجربہ سمیٹ کر بولی۔

"بی بی۔ احمد صاحب کتنا بھی تمہیں چاہتے ہیں، ان کا ایک پریوار ہے۔ خاندان ہے۔ بھگوان سلامت رکھے، ماں ہے، بہنیں ہیں۔ اُن سب کو منانا، سنبھالنا۔ تم آسمان کا چندرماں ہو، کتنی بھی اونچی ہو، ماں جی کے گلے سے یہ بات نہیں اترے گی کہ تم شریف ہو۔ "ناری سدھار گھر" کی چھاپ جیون بھر تمہارے ماتھے سے کلنک کے ٹیکے کی طرح چپکی رہے گی۔ وہ کیسے تمہیں بہو بنالیں گی جب کہ ان کے پاس عزت ہے، روپیہ ہے۔ تم نے کہا ہے ان کے پاس گاڑیاں ہیں۔ بنگلہ ہے۔ بڑا کاروبار بزنس ہے۔ ایسے لوگوں کو بیٹیاں دینے کے لئے لوگ لائن بنا کر کھڑے رہتے ہیں۔ بیٹے سے آج کل، تم کہہ رہی ہو، وہ بیحد کہتی رہتی ہیں کہ شادی کرلے۔

اور انہوں نے کوئی نہ کوئی لڑکی پسند ضرور کر رکھی ہوگی یا نہ بھی کی ہوگی تو بہر حال وہ "ناری سدھار گھر" کی تو نہیں ہوگی ۔

ایسے مت دیکھو بی بی مجھے ۔ میں کڑوے بول نہیں بول رہی ۔ دنیا کی ہوتی ہوئی باتیں بتا رہی ہوں ۔ ماں اپنے بیٹے کی ضد سے مجبور ہو کے ایسی شادی کی اجازت دے بھی دیں گی تو کیا وہ عزت، مان، مریادا بھی تمہیں مل جائے گی جو ایک خاندانی بہو کو ملتی ہے ۔ ؟ ؟ تم اُس گھر میں سر اٹھا کر کبھی نہیں جی سکو گی بی بی ۔

دوسری طرف ڈاکٹر صاحب ہیں ۔ وہ سماج سدھارک ہیں، وہ خود غریبوں، مجبوروں اور لاچاروں کی سیوا کا کام کرتے اور اسی میں رُچی رکھتے ہیں ۔ ان کے آگے پیچھے کوئی نہیں ۔ وہ اپنی مرضی کے مختار ہیں ۔ اور جب وہ ان تمام باتوں کو، تمہارے اتیت کو، پچھلے جیون کو، تمہارے "ناری سدھار گھر" میں رہنے کو، جانتے بوجھتے جب تم سے ودواہ کرنا چاہتے ہیں تو ایسا آدمی دیوتا سمان ہوتا ہے ۔ ان سے بڑھ کر تمہیں جیون میں چاہنے والا کوئی نہیں ملے گا ۔ اس لئے بھی کہ وہ ٹھہری ہوئی عمر کے آدمی ہیں، جب کہ پرُش زیادہ سوچتا اور سمجھتا ہے اس عمر میں ۔ اور اس عمر کے فیصلوں پر آدمی پچھتاتا نہیں ہے" ۔

مہتاب خاموشی بیٹھی رہی ۔ اُجالا خود ہی بولی ۔ "لیکن بی بی بھگوان نہ کرے تم ۔ میرے منہ میں مٹی ۔ فرض کرو وہ لڑکا جس سے تمہاری شادی ہوئی ہے، مر ہی جائے ۔ تمہیں تو پتہ بھی نہیں چلے گا ۔ چلو زندہ رہے تو یہ آس ہے کہ کبھی مل بھی سکتے ہیں، جو کہ ویسے بھی اسمبھو ۔ ممکن نہیں ہے، لیکن چلو ہم تھوڑی دیر کے لئے سوچ تو سکتے ہیں کہ شاید کبھی مل جائے ۔ لیکن مرے ہوئے کی آس میں ساری زندگی یونہی گنوا دو گی ۔ تم اپنا جانے دو، پرنتو دوسری کسی استری کے ساتھ اپنا واقعہ گذرے تو وہ کیا کرے گی ۔ اس میں تمہارا دھرم کیا کہتا ہے" ۔

"اگر چار سال تک کوئی شوہر لاپتہ ہو جائے تو ایسا کہتے ہیں کہ شادی خود بخود ٹوٹ جاتی ہے مطلب اس کے بعد لڑکی شادی کر سکتی ہے"۔

اُجالا سر پہ ہاتھ مار کر بولی۔ "دیا رے دیا۔ چار سال!! بی بی سچ میں تمہارے ساتھ بھاگیہ نے بڑا انیائے کیا ہے"۔

مہتاب نے اس کا غمزدہ چہرہ دیکھا تو اس کا دل بڑھانے کی خاطر ذرا سا مسکرا کر بولی۔

"اب تو اتنا غم بھی مت کر۔ تو ساتھ ہے نا تو غم۔ غم نہیں لگتا"۔

"مگر بی بی میں تمہیں ایک بات سمجھاؤں گی۔ ٹالنا مت۔ احمد صاحب کے ہاں کی نوکری قبول کر لو"۔ ایسا کہتے کہتے اس کا چہرہ بجھ سا گیا تھا"۔ کیا میں زندگی بھر تمہارے ساتھ تھوڑی ہی رہوں گی۔ تو بھگوان نے ایک اوسر دیا ہے جیون بدلنے کا۔ تو پھر مجرمت کرو بی بی۔ یہ "ناری سدھار گھر" کوئی گھر ہے کیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مصیبت کی ماریوں کو ٹھور ٹھکانہ، دو وقت کا پانی دانہ مل جاتا ہے پر نتو بی بی یہ جیون کوئی جیون ہے کیا"؟

"اچھا۔ مہتاب نے اسے آزمانے کی خاطر پوچھا"۔ فرض کر، میں اسی جگہ یونہی رہتی رہتی اور تجھے ایسا کوئی چانس ملتا، اچھی نوکری ملتی تو تو مجھے چھوڑ کر چلی جاتی"؟

اُجالا نے اک دم منہ پھیر لیا اور آواز کو مضبوط بنا کر بولی۔

"بالکل چلی جاتی"۔

اس نے یہ تین الفاظ کس قدر اذیت سے جانے کتنے جنموں کی شکستی سمیٹ کر کہے ہوں گے!!

مہتاب نے اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ پھول کی طرح سینت سنبھال کر اٹھایا۔

"بالکل چلی جاتی۔ ؟؟ پھر یہ بات کہتے ہوئے تو نے چہرہ میری طرف سے کیوں موڑ لیا تھا۔" ؟

مہتاب کی آواز شکستہ ہو رہی تھی۔

اُجالا ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اس لئے بی بی کہ تم موہ بھی ہو اور مایا بھی۔ میرے لئے سب کچھ تم ہی ہو۔ لیکن موہ مایا سے بھی تو منش کو ایک دن ٹوٹنا ہی پڑتا ہے۔" !!

وہ اپنے آنسوؤں کو اپنے آنچل میں جذب کرتی ہوئی بولی۔

"بی بی اب میں تمہیں یہاں ایک پل بھی نہیں رہنے دوں گی۔ بس کل ہی تم احمد صاحب کے گھر چلی جانا۔ گھر آئی لکشمی کو ٹھکراتے نہیں ہیں۔ بھگوان جانے وہیں تمہارے نصیب کی باقی خوشیاں رستہ دیکھ رہی ہوں۔ پھر وہ بھاری دل سے مسکرا کر بولی۔

"میں سو ٹھم تمہیں کل گاڑی میں چڑھاؤں گی۔"

لیکن اُجالا یہ پریم بھری رسم اپنے ہاتھوں انجام نہ دے سکی۔

اگلی رات اُجالا نے کپور کا خون کر دیا۔ اور جب مہتاب "جنت نگاہ" کے لئے "ناری سدھار گھر" سے روانہ ہوئی اُجالا جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھی۔

مہتاب پے در پے ذہنی صدمات سے اس قدر نڈھال اور بے دم ہو چکی تھی کہ اس کے ذہن نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی کھو دی تھی۔

وہ بہر حال اُجالا سے ملے بغیر نہیں جا سکتی تھی۔ اس نے ٹیکسی جیل کی طرف مڑوا لی۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔

آنکھیں جو جذبوں کی پہچان رکھتی ہیں۔ جو دلوں میں اترنے کا فن جانتی ہیں۔

جو، گو کہ باتیں نہیں کر سکتیں، لیکن بڑی زبان دان ہوتی ہیں۔ وہی اس وقت بول رہی تھیں۔ وہ دونو خاموش تھیں۔

مہتاب۔ اچانک ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔

اُجالا سلاخوں سے باہر ہاتھ نکال کر اس کے آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔

"بی بی۔ آنسوؤں سے اب سدا کے لئے دشمنی مول لے لو۔"

"اُجالا۔ اُجالا۔" مہتاب اس کا نام لیتی جاتی تھی بس۔ بات منہ سے نکل نہیں پاتی تھی۔

"میں نہیں روتی بی بی۔ تم کیوں روتی ہو۔"

وہ بظاہر مضبوط بن کر بولی۔

"اُجالا۔ تو نے یہ سب کیوں کیا اُجالا۔ ایسے ہی کون سی بڑی اچھی زندگی تو نے گذاری تھی کہ اب۔

"بی بی۔ وہ حوصلہ بھرے لہجے میں بولی۔

"بی بی۔ تمہیں پتہ نہیں وہ شیلا کے ساتھ کیا کچھ کر رہا تھا۔ پھر وہ نفرت سے بھرپور لہجے میں سنانے لگی۔

"شیلا کو آئے ابھی آٹھ دن بھی نہیں ہوئے بی بی۔ تمہیں پتہ ہو گا وہی آدھ جلی لڑکی، جو تین مہینے کی گربھ وتی بھی ہے۔ اس کے پتی اور ساس نے اس کے ماں باپ کے گھر سے ریڈیو اور سائیکل لانے کو کہا۔ بار بار کہا، لیکن اگر پیسے ہوتے تو وہ جہیز میں وواہ کے سمے ہی یہ سب کچھ نہ دے دیتے؟ اس کو تقریباً روزانہ مار پڑتی تھی۔ ایسے میں وہ پیٹ سے بھی ہو گئی۔ اس کی صورت دیکھی بی بی۔ کیسی موتیئے کے پھول جیسی پوتر اور کھلی کھلی لگتی ہے۔ کم بختوں نے جلایا تو نیچے کا دھڑ اور سیدھا ہاتھ جلے۔ چہرہ تو جوں کا توں پھول رکھا ہوا ہے۔ اور تم جانو

بی بی گربھ وتی ناری کے مونہہ پر جو روپ اترتا ہے وہ سوئم بھگوان کے ہاتھ کا مَلا چندن اُبٹن ہوتا ہے۔"

"جانتی ہوں اُجالا۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔" حسرت زدہ لہجے میں مہتاب نے کہا۔

"وہ جلے بعد ہسپتال میں تین مہینے پورے رہی بی بی۔ وہیں اسے پتہ چلا کہ دن چڑھ گئے ہیں۔ بھگوان کی لیلا دیکھو بی بی بچے کا پورا دھڑ جلا مگر گربھ پر آنچ نہیں آئی۔ اب ہسپتال سے چھوٹ کر یہاں آئی تو کپور تو جیسے اُسی کے انتظار میں تھا۔ میں شروع دن سے اس کی ٹوہ میں تھی۔" وہ نفرت سے سلگ رہی تھی۔

بی بی میں سخت اچنبھے میں تھی کہ اس حرام زادے نے تھان پہ بندھی گائے بھینس تک کو نہیں چھوڑا، سڑک چلتی کتیا کو نہیں چھوڑا، تو تم پر کیسے ہاتھ نہیں ڈالا۔ کل رات کو جو تم نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب سے تمہاری جان پہچان کی وجہ تم اس جگہ آئی ہو تو مجھے سمجھ آگئی کہ ڈاکٹر صاحب کا اتنا اونچا نام ہے اور تم انہی کی بھیجی یہاں آئی ہو تو اس کی ہمت نہ پڑی کہ تمہاری اور نظر اٹھا کر بھی دیکھے نہیں تو بی بی میں اب کیا بتاؤں۔" وہ تھوڑی دیر رُکی پھر غصّہ سے بولی۔

"پُرش جانور ہی ہوتا ہے، لیکن بی بی جانور بھی کبھی کبھی نرمی دکھا جاتا ہے۔ ارے بی بی شیلا کے ابھی گھاؤ بھی پورے پورے نہیں بھرے ہیں۔ اوپر سے پیٹ میں بچّہ۔ اس کو ذرا بھی دَیا نہیں آئی ہو گی بی بی۔؟ اتنی کومل، بھولی بھالی بچی کو کیا کیا نہیں ستایا ہو گا کہ میں اس کی چیخوں پہ باہر والے ورانڈے کو بمشکل پھلانگتی بھاگتی آفس سے لگے کمرے تک پہنچی تو چوکھٹ سے خون کی ندی بہہ کر باہر تک آرہی تھی۔ ! میں نے دھڑ دھڑا کر دروازہ کھولا تو سانڈ کی طرح جھومتا کھڑا تھا۔ اندر سے کنڈی تک نہیں لگائی تھی۔ نیچے شیلا گری پڑی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی

پانی کی خالی دو تین کانچ کی بوتلیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک بوتل دیوار پر مار کر ایسے توڑی کہ نوکوں کا پھول سا بن گیا۔ میں نے وہ نوکیں اس کے سینے میں اتار دیں۔ دوسری بوتل توڑ کے، اس کے پیٹ میں گھسا دی۔ تیسری بوتل توڑ کے اس کا چہرہ بگاڑ دیا۔ میں شیلا کے چہرے کو دیکھ کر پاگل جیسی بن گئی تھی۔ وہ میری کوئی نہیں لگتی لیکن میں اس پر ہونے والا یہ انیائے نہیں سہن کر سکی!"

مہتاب غم۔ اور غم سے زیادہ آنسوؤں سے بوجھل آواز میں بولی۔ "اور شیلا بھی نہیں رہی۔"

"شیلا مر گئی۔" اُجالا سہمے سہمے انداز سے بولی۔ ہاں اسے مرنا ہی چاہیئے تھا۔ ساری جان کا خون ہو گیا تھا۔" اُجالا نے اپنے ہاتھ غم کی شدت سے سلاخوں پر مارے۔ "لیکن ہے بھگوان کس تکلیف سے مری ہوگی۔" پھر اک دم ہسٹریائی انداز میں ہنس کر بولی۔

"لیکن جس حرام زادے نے اسے مارا، اسے میں نے مار دیا بی بی۔ میں نے۔ میری آتما پہ بوجھ تو نہیں کہ ایک ناری کو تڑپتے دیکھا اور اس کے لئے کچھ کر نہ پائی۔"

"اب تم کیا کرو گی اُجالا؟" مہتاب نے گویا کنوئیں کی گہرائی میں سے پوچھا۔

"میں؟" وہ پاگل پن کی سی ایک رو میں جیسے بہہ کر بولی۔ دانت پیس پیس کر۔

"میں کیا کروں گی — مجھے اب کیا کرنا ہے۔ میرے سارے کام ختم ہوئے۔ اب، جیون بھر جیل میں بیٹھ کر چکی پیسوں گی۔ یا ایک ہی جھٹکے میں خاتمہ۔ مگر سنتی ہوں کہ سرکار عورتوں کو پھانسی نہیں دیا کرتی۔ بڑی دیالو سرکار ہے۔ کتنا کچھ کرتی ہے ناری ادھار کے لئے۔" وہ بے حد تلخ ہو رہی تھی۔ پاگل پن کی حد تک۔

مہتاب نے دھیرے سے پوچھا۔ "اُجالا۔ تمہارے لئے ڈاکٹر صاحب سے بات کروں؟"

اُجالا کے چہرے پر ایک درد سا پھیل گیا "کیا بات کروگی ۔؟ مجھے معافی دلواؤگی؟ ہاں مجھے معافی مل بھی سکتی ہے کیونکہ شیلا مر گئی ہے نا ۔ عدالت سوچے گی اس نے شیلا کا موہ کیا ۔ تو اُجالا نے کیور کا خون کر دیا ۔ ہاں معافی مل سکتی ہے ۔ پرنتو مجھے ایک بات سمجھا دو بی بی ۔ تم تو بہت پڑھی لکھی ہونا ۔ ناری سدھار گھر اور جیل میں میرے لئے کیا فرق ہے ۔؟ یہاں رہی وہاں رہی، ایک برابر ہے ۔ وہیں کون سے میرے چاہنے والے بیٹھے ہیں جو یہاں نہیں ہیں ۔"

"لیکن اجالا ۔ زندگی میں آس بڑی روشن چیز ہے ۔ تم زندگی کی طرف پلٹ کر تو دیکھو ۔ میں ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں نا ۔ تمہیں معافی مل جائے گی اُجالا ۔ تمہارا کیس بہت مضبوط ہے کہ ایک لڑکی کی جان اور آبرو بچانے کے لئے تم نے یہ قتل کیا ہے ۔"

"میں بیان دے چکی ہوں ۔"

"اس کے باوجود تم چھوٹ سکتی ہو ۔ میری خاطر اُجالا ! تم تو بڑی محبت والی دوست ہو میری ۔"

"میں خود تم سے پوچھا کرتی تھی بی بی کہ اتنے سارے دکھ بھوگنے کے بعد بھی اس جیون کا موہ کیوں نہیں چھوٹتا کیوں جیوت رہنے کو جی چاہتا ہے ۔ لیکن اس سنسار کے جھمیلے، انیائے اور کٹھورتا دیکھ کے اب میں تھک گئی ہوں بی بی ۔ ٹوٹ پھوٹ گئی ہوں ۔ اب تو بھگوان اٹھا ہی لے تو مکتی اور شانتی ملے ۔"

"پھر میں کس کے کندھے پہ سر رکھ کے روؤں گی ۔ اُجالا ۔" مہتاب نے ہچکی لی ۔ میرا تو تمہارے سوا کوئی بھی نہیں ہے ۔"

اُجالا سسک سسک کر رونے لگی ۔ پے در پے حادثات نے اس کے جسم

کا خون، پانی سب خشک کر دیا تھا۔ وہ اپنے سارے کرب کے ساتھ رو رہی تھی۔ سسکیاں نکل رہی تھیں لیکن آنکھیں بے آب تھیں۔ ہم لوگوں میں پنر جنم ہوتا ہے نا بی بی۔ میں نہیں رہی تو کیا ہوا۔ میں تمہیں وشواس .... دلاتی ہوں بی بی میں تمہاری کوکھ سے جنم لوں گی۔ تمہاری آتما میں گھل مل کر رہوں گی۔ پر بھگوان کے لئے میرا نام اُجالا مت رکھنا بی بی۔...

مہتاب لوگوں کے آنے جانے کا خیال کئے بنا، پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"تم نے مجھ سے کل رات ہی کہا تھا نا بی بی کہ تمہیں بچوں کا بیحد شوق اور ارمان ہے۔ اور تم نے یہ بھی کہا تھا دنیا والے لڑکا مانگتے ہیں، مجھے لڑکی کی آرزو ہے کہ بیٹی ماں کا سہارا ہوتی ہے۔ میں بھگوان سے تمہارے لئے پرارتھنا کروں گی بی بی کہ وہ تمہیں خوب سارے بچے دے۔ ان بچوں کے روپ میں اتنی خوشیاں دے کہ تم مجھے بھول جاؤ۔"

"تم میری زندگی میں جب سے آئیں میں نے کبھی خود کو بدنصیب نہیں جانا۔ میں بھول گئی تھی کہ میں نے کبھی غم بھی اٹھائے ہیں۔ تم نے مجھے وہ محبت وہ مسراہٹ دی کہ زندگی پہ سے اٹھا ہوا ایمان پھر سے پلٹ آیا۔ میں تمہیں کیسے بھول جاؤں گی۔

"اُجالا۔" وہ چپ چاپ سوچ رہی تھی۔

شیو اور پاروتی ایک دفعہ آکاش پر اپنے رتھ میں بیٹھے اڑے چلے جا رہے تھے۔

"پربھو۔ آپ دین دکھیوں پر ترس کیوں نہیں کھاتے۔" پاروتی استری تھیں۔ زیادہ نرم دل تھیں۔ سڑک پر نیچے ایک فقیر بھکاری کو جاتا دیکھ پتی پرمیشور سے شکایتی لہجے میں بولیں۔

"پاروتی۔ شیو رسان سے بولے"۔ سب اپنے اپنے لیکھ کا لکھا پورا کرتے

ہیں۔ سب سے بڑی سچائی تو بھاگیہ ہے۔ اِزرجہ بھاگیہ میں لکھا ہے وہ اوش پورا ہو کر رہتا ہے۔"

"میں نہیں مانتی یہ بھاگیہ واگیہ۔" وہ ذرا ضد کے کرارے سے بولیں۔ سارا کچھ تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اب اس بھکاری کو دیکھئے لیا آپ، اس کے بھاگیہ نہیں بدل سکتے۔"

"نہیں پاروتی نہیں۔ اس کے بھاگیہ میں سدا بھکاری ہی رہنا لکھا ہے۔ یہ برہما کا لکھا لیکھ ہے، جو پورا ہو کر رہے گا۔"

"میں آپ کی اتنی سیوا کرتی ہوں۔ سارا جیون آپ کے نام ارپن کر دیا ہے۔ کیا میری اتنی سی اچھا پوری نہیں کریں گے۔ ایک سونے کی مہروں سے بھری تھیلی اس بھکاری کے آگے ٹپکا دیں سارا جیون سکھ سے بتائے گا۔" پاروتی اب بھی ضد کر رہی تھیں۔

"شاستروں میں استری کو جو بدّھی سے دور لکھا گیا۔ وہ ستیہ ہے۔ پاروتی تو یہ نہ سمجھے کہ پتی پرمیشور ایک چھوٹی سی اِچھا بھی پوری نہ کر سکے۔ لے۔ دیکھ، میں نے تیرے کہنے پر یہ تھیلی پھینکی۔"

پاروتی نے اپنے اڑن کھٹولے سے بیٹھے بیٹھے خوشی خوشی دیکھا کہ تھیلی بس نیچے ہی نیچے گری جا رہی ہے۔

اسی سمے بوڑھے بھکاری نے سوچا۔ "ہو سکتا ہے کی چند سال بعد میں اندھا ہو جاؤں تب میں کیسے جیون گذاروں گا اور کس کے سہارے چلوں گا۔ بس یہ کروں کی آج ہی سے آنکھیں بند کر کے چلنے کا ابھیاس کرتا ہوں کی بھوش میں کٹھنائی نہ جائے اور آنکھیں بند کر کے چلنا سیکھ جاؤں تو اندھا ہونے پر بھی ٹھیک سے چل پاؤں۔"

اب اس نے ابھیاس کی خاطر آنکھیں بند کر کے چلنا شروع کیا ہی تھا کی شیو جی کی پھینکی ہوئی تھیلی عین اس کے پیروں میں آکے گری۔ پرنتو وہ آنکھیں بند کئے آگے

ی آگے بڑھتا گیا اور تھیلی یوں پیچھے پڑی رہ گئی۔

پاروتی نے کلپ کر اپنے پتی پرمیشور کو دیکھا۔

"ہائے ہائے۔ وہ تو آنکھیں موندے موندے آگے ہی آگے نکل گیا۔ سونے کی مہریں تو پیچھے ہی رہ گئیں۔"

شیوجی مسکرائے اور بولے۔" پاروتی۔ وہ آنکھیں موندتا نہ موندتا۔ سونے کی مہریں اس کے بھاگیہ میں نہیں تھیں۔ برہما نے پہلے ہی لیکھ لکھ دیا تھا کہ جب مہریں اس کے چرنوں میں گریں تو اس کی آنکھیں بند ہوں۔ سو آنکھیں بند رہیں اور بھاگ کا لکھا پورا ہوا۔ مہریں کہاں سے پاتا۔"؟

مہتاب جنگ۔ زندگی کے راستے پر چلتے چلتے سونے کی اشرفیاں، خوشیوں کے لمحے تمہارے راستے میں پھینکے گئے تھے تو تم نے آنکھیں کس جگہ بند کر لی تھیں۔؟ کیا تم تھوڑی دیر اور آنکھیں کھلی نہیں رکھ سکتی تھیں کہ خوشیوں کے جگنو مٹھی میں بند کر لیتیں۔؟

ہندی کی مس نے جب خالی پیریڈ میں یہ کہانی سنائی تھی تو سب لڑکیاں بولی تھیں "بکواس ہے اِنے سوب۔ ایسے کیسے نصیباں ہوتے۔ سوب اپنے ہاتھاں میں ہوتا۔"

وہ بھی انہی حوصلہ مند، سرکش، پھر بھی معصوم اور تخیل سے پُر لڑکیوں میں سے تھی جو خواب بننے میں یقین رکھتی ہیں۔

"زندگی کے کس موڑ پر۔ کس دوراہے پر کہاں۔ کس جگہ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں اے خدائے بزرگ و برتر کہ ہر ہر خوشی میرے ہاتھوں سے آکر نکل گئی۔"!

"اُجالا بھی تو میری ایسی ہی ایک خوشی تھی مالک۔!

"بی بی۔ وہ حوصلہ مند لڑکی اتنے دُکھ جھیل کر بھی مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"بی بی ۔ میں بھگوان سے پرارتھنا کروں گی کہ وہ تمہیں ڈھیر سارے بچے دے۔ میں بار بار یہ بات اس لئے دہرا رہی ہوں بی بی کہ مجھے پتہ ہے۔ بلکہ تم نے اب بتایا تو پتہ چلا کہ تمہیں بچے کتنے پیارے ہیں . . .

مہتاب کو بچے اس قدر پیارے تھے کہ وہ اپنے گھر کے آس پاس کے بچوں کو جمع کر کے خالی وقتوں میں بس انہی میں لگی رہتی تھی ۔ گھر میں دو تین نوکر اور بھی تھے، لیکن اس کی خاص الخاص دہلی والی سیدانی مغلانی اماں اس کی نگراں بھی تھیں۔ گورنس بھی اور دوست بھی ۔

"مغلانی اماں ۔ میرا شادی وادی کرنے بالکل جی نہیں چاہتا، لیکن بچے مجھے اتنے پیارے لگتے ہیں کہ جی چاہتا ہے خوب ڈھیر بچے پیدا کروں ۔"

"ایسا نہیں کہتے بی بی ۔ بری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے ۔"

"بچے پیدا کرنے سے ۔"؟

"نہیں بی بی ۔ شادی نہ کرنے کی بات پہ ۔ یہ تو سنتِ رسول اللہ ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مجسم کہ آپ پہ لاکھوں درود اور لاکھوں سلام نے فرمایا ہے کہ "جس نے نکاح نہیں کیا، وہ مجھ سے نہیں ۔"

"ارے واہ اماں ۔ یہ اسلام کے پانچ فرائض میں سے تھوڑی ہے ۔"

"نہیں ہے بیٹا ۔ وہ بڑی نرمی سے بولیں ۔" لیکن بیٹا یہ تو سوچو شریعت کیا ہے ۔ اسلام شریعت کے بغیر مکمل نہیں ہے میری جان ۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ ارکان اسلام کے بتائے ہیں ۔ لیکن اتنی ساری باتیں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سکھا گئے ہیں وہ بھی تو دین میں ہی شامل ہیں نا ۔ بیٹا نکاح کرنے سے مرد عورت بہت سے گناہوں سے بچے رہتے ہیں ۔"

وہ ان کے گلے میں باہیں ڈال کر جھول گئی ۔

"کیا میں بُری لڑکی ہوں اماں ۔ میں گناہ کروں گی آپ کے خیال سے"
وہ اس کے ماتھے کو چوم کر بولیں ۔ "میری بیٹی تو فرشتہ ہے ۔ بی بی مریم کا دوسرا روپ ہے۔۔۔۔
"ارے اماں ۔ اگر میں بھی اللہ میاں سے بی بی مریم کی طرح بنا شادی کے ایک بچہ مانگ لوں تو ۔ ؟؟
"نا بیٹا نا ۔ پیغمبروں کی باتیں پیغمبروں کے ساتھ گئیں ۔ ہم تم تو خاکی بندے سیدھے سادے انسان ہیں ۔ اللہ رکھو تمہاری شادی ہو گی پیارے پیارے بچے ہوں گے۔"
"اماں مجھے بچوں کا اتنا شوق ہے ۔ اتنا شوق ہے کہ جی چاہتا ہے مجھے روزانہ ایک بچہ ہو، اور میں۔۔۔
"توبہ توبہ ۔ معلانی اماں گالوں پر ہاتھ مارتی ہوئی بولیں" کنواری بچیاں اپنی شادی اور بچوں کی ایسے کھلے عام باتیں نہیں کیا کرتیں ۔ کوئی سُنے گا تو کیا کہے گا۔"؟؟
وہ بُرا مان گئی ۔ "ارے اماں میں کون سا ساری دنیا کے سامنے ڈھنڈورہ پیٹ رہی ہوں بس آپ ہی کے سامنے تو کہہ رہی ہوں نا ۔ آپ میری سب سے اچھی اور پیاری والی دوست نہیں ہیں کیا"؟؟
"وہ تو ہوں بیٹا لیکن دنیا"۔۔۔۔
"دنیا کیا دنیا اماں ۔ مجھے بس آپ چاہئیں ایسی باتیں سنانے کے لئے ۔ ہاں تو اماں مجھے خاص طور سے بیٹیاں بڑی پیاری لگتی ہیں ۔ اور اماں سوچئے میری چھوٹی سی خوب گوری، موٹی سی سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والی بیٹی ۔ میں اس کے دونو کانوں کے اوپر چھوٹے چھوٹے پونی ٹیل باندھوں گی اسے گلابی رنگ کی فراک پہناؤں گی ۔ چھوٹے چھوٹے پیروں میں گلابی گلابی جوتے ۔ ہائے اماں بچوں کی ساری چیزوں میں بس مجھے یہ ننھے منھے جوتے مار ڈالتے ہیں ۔ سو کیوٹ اماں ۔ اماں پتہ ہے مجھے کیا

لگتا ہے کہ اولاد کے لئے ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے نا۔ مجھے لگتا ہے کہ ماں کے لئے ان ننھے منھے جوتوں میں جنت ہوتی ہے۔"

وہ پیار سے اسے سمجھا کر بولیں۔ "ایسی باتیں نہیں کرتے میری بچی۔ اگر کوئی سن لے۔۔۔

"کوئی کون۔؟ وہ غصہ سے بولی۔ ممّی پاپا۔"؟

نا بیٹی۔ ماں باپ تو خداوندِ قدوس نے ایسی محبت والی شے بنائی ہے کہ ستّر گناہ کر دو وہ پھر بھی معاف ہی کئے جائیں گے۔۔۔۔

"ارے امّاں۔ وہ بات کاٹ کر بولی میری بیٹی تو آپ کی، ممّی پاپا کی نواسی ہو گی نا۔"

وہ اک دم ہنس پڑیں۔ "تو نہیں مانے گی۔ اچھا میں تیری میٹرک پاس ہوتے ہی شادی کروا دوں گی۔"

لیکن میٹرک پاس ہوتے ہوتے مغلانی امّاں کے بیٹے پاکستان گئے تو لاکھ ان کے ناں ناں کرنے پر بھی اماں کو پاکستان کھینچ لے گئے۔ "ارے کیوں میری مٹّی خوار کرتے ہو۔ جن فرشتہ لوگوں میں میں نے ساری زندگی گذار دی، کیوں مجھے ان کے پاک سائے سے محروم کرتے ہو۔" لیکن ان کی کسی نے نہ مانی۔

جاتے وقت وہ صبر و استقلال کی پتلی بنی ہوئی تھیں۔

آنسو اظہارِ محبت کا بہترین ذریعہ ہیں۔ پھر بھی بعض اوقات یہ جذبوں کی توہین کا باعث بھی بن جاتے ہیں۔

"بیٹا۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے جو تجھے سونپ کر جاؤں۔ میں نے تجھے جو تعلیم دی، مجھے یقین ہے کہ تو مجھے بھی سر بلند رکھے گی۔ تو خود بھی دنیا میں اونچا سر کرکے چلے گی۔ بیٹا اتنا یاد رکھنا، راستے بنتے نہیں ہیں۔ بنائے جاتے ہیں، ایسی بنو کہ لوگ تمہارے

بنائے ہوئے راستوں پر چلنے میں فخر محسوس کریں، وہ ایک دو لمحوں کے لئے رُکیں۔

"بالوں کی سفیدی کا عمر سے تعلق ہوتا ہے۔ دھوپ سے نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ وقت کا بے رحم سورج، بالوں کو اپنے روپ کی چاندی بخش ہی دیتا ہے، لیکن تجربے کسی سورج کی دین نہیں ہوتے۔ بال اگر سورج کی دی ہوئی دھوپ سے سفیدی پاتے ہوتے تو پھر میں تو اپنے مہربان مالکوں کی گھنی محبت کی چھاؤں سے نکل کبھی، تپتے آنگن میں اتری بھی نہیں۔ ساری زندگی دالانوں کے ٹھنڈے سایوں تلے ہی گذری۔ لیکن پھر بھی میرے بال سفید ہیں، جو گذرتے ماہ و سال اور رائیگاں عمر کی دین ہیں مجھے اپنی دی ہوئی تعلیم اور سکھائے پڑھائے پہ، اللہ پاک کی مہربانی سے پوری اُمید اور کامل یقین ہے کہ تم ہمیشہ سربلند ہو کر سیدھی راہ ہی چلو گی۔ ہاں بس زادِ راہ کے لئے تمہاری مسکراہٹ کی چاندی لے جا رہی ہوں، اور جاتے وقت چونکہ بزرگ کچھ نہ کچھ دے کر ہی جایا کرتے ہیں تو یہ دعا دے کر جاتی ہوں کہ مالک جب بھی میری بچی کے سہرے کے پھول کھلیں، اُسے جی بھر کے اولاد دینا۔ پانچ بیٹوں کی ماں بنانا۔ لیکن ایک بیٹی بھی ضرور دینا۔۔۔

"اور بی بی یہ دعا خاص طور سے کروں گی کہ تمہیں بیٹی ضرور۔۔۔۔

پہلی بار اس کی آنکھوں میں قطرہ قطرہ آنسوؤں کی نمی گھُلی۔

شریف مرد اور بدچلن عورت۔ دونو خطرناک ہوتے ہیں۔ ان سے دور رہنا چاہیئے۔ دنیاوی نقطۂ نظر سے اجالا کس حد تک کرپٹ کہلائی جا سکتی تھی۔ اس کی کوئی حد ہی نہیں تھی۔

"لیکن میں نے تم سے اچھی کوئی لڑکی اس روئے زمین پر نہیں دیکھی اُجالا" مہتاب نے دل ہی دل میں اُجالا کو COMPLIMENT دیا۔

"اُجالا" اس نے آخری بار کوشش کی۔ "میں چاہتی تھی اُجالا کو تمہارے بارے میں ڈاکٹر۔۔۔۔

"بی بی - میں تو ہر سندھیا کو ڈوبتے سورج کو دیکھ کر پرارتھنا کیا کروں گی کہ اگلی بھور کا سورج مجھے نہ دیکھ پائے - میں تو دنوں کی گنتی ہی بھول جانا چاہتی ہوں . . . . کس کے لئے - آخر کس کے لئے -"؟

"ناری سدھار گھر" میں زیادہ تر عورتیں جاہل تھیں - اپنے دنوں کا حساب وہ دیواروں پر دھاریاں ڈال ڈال کر رکھتی تھیں - ایک جان لیوا انتظار - جب کہ کوئی لینے آنے والا تھا بھی نہیں ! !

مہتاب کا دل ایسی باتیں دیکھ کے دہلتا تھا، اسی لئے اپنے طور پر اس نے سدھار گھر میں لڑکیوں کو پڑھانا شروع کر دیا تھا - پڑھ لکھ سکیں گی تو شاید میگزین، اخبار اور فکشن پڑھ کر اپنا وقت مصروفیت میں گذار سکیں - دیواروں پر دھاریاں دیکھ کر وہ لرز اٹھتی تھی -

اُجالا نے کبھی کوئی دھاری - کوئی لکیر نہیں کھینچی تھی -

"میں سیتا نہیں بنوں گی - اگنی ریکھا کو جنہوں نے الانگھ کر بھی کچھ نہ پایا - ساری دنیا کی استریوں ناریوں کی پوتر ماں کو سوئم اپنی پوترتا کا ثبوت دینے جلتے انگاروں کو پار کرنا پڑا - کون سی دھار، کون سی ریکھا ان کے کام آئی -؟ رام نے ایک دھوبی کے طعنے پہ ان کا کتنا بڑا اپمان کیا؟ میں کیوں اچھی بننے کی کوشش کروں -؟ رام پرش تھے - دیپک بھی پُرش تھا - یہ پُرشوں کی دنیا ہے بھگوان سوئم پرش ہے اسی لئے اسی کی چلتی ہے ناری کا اس دنیا میں کیا ہے -؟ کچھ بھی نہیں"!

جب بھی وہ دونو خالی وقت میں، دنیا کے کسی بھی موضوع پہ بات کرتیں، اجالا ایک ہی ٹاپک پہ بولے چلی جاتی - ناری - استری - عورت -

وہ کسی ڈھکوسلے کی قائل نہیں تھی - وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ کبھی ایسا زمانہ یا راج آئے گا بھی کہ جب ناری کو اونچا استھان ملے گا -

"ہماری سرکار خود عورت، ایک ناری، ہاں استری چلا رہی ہیں۔ لیکن کیا تم نے کبھی ایسا سنا کہ ناری کا اپمان ہونا بند ہو گیا۔ بھلت کار بند ہو گئے۔ جہیز پر ہتھیائیں ہونا ختم ہو گئیں ؟ کھیت میں کام کرنے والی عورت کی مزدوری پرش کے برابر ہو گئی۔ ؟ آج بھی اندرا جی کے راج میں بھی اکیلے کھیت میں کوئی استری دکھ جائے تو چار پانچ پرش ایک ساتھ مل کر اس سے اپنی ہوس پوری کر لیتے ہیں اور بی بی تم عورت جاتی کی اننتی ترقی کی بات کرتی ہو۔ ؟ انہیں پڑھا لکھا کر آج کے پرش کے برابر کھڑا کرنا چاہتی ہو۔ ؟ تمہارے پاس تو ڈگری ہے نا۔ ؟ انگریزوں سے بڑھ کے فر فر انگریزی بول لیتی ہو نا۔ پھر تم آج ایک بڑے خاندان کی چاندی سونے میں کھیلی ہوئی بیٹی اس اس ناری سدھار گھر میں۔ ؟ ؟ ہے تمہارے پاس کوئی اتر بی بی" ؟ ؟

مہتاب جنگ لفظوں کی اس جنگ میں تم نے سدا اجالا سے شکست کھائی ہے۔ آج بھی تم لاکھ کہو گی وہ کسی ڈاکٹر رضا ہمدانی تو کیا۔ خود بھگوان بہ نفس نفیس آکاش سے اتر کر اس دھرتی پہ پدھاریں تو بھی کسی پرش کا سہارا لے کر خود کو بری نہیں کروانا پسند کرے گی وقت نے اس کے ننھے سے دل پر اتنے کچوکے دیئے ہیں کہ اب رتی بھر جگہ بھی باقی نہیں رہی ہے کہ مزید کچوکے دیئے جا سکیں۔ فارگٹ ہر۔ فارگٹ یور سیلف۔ فارگٹ ایوری تھنگ ان لائف ناؤ

FOR GET HER."

FOR GET YOUR SELF

FOR GET EVERY THING IN LIFE NOW

مہتاب کتنی ہی دیر یونہی کھڑی رہی۔ کیسے کیسے زخم۔ کیسے کیسے ستم۔ پھر بھی ہم جیتے رہے سہتے رہے!

آرتھر روڈ جیل سے نکلتے نکلتے اس پر سے صدیاں گذر چکی تھیں۔

شاید اُجالا کو بچایا جا سکتا تھا۔ لیکن اس نے بار بار وہی بیان دیا۔ اپنے جرم کا اس قدر صریح اقبال کیا کہ رہائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"گھر بار والے لوگ رہا ہونے کی خوشی اور آس کرتے ہیں۔ میں ایک جیل سے دوسری جیل میں آگئی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

چند دنوں بعد اسے پونہ جیل منتقل کر دیا گیا۔

مہتاب جنگ اب تم واقعتاً اس بھری پڑی دنیا میں تنہا ہو۔ تمہارے پاس کیا ہے۔ خوشی نام کا کوئی تحفہ۔ زرد پتّے۔ خزاں۔ بجھی آنکھیں۔ ایسے تحفے کیسے ملے ہوں گے۔ ؟؟

اس دن مہتاب ناری سُدھار گھر سے اپنے نئے ٹھکانے "جنت نگاہ" کے نکلی تھی لیکن پہلے وہ اُجالا سے ملنے گئی تھی۔ اُجالا سے ملنے بعد، زندگی سے وہ اتنی بدل ہوئی کہ وہ پھر سے ناری سدھار گھر ہی واپس چلی گئی۔ زندگی اک دم سے اس قدر ہولناک۔ خالی۔ وحشت زدہ اور ویران سی ہوگئی تھی کہ وہ نئے راستوں پر چلنے قدم اٹھانے کی ہمت بھی نہ کر پائی تھی۔

دنوں کے بیتنے کا اسے کوئی غم تھا نہ احساس۔ آنے والے دنوں اور جانے والے دنوں کے شمار کے لئے اس نے کوئی لکیریں، دھاریاں اپنے دل پہ نہیں کھینچیں۔ لیکن وقت بہر حال گذرتا رہا۔

اس دن وہ بالکل خالی الذہن، خلاؤں میں تاکتی بیٹھی تھی کہ کسی بہن جی نے آکر اسے چونکا دیا۔

"آفس میں کوئی صاحب تم سے ملنے آیا ہے۔ وہ تم کو بلاتا ہے۔"

وہ حیران حیران سی آفس میں پہنچی۔ وہ ایک جھٹکا سا کھا گئی۔

"غالباً آپ نے مجھے پہچان تو لیا ہوگا۔" عمران اپنی مخصوص مسکراہٹ کے

ساتھ بولا۔

"جی۔ جی۔ اوہ۔ احمد صاحب" وہ جیسے ماضی سے حال میں لوٹ آئی۔

جہاں تک اس حقیر فقیر پُر تقصیر کی یادداشت کا سوال ہے۔ آپ نے یہی فرمایا تھا کہ آپ بہت جلد اس خاکسار کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر دیں گی....

آفس میں بیٹھے ہوئے چار پانچ لوگوں کی موجودگی کا خیال کیئے بنا وہ اپنی روایتی بذلہ سنجی سے کام لیے جا رہا تھا۔ وہ گھبرا گئی۔

م۔ مم۔ میں نے ایسی کوئی بات آپ سے نہیں کہی تھی۔ آئی ام ہنڈرڈ پرسنٹ شیور I am HUNDRED PERCENT SURE

وہ سر خم کر کے بڑے اسٹائل سے بولا۔

"بخدا میں صحیح عرض کر رہا ہوں کہ آپ کے بالکل یہی خیالات تھے جب ہم آخری بار ملے تھے"

"آپ کسی غلط فہمی کا شکار معلوم ہوتے ہیں احمد صاحب" وہ بیحد پریشان ہو کر بولی۔

وہ سیریس ہو گیا۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ ممی کو دیکھ بھال کی کس قدر شدید ضرورت ہے؟ آپ نے۔ جی ہاں آپ نے خود مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ آپ میری پیش کش، میرا مطلب ہے، میری ممی کی خدمت گذاری کو، ایک اچھی بہو۔ اُوف، وہ پھر بہکنے لگا" اف میرا مطلب ہے اچھی لڑکی کی طرح اپنا عین مقصدِ حیات سمجھیں گی۔ لیکن آپ تو صاحب آپ ہیں۔ اور آپ سے ہم کیا کہیں۔ آداب عرض ہے" اس نے شاعروں کے انداز میں گویا مصرع پڑھ کر داد چاہی۔

جانے کتنے سالوں، کتنے قرنوں، کتنی صدیوں بعد، ایک بھولی بسری مسکراہٹ

آکر اس کے خشک ہونٹوں پر بکھر گئی ۔

"ارے واہ ۔ آپ کو تو مسکرانا بھی آتا ہے ۔ پھر وہ موجود لوگوں کی طرف دیکھ کر خاصے بے باک انداز سے بولا "اصل میں شاید آپ لوگوں کو پتہ نہیں ۔ ہماری انگیج منٹ ۔۔۔

"احمد صاحب پلیز" وہ اُلجھ کر بولی ۔

"کمال ہے ۔ انگیج منٹ سے آپ کیا مطلب لے بیٹھیں ؟ ارے بابا یہ بڑا ہمہ گیر اور وسیع معنی رکھنے والا لفظ ہے ۔ اس وقت میں نے اسے خالص بزی معروف اور OCCUPY ہونے کے سنس میں استعمال کیا ہے ۔ بہرحال میں آپ سے یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ فوراً چلی چلیں اور اپنا نیا JOB سنبھال لیں ورنہ بمبئی کی زبان میں آپ کا "کھاڑا" ہونا شروع ہو جائے گا ۔ اور اگر آپ کو بمبئی کی زبان سے زیادہ واقفیت نہ ہو تو میں آپ کو سمجھا دوں کہ "کھاڑا" کا مطلب ہے کہ آپ کام کا ناغہ کریں گی تو آپ کی اس دن کی تنخواہ کٹ ! ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ خود میرے کئی بار کھاڑے ہو چکے ہیں ۔ بلکہ اتنے کھاڑے ہوئے ہیں اس ماہ کہ تنخواہ لینے گیا تو صرف تین روپے تنخواہ ملی ۔ بجائے دو ہزار کے ۔ کیا آپ یقین فرما سکتی ہیں ۔ ؟ اسی لئے خاکسار نے نوکری" وہ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر نیچے گراتے ہوئے بولا ۔

"چھوڑ دی"

وہ دوسرے لوگوں کی موجودگی میں اس سرپھرے اور بکواسی لڑکے سے الجھنا نہیں چاہتی تھی ۔ ویسے اسے جانا ضرور تھا ۔

"او ۔ کے ۔ آئی ام کمنگ وِدان نو ٹائم"

O. K. I M COMING WITH IN NO TIME

"باپ رے باپ" وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا ۔ کیا اشاٹمش انگلش ہے ۔

واہ!!"

آفس کے لوگ اسے خاصی دلچسپی سے مسکرا مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔ وہ ان لوگوں کو مسکراتا چھوڑ، باہر آ کر اپنی گاڑی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اور دھیرے دھیرے سیٹی بجانے لگا۔

"اچھا اب اگر آپ کا سیٹی بجانے سے دل بھر گیا ہو تو کچھ میری مدد کر دیں"۔ وہ پیچھے سے آ کر بولی۔

عمران نے اسے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

"بڑے ٹھاٹ ہیں صاحب آپ کے۔ میگزین ہی میگزین"۔ وہ سینے سے رسالوں اور اخباروں کا ایک ہجوم لگائے کھڑی تھی۔

"اے کاش میں ٹائمز آف انڈیا ہوتا"۔ اس نے ایک سرد آہ بھری۔

وہ واقعی کچھ نہ سمجھی۔ "جی"؟ وہ سراسیمہ ہو کر بولی۔ "آپ نے مجھ سے کچھ کہا"؟

"جی نہیں۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا"۔ آپ سے قطعاً کچھ نہیں کہا۔ اللہ میاں سے کہا کہ کاش ہمیں ٹائمز آف انڈیا بنایا ہوتا کہ کوئی ہمیں اپنی گوری گوری مخروطی انگلیوں میں تھام کے، اپنی نیلی نیلی آنکھوں سے قریب آ آ کے، جھک جھک کے پڑھتا اور یوں ہمیں کسی کی قربت نصیب ہوتی اور ہم بھی سوچتے۔ غلط۔ اخبار ہوتے تو ہم بھلا سوچ کیسے سکتے تھے؟ بہرحال۔ لائیے صاحب آپ کا خزانہ...

اس نے ہاتھ بڑھائے۔ مہتاب اس کی شرارت کو سمجھ کر ہلکے سے مسکرائی۔ اتنے سارے تلخ تجربے اسے اس بمبئی میں ہوئے تھے۔ ایسے ایسے بے ہودہ لوگ اس کے CONTACT میں آئے تھے کہ پہلی ہی ملاقات۔ بلکہ پہلی ہی

نظر میں خونخوار بلّے کی طرح POUNCE کرنے، جھپٹ پڑنے کو تیار۔ یہ صرف زبانی جمع خرچ کرتا ہے۔ اس نے دل میں سوچا " میرا کیا بگاڑ لے گا۔ لڑکا لیکن واقعی ہے شریف۔ سوائے ہنسی مذاق کے اس نے بُری نظر سے اسے دیکھا تک نہیں تھا۔

I LEAVE ALONE اسے چھونا" ڈاکٹر رضا ہمدانی کے بعد، اتنی بڑی زندگی میں یہ دوسرا شخص تھا، جس نے محبت جتائی ضرور لیکن شرافت کے دائرے میں رہ کر۔ ہنسی مذاق کے پردے میں۔ لیکن دل کی بات CONVEY ضرور کر دی۔ ڈاکٹر رضا ہمدانی نے سنجیدگی سے اس سے کہا تھا۔

"شادی کیوں نہیں کی آپ نے اب تک" مہتاب نے پوچھا تھا۔ ان کا سنجیدہ جواب تھا۔

آپ کا انتظار تھا۔ !

آپ کا انتظار تھا۔ !!

آپ کا انتظار تھا۔ !!!

"اب ہم چلیں۔" ؟ وہ سر جھکا کر مودب ہو کر بولا۔ کیوں کہ جہاں تک میری کارکردگی کا تعلق ہے، میں بہت سلیقے سے آپ کا جملہ سامان پچھلی سیٹ پر ترتیب دے چکا ہوں۔ وہ حیران ہو کر بولی۔ تو میں بیٹھوں گی کہاں۔" ؟

"کیوں۔ ؟ وہ دونو ہاتھ کمر پر رکھ کر آنکھیں گول گول گھما کر بولا" میں الّو کا پٹھا شوفر ہوں جو میم صاحب پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر، ٹھوڑی ہتھیلی پر ٹکا کر، دوکانوں کے جائزے لیتی ہوئی سفر کریں گی اور میں اکڑ کر بیٹھا ہوا ڈرائیونگ کرتا رہوں گا۔"

"مائی گوڈ۔ کوئی شخص آخر اتنی باتیں کیوں کر کر سکتا ہے" وہ اُلجھ کر بولی۔

"ناؤ لٹس ہیو اَ جوئیس رائڈ

NOW LET US HAVE A JOYOUS RIDE!

وہ کار کا پٹ کھول کر، ایک ہاتھ سے اُسے اندر چڑھنے کا سگنل دیتا ہوا چلا کر بولا۔

"آپ دھیرے سے بات نہیں کر سکتے احمد صاحب" وہ دھڑ سے پٹ بند کر کے گھوم کے دوسری طرف پہنچا اور تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر ڈھیر ہو گیا۔

مہتاب نے بازو سمٹ کر اسے دیکھا بولی کچھ نہیں۔

"ہم ذرا آرام کر رہے ہیں۔ تب تک آپ ہمیں "ٹائمز آف انڈیا" پڑھ کر سنائیں"۔

"مجھے لگتا ہے واقعی آپ کا دماغ خراب ہے"۔

"جی نہیں۔ بیحد اچھا دماغ ہے۔ کالج میں سارے پروفیسر کہا کرتے تھے کہ اس قدر اچھا دماغ ہے کہ مرے بعد ہمیں ڈونیٹ کر دینا تاکہ ہم ریسرچ کر سکیں کہ آخر اتنا اچھا دماغ کیونکر تھا۔ جیسا کہ آئن سٹائن کا ہوا تھا۔ لیکن جیسا کہ بعد میں پتہ چلا کہ اس کے دماغ میں کوئی خاص بات نہیں پائی گئی اسی طرح ہمارے دماغ میں بھی صرف دماغ ہی پایا جائے گا"۔

"میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ اچھے خاصے انسان کو پاگل کر سکتے ہیں"۔

"دیکھئے پاگل ہمیشہ انسان عشق میں ہوتا ہے۔ اب یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی"۔ وہ ہیں ہیں کر کے ہنسنے لگا "اگر آپ ہمارے عشق میں مبتلا ہو جائیں۔ جی یہ خاکسار کس منہ سے آپ کو نعوذ باللہ "پاگل" کہہ سکتا تھا اس لئے صرف "مبتلا" کہنے پر اکتفا کی ہے۔

"مہتاب نے اسے بھنا کر دیکھا تو وہ بولا۔

"آپ کو یہ لفظ اِکتفا۔ بڑا کفایتی قسم کا لفظ نہیں لگتا۔ مجھے ہمیشہ سے اس لفظ کو ادا کر کے یہ احساس ہوا ہے کہ جلدی سے اِک۔ اور پھر تِفا۔ کہہ دینے سے جیسے

بڑی کفایت شعاری کی ہے۔ لگتا ہے جیسے ہم اچانک خاصے کنجوس ہو گئے ہوں، اس لئے آئندہ سے ہماری گفتگو سے یہ لفظ اک دم کٹ ۔ ختم ۔ ....

مہتاب دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے بیٹھی تھی ۔

"آپ نے ٹائمز آف انڈیا" پڑھ کے سنایا ہی نہیں ہمیں اب تک بھی "۔ وہ کافی ٹھہر کے بولا ۔

اس نے بھنا کے واقعی ٹائمز اس کی گود میں پھینک دیا ۔ جو اتفاقاً اوپر ہی رکھا ہوا تھا ۔

"لیجئے اور دل بھر کے پڑھیئے "۔

"اوف "۔ وہ اُف کو ہمیشہ اوف کہہ کر گول سامنہ بناتا تھا ۔ " میں مذاق نہیں کر رہا تھا بابا ۔ آپ پڑھ کے سنایئے نا کہ کہاں کہاں کون سی پکچرز چل رہی ہیں ۔ "؟

اُس نے واقعی غصہ سے بلبلا کر دیکھا تو وہ بڑے سکون سے کہہ رہا تھا ۔

"یہ ٹائمز آف انڈیا والے نا ۔ واقعی اتنے اچھے لوگ ہیں کہ روزانہ بتا دیتے ہیں کہ کون سی پکچر کہاں چل رہی ہے تاکہ لوگوں کو بھٹکنا نہ پڑے ۔ میں دراصل آپ سے یہی کہہ رہا ہوں میم کہ دیکھ کر بتایئے ناکہ کون سی پکچر کا موڈ ہے آپ کا ۔ "؟

مہتاب سیدھی سیدھی ہو کر اس کے مقابل بیٹھ گئی ۔ غصہ سے بولی ۔

" آپ کا مطلب ہے میں اس وقت تفریح کرنے نکلی ہوں "۔

"اجی نہیں "۔ وہ سنجیدگی سے بولا ۔

" آپ اس وقت غصہ کرنے نکلی ہیں ۔ جیسا کہ لوگ بہت بہت دنوں میں کوئی تفریح کو نکلتا ہے، کوئی پکنک کو نکلتا ہے، کوئی شاپنگ کرنے نکلتا ہے کوئی سیاحت کو نکلتا ہے ۔ تو آج آپ غصہ کرنے نکلی ہیں ۔ اپنے اپنے شوق ہیں ۔ ....

وہ کار کا دروازہ کھولتی ہوئی بولی ۔

"آپ برائے مہربانی اپنے بنگلے کا پتہ دے دیں میں آپ پہنچ جاؤں گی"
اس کے اُترنے سے پہلے ہی وہ تیزی سے اتر چکا تھا۔ بھاگ کر مہتاب کی طرف کا دروازہ پھر سے بند کیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "سوری"

مہتاب کو ہنسی آگئی۔

"چلئے، آپ کی ہنسی سے یہ ظاہر ہوا کہ آپ نے غصہ تھوک دیا۔ لیکن میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ غصہ کوئی پان کی پیک ہے یا کلّی کا پانی۔ کہ لیا اور تھوک دیا...

مہتاب نے ذرا کھنکار کے گلا صاف کیا تو وہ گڑبڑا گیا۔

"آئی ام سوری اگین"

کار کبھی ہلکے، کبھی تیز دوڑتی رہی۔

"آپ کو پتہ ہے ابھی ہم دادر سے نکلے تھے"

اب یہ الگ بات ہے کہ میں آپ کو ہر ہر گلی کا نام پتہ بتاؤں نہ بتاؤں۔ لیکن چند مشہور جگہوں کے نام ضرور بتاتا جاؤں گا....

"یہ اب ہم کھار سے گذر رہے ہیں۔ ....

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا۔؟ یہ اب ہم سانتا کروز۔ اسے سانتا کلاز نہ سمجھ لیجئے گا..... وہ مسکرایا۔ سانتا کروز سے نکل رہے ہیں۔

"آپ کو کہیں گاڑی روک کے جوس وجوس پلاؤں۔؟"

"آپ کو پیاس لگی ہو تو یوں کہئے نا۔ میری آڑ کیوں لے رہے ہیں آپ"

وہ مسکرا کر بولی۔

"ارے آپ ساتھ ہوں تو کس کم بخت کو پیاس ویاس لگ سکتی ہے۔ وہ ترنگ میں آکر بولا۔ وہ ایک شعر ہے کہ کم بخت یاد ہی نہیں آرہا۔ جس کا کچھ کچھ مطلب یہ ہے کہ تم تو ایک مجسّم باغ ہو۔ جس میں تمہارے گالوں کے گلاب مہک رہے ہیں۔

تمہاری گہری نیلی آنکھوں کے نیلوفر کھل رہے ہیں۔ تمہارے سرو ایسے قد سے سبک خرام ہوا بہک رہی ہے۔ اور تمہارے ہونٹوں۔۔۔۔۔

"میری یادداشت کے مطابق آپ ابھی ابھی کافی۔ کم عرصے میں دو بار سوری کہہ چکے ہیں۔"

"جی ہاں۔ وہ سعادت مندی سے بولا۔" اب تیسری بار کہتا ہوں۔ سوری۔ ریلی سوری۔ تو اصل میں میں یہ کہہ رہا تھا کہ بعض لوگ اتنے اچھے، اتنے پیارے، اتنے ہرے بھرے ہوتے ہیں کہ اُن کو بس دیکھ بھی لو تو بھوک پیاس کا احساس ہی ختم ہو جاتا ہے۔ ویسے چونکہ میں کافی "غیر ہرا بھرا" ہوں اس لئے یہی بات آپ میرے تعلق سے نہیں کہہ سکتیں۔ اس لئے آپ کو پیاس لگنا لازمی ہے۔۔۔۔ بریک چرچرائے اور اس نے گاڑی ایک جوس اسٹال پر روک دی۔

مہتاب نے اسے ذرا تنبیہ کرنے والے انداز سے دیکھا۔

"آپ کی ڈرائیونگ میں کافی خامیاں ہیں۔ ایک تو آپ کلچ بے چارے کو خواہ مخواہ توڑتے مروڑتے ہیں۔ اسٹیرنگ پہ دباؤ بہت ڈالتے ہیں۔ اور تیسرے بریک اتنی سرعت سے نہیں لگایا جاتا۔ ایکسیڈنٹ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اب یہ آپ نے گاڑی اس طرح سینڈوچ بنا کر کھڑی کر دی تو جاتے ہوئے گاڑی نکالتے میں آپ ریورس کیسے کریں گے"؟؟

عمران آنکھیں پھاڑے اس کی باتیں حیرت سے سن رہا تھا۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔

"آپ کو ڈرائیونگ آتی ہے۔"؟

وہ کار سے اترتے اترتے بولی۔

"میرے پاپا کے پاس۔ تین گاڑیاں تھیں۔

گاڑی گھر میں ہو تو بچپن سے ہی بچے ڈرائیونگ ، سیکھ لیتے ہیں - اینڈ پلیز نو کوسچن "!!

عمران دم بخود رہ گیا -

فیروزی رنگ کی، چھوٹے چھوٹے گلابی پتوں اور کلیوں والی ساڑی -

فیروزی بلاؤز - ایک ہاتھ میں ایک چوڑی - دوسرا خالی -

سرخ و سفید رنگت - بھورے بھورے بنا تیل کے سنہری بال - ہاتھ میں چند میگزین پکڑے - جب مہتاب بیگم کامران کے کمرے میں جھجکتی ہوئی داخل ہوئی تو عمران پیچھے رہ گیا تھا -

" کتنی بار کہوں کہ میں ٹھیک ہوں - اللہ کے حکم سے چل پھر سکتی ہوں - ایسی کوئی فریش: BED RIDDEN بھی نہیں ہوں - لیکن روز نت نئے ڈاکٹروں کو یہ لڑکا لے کر آتا رہتا ہے پھر وہ ذرا بیماروں والے چڑچڑے لہجے میں بولیں -

" ڈاکٹر اب آپ آ ہی گئی ہیں تو فیس لے کر چلی جایئے - میں چیک اپ کرواتے کرواتے بس بس آچکی ہوں ایسا کوئی ......

تب تک عمران گاڑی لاک کر کے آچکا تھا -

ماں کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس نے ان کی بات سن لی تھی -

مہتاب وہیں سُن کھڑی رہ گئی تھی -

" ممی - یہ ڈاکٹر نہیں ہے .... اس کی ممی نے اسے پھر مہتاب کو حیرت سے دیکھا اور بولیں -

" ڈاکٹر نہیں ہے ؟ تو پھر یہ لڑکی کون ہے -" ؟ ؟

" ارے ممی - عمران ہنس کر ان کے قریب آیا اسلام علیکم ممی - معاف کیجیے بھول گیا تھا ......

"کیا بھول گیا تھا" ۔ بیگم کامران اس کی بات کاٹ کر بولیں۔

جی ۔ وہ آپ کو سلام کرنا بھول گیا تھا ۔ اور جی میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ غلط سمجھ رہی ہیں ممی یہ ڈاکٹر نہیں ہے ۔ یہ وہ لڑکی ہے ممی جسے میں نے آپ کی خدمت کے لئے چنا ہے.....

"اتنی خوبصورت ۔" وہ حیرت کی تصویر بنی اُسے دیکھتی ہوئی بولیں ۔ "مجھے اچھا لگے گا ایسی پیاری بچی سے نوکرانیوں جیسے کام لوں۔"

"بیٹیاں ماؤں کا کام کرنے سے نوکرانیاں نہیں بن جاتیں بیگم صاحبہ" مہتاب نرمی سے بولی ۔

بیگم کامران اپنے بستر پہ لیٹے لیٹے ذرا سے جبیں سی ہو گئیں ۔ محبت سے بولیں۔

"بیٹی تو بنتی ہو لیکن ماں کو بیگم صاحبہ کہتی ہو! بڑی افسوسناک بات ہے۔"

"اوہ ۔ نو ۔" مہتاب گھبرا کر رہ گئی ۔

"اوہ ۔ یس" ۔ عمران اس کی نقل اتارتا ہوا بولا "چلئے ممی سے معافی مانگئے ۔ وہ بھی ہاتھ جوڑ کے" ۔ اس نے خواہ مخواہ مہتاب کو ڈرایا ۔ ورنہ آپ کو پتہ نہیں کہ ممی کا غصہ کتنا خطرناک ہوتا ہے۔"

اس نے گھبرا کر واقعی اپنے چاندی جیسے ہاتھ ان کے سامنے جوڑ دیئے ۔

اسی وقت فرح اپنے بچوں کے ہاتھ تھامے کمرے میں داخل ہوئی اور یہ عجیب و غریب منظر دیکھ کر وہیں ٹھٹھک کر رہ گئی ۔

"یہ بھئی میں کسی مندر میں ہوں یا اپنے گھر میں ۔ ؟ اسلام علیکم ممی ۔ اسلام علیکم بھائی جان ۔ یہ سونے جیسی مورتی کہاں سے پکڑ لائے آپ لوگ ۔ کیوں ممی ۔ ؟"

عمران مسکرانے لگا ۔ بیگم کامران بولیں ۔

"میری دیکھ ریکھ کے لئے عمو لایا ہے" ۔ وہ پیار سے عمران کو دیکھ کر بولیں ۔

فرح خوشی دلی سے مسکرا کر بولی "بھئی ویسے ہم کافی پاپولر تھے، بیوٹی وائز بھی اور بھی کئی باتوں کی وجہ سے۔ لیکن اہم اہم۔ وہ کھنکار کے بناوٹی کھانسی سے اپنا گلا صاف کرنے لگی۔

"اب ہم ذرا ڈالر کے مقابلے انڈین کرنسی کی طرح DE-VALUE ہو جائیں گے۔۔۔۔ پھر وہ زور سے ہنسی۔

"آپ کی تعریف۔؟ پھر خود ہی ہنس کر بولی۔ ویسے آپ ہیں ہی تعریف کے قابل۔"؟

بیگم کامران مسکرا کر پیار سے بولیں۔

"یہ نالائق میری دیکھ بھال کے لئے لایا ہے اُسے۔"

"کیوں بھائی جان" وہ شیطانی سے چلّائی "کیا ماجرے ہیں۔ خیریت تو ہے"

"جی الحمدللہ میں خدا کے فضل سے کرم سے خیریت سے ہوں اور آپ سبھوں کی خیریت خدا کے فضل سے نیک چاہتا ہوں۔ دیگر احوال۔۔۔۔۔

بیگم کامران ہنس کر بولیں۔" اس بکواس سے تو میں پناہ مانگتی ہوں۔۔۔۔

فرح ہنس کر بولی۔ شیطان سے ہر سچا مسلمان پناہ مانگتا ہی ہے ممّی۔۔۔۔

"ذرا ٹھہر تو۔۔۔۔۔ عمران فرح کے پیچھے دوڑا تو بیگم کامران پیار سے بولیں۔

"وہ دو بچوں کی ماں ہو گئی اور یہ نالائق شادی کے لائق ہو گیا لیکن شرارتیں ابھی بھی بچوں کی سی کرتے ہیں۔ بیٹی میرے قریب آؤ۔" وہ پیار سے مہتاب سے مخاطب ہوئیں۔

"کیا نام ہے تمہارا۔"

جی۔ جی۔ مہتاب۔ مہتاب جنگ۔۔۔۔ وہ اٹک اٹک کر بولی۔

انہوں نے پیار سے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے لمبے چوڑے بیڈ کے کنارے ہی بٹھا

لیا۔

"ماشاء اللہ نام مہتاب ہے اور ہو بھی ماہ تاب جیسی ۔ جنگ ۔ بیٹی یہ خطاب تو حیدرآباد دکن کے امراء کو عالی جاہ نواب نظام سرکار کی جانب سے ملا کرتا تھا نا"؟

"جی" وہ نگاہ نیچی کر کے شرمساری سے بولی ۔

"تمہاری صورت شکل سے ہی لگ رہا ہے کہ خاندانی نواب اور امیر گھر کی ہو۔ لیکن بیٹی یہ کیا افتاد پڑی تم جیسی ماہ پارہ پہ کہ دو ٹکے کی نوکری کرنے پہ مجبور ہونا پڑا۔ ؟ کہاں سے آئی ہو"؟

فرح اور عمران بھی پاس آ کر کھڑے ہو گئے تھے ۔ فرح کی چار سالہ شہلا مہتاب کے عین سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور اس کو چھو کر بولی ۔

"تم پری ہو" ؟

"ہاں ہاں یہ پری ہیں" فرح اس کو اپنی طرف کھینچ کر بولی ۔ "اب تم اپنی توتلی باتوں سے ہم سب کا دماغ مت کھاؤ ۔ دیکھو نانی اماں اس پری سے کچھ پوچھ رہی ہیں۔ تم بھی چین سے سنو"

مہتاب نے بے بسی سے عمران کو دیکھا ۔

"بیٹی تم نے بتایا نہیں ۔ کہاں سے آئی ہو تم ۔"

بیگم کامران نے شفقت سے پوچھا

جی ۔ وہ رک رک کر بولی ۔ "ناری سدھار گھر" سے ۔

"ناری سدھار گھر سے ۔" ؟ بیگم کامران سے پہلے فرح تقریباً چیخ کر بولی ۔

"ہاؤ کم ۔ HOW COME?"

"بیٹا تم ناری سدھار گھر سے آئی ہو" ؟ وہ حیران سی ہو کر بولیں ۔

"مگر ایسی جگہ تم نے نوکری کیوں کی ۔ تم تو صورت سے پڑھی لکھی لگتی ہو کہ جب داخل

ہوئیں تو میں سمجھی کہ ڈاکٹر آئی ہے"!

یہ وہاں نوکری نہیں کرتی تھی بیگم صاحبہ۔ یہ۔ یہ۔ خود وہاں ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے تھی.....

دھڑ دھڑ۔ گھر گھر۔ دھڑ دھڑ۔ گھر گھر۔ ایک بڑا سا پلین بنگلے پر سے شور کرتا ہوا گذر رہا تھا۔

بیگم کامران اور فرح ایک دوسرے کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔ بیگم کامران کے چہرے پر کئی سوال لکھے ہوئے تھے۔ عمران نے بات کو سنبھالا۔ مہتاب سے مخاطب ہو کر بولا۔

"آیئے۔ آپ کو، آپ کا کمرہ دکھا دوں"۔ اسے اچانک یاد آ گیا تھا مہتاب نے نوکری کرنے کی پہلی شرط ہی یہ رکھی تھی کہ اس کے گھر والے مہتاب کے خاندان اور پچھلی زندگی کے بارے میں کوئی کرید نہیں کریں گے۔

وہ جھجکتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "بیٹی منہ ہاتھ دھو کر۔ یا چاہو تو نہا کر کپڑے بدل ڈالو"۔ بیگم کامران نے شفقت سے کہا۔

حالانکہ وہ اتنی نکھری نکھری، صاف ستھری اور دھوئی دُھلائی لگ رہی تھی جیسے جنت کی حوروں نے اسے غسل دے کر اہتمام سے تیار کیا ہو۔

وہ آگے بڑھی اور سب کی طرف اس کی پیٹھ ہوئی تو سنہری ناگن کی طرح بل کھائی ہوئی چوٹی اس کے گھٹنوں کے آس پاس جھول رہی تھی۔

"مائی گوڈ ممی۔ فرح دل تھام کر چلائی "آپ نے بال دیکھے اس لڑکی کے"؟ وہ دوبارہ چلائی۔" اور ممی چال۔؟ کتنی شاہانہ چال ہے"!

بیگم کامران جیسے سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

"اللہ جانے کن حالات نے بے چاری کو سدھار گھر پہنچایا ہوگا"

عمران ساری چوکڑی بھول گیا تھا۔ وعدہ کرنے کے باوجود کہ اس کے ماضی کے بارے میں کوئی انسان جانچ پڑتال نہیں کرے گا، جانچ پڑتال شروع ہو گئی تھی۔ وہ کیا سوچ رہی ہو گی۔

اُسے اس کا کمرہ بتاتے ہوئے عمران سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

میں آپ سے سخت شرمندہ ہوں.....

آئی ام سو سوری.....

مہتاب خلاف توقع بولی۔ "آپ یوں سنجیدہ قطعاً اچھے نہیں لگ رہے"

"ریلی آئی ام۔ وہ بدستور سنجیدہ تھا۔ آپ ضرور HURT ہرٹ ہوئی ہوں گی"

"دیکھئے احمد صاحب۔ میں جانتی ہوں کہ گھر میں جب نیا نوکر رکھا جاتا ہے تو اس کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل کی ہی جاتی.....

نوکر کا لفظ عمران کو کھل گیا۔ "یہ آپ اپنے بارے میں کہہ رہی ہیں۔؟ وہ غصہ سے بولا۔

"جی۔ یہ میں اپنے بارے میں کہہ رہی ہوں" وہ اطمینان سے بولی۔ میں جو کچھ بھی ماضی میں تھی۔ تھی۔ اب۔ بہرحال میں آپ کی نوکرانی ہوں۔....

I HATE THIS TYPE OF CONVERSATION

"میں اس قسم کی گفتگو سننا پسند نہیں کرتا مس مہتاب جنگ"۔ وہ غصہ سے بولا۔

"ارے۔ وہ حیرت سے اس کی طرف مڑی اور عین اس کے سامنے آکر کھڑی ہو کر بولی" آپ بزنس مین ہیں تو لوگ آپ کو بزنس مین ہی کہیں گے نا۔ کوئی انجنیئر ہے تو لوگ اسے انجنیئر ہی کہیں گے نا۔ ڈاکٹر کو لوگ ڈاکٹر ہی کہیں گے

تو آپ نوکر کو نوکر کیوں نہیں سن سکتے جناب "

"اس لئے کہ آپ نوکر نہیں ہیں" ۔ وہ قطعیت کے ساتھ بولا ۔

"تو کیا آپ مجھے اس گھر کی مالکن بنا کر لائے ہیں " وہ غصہ سے بولی ۔

"جی ہاں ۔ وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولا ۔

" میں آپ کو اس گھر کی مالکن ہی بنا کر لایا ہوں "

وہ پاس پڑے بیڈ پہ ٹک گئی ۔

"مسٹر احمد ۔ یو وانٹ می ٹو ڈائے ۔

YOU WANT ME TO DIE? "

"جی نہیں ۔ ہم آپ پہ خود مرتے ہیں ۔ آپ کو کیسے مرنے دیں گے "

اس کی بذلہ سنجی لوٹ کر آ رہی تھی ۔

"آپ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں ۔ جایئے منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو کر JOB پہ سدھاریئے " وہ بات ٹال کر بولی ۔

"ارے ۔ وہ ہاتھ گھما کر بولا ۔ کمّال ہو گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"جی ۔ کمال میں م پہ تشدید نہیں ہے ۔ آپ صرف کمال کہئے " وہ نرمی سے بول رہی تھی ۔

" دیکھئے آپ کو یہ بات کسی گرامر کی بک میں نہیں ملے گی میں بتاتا ہوں ۔ جب کسی بات پہ زور دینا ہوتا تو اُس مخصوص لفظ پہ تشدید لگا دیتے ہیں ۔ جیسے ۔ ۔

"اچّھا اچّھا اچھا پروفیسر صاحب میں بالکل سمجھ گئی کہ آپ کا کیا مطلب ہے ۔ اب آپ یوں کریں کہ ذرا اس کمرے سے تشریف لے جائیں تاکہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"پلی ۔ میں آؤں ۔ " ؟

مہتاب نے گھوم کر دیکھا ۔ موٹی موٹی ، گوری گوری بالکل اس کے خوابوں

جیسی بیٹی۔ دو پونی ٹیل بندھے ہوئے۔ مسکراتی شرماتی اس سے اندر آنے کی اجازت مانگ رہی تھی۔

مہتاب نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔

"ارے آپ کو اجازت کی کیا ضرورت ہے، آپ بڑے شوق سے آ سکتی ہیں یہاں"۔

عمران نے شہلا کے گالوں کو دونوں ہاتھوں سے زور سے پکڑا۔

شہلا بیحد سنجیدگی سے بولی۔ ماموں تو انامی"۔

مہتاب نے وحشت زدہ ہو کر پوچھا۔

آپ نے کیا کہا گڑیا۔"؟

ماموں انامی۔ ماموں کتا۔ ماموں الو۔ ماموں چھالا"۔

مہتاب نے اک دم سٹ پٹا کر عمران کو دیکھا جو زور زور سے قہقہے لگا رہا تھا۔

"جی۔ وہ مودّب ہو کر بولا۔" یہ سارے خطابات اس خاکسار کے لئے ہیں اور اس خاکسار نے ہی اس گڑیا کو سکھائے ہیں۔ مثلاً ماموں حرامی۔ ماموں کتا۔ ماموں الو۔ اور ماموں سالا"۔

"چھی چھی چھی۔ اتنی معصوم سی بچی کو ایسی گندی گالیاں سکھا دیں آپ نے۔ اچھا لگتا ہے"؟؟ وہ چڑ کر بولی۔

"اچھا لگتا ہے؟۔ یہ آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں اجی جناب بیحد اچھا لگتا ہے اور خود آپ کا چہرہ گواہی دے رہا ہے کہ آپ کو بھی گڑیا کے منہ سے یہ گالیاں بڑی پیاری لگ رہی ہیں۔ آپ کا چہرہ آپ نہیں دیکھ سکتیں۔ میں تو دیکھ رہا ہوں نا۔"؟

ویسے سچ تو یہ تھا کہ گڑیا کے منہ سے اسے بھی گالیاں بڑی پیاری لگ رہی ہیں۔ وہ بات نبھا کر بولی۔

"لیکن بچوں کو ہمیشہ اچھی اچھی باتیں سکھانی چاہئیں"

"آپ سکھا دیجئے گا نا۔ آخر مجھے گھر ہی میں تو رہنا نہیں نصیب ہو گا نا۔ پھر بچے تو سراسر ماں کی ذمہ داری ہوتے ہیں" وہ مستقبل کی باتیں کرنے لگا۔

مہتاب اسے ہنستا دیکھ کر چونکی "آپ یہ کیا اناپ شناپ بکنے لگے۔؟

"میم اناپ شناپ نہیں۔ آپ کو پتہ نہیں یہ ہماری گورنمنٹ پنج سالہ یوجنائیں بناتی ہے تو آخر ہم بھی تو ہماری گورنمنٹ کے نقشِ قدم پر چلیں گے نا ہم بھی پنج سالہ یوجنا بنا رہے تھے کہ پہلے اس سال میں شادی۔ دوسرے سال میں لڑکا۔ تیسرے سال میں لڑکا۔ چوتھے سال میں لڑکا۔ اور پانچویں سال میں لڑکی۔ اصل میں کیا ہے کہ لڑکی آخیر میں ہونی چاہیئے کیونکہ اگر شروع ہی میں لڑکی پیدا ہو جائے تو لڑکی، بزرگوں سے سنا ہے ککڑی کی طرح بڑھتی ہے اور لڑکی جلدی بڑی ہو جائے تو ماں باپ خواہ مخواہ خود کو بوڑھے محسوس کرنے لگتے ہیں اور پھر لڑکی کے خرچے بھی بےحد ہوتے ہیں۔ شادی کرو۔ جہیز دو....

"لڑکی کے نام سے ہی لوگ لرز جاتے ہیں خدایا...."

اچانک مہتاب پھوٹ کر رونے لگی۔ عمران اس قدر بوکھلایا کہ دو تین بار اس کمرے سے بیگم کامران کے کمرے۔ بیگم کامران کے کمرے سے اس کمرے، پاگلوں کی طرح دوڑ لگایا کیا۔ کچھ نہ سوجھا تو ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے کھڑا ہو گیا۔

"میں ممی چھے بولوں ئی ماموں نے پَلی تو مالا"

"میں ممی سے بولوں گی ماموں نے پری کو مارا"

"ارے میری ماں۔ عمران بوکھلاہٹ میں شہلا کو گود میں لے کر کھڑا ہو گیا"

مجھے مروائے گی کیا۔" پھر وہ شہلا سے ہی کہے گیا۔ دیکھ گڑیا۔ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اگر انہیں لڑکی پہلے چاہیئے تھی تو یوں کہہ دیتیں، تین لڑکوں کے بعد لڑکی انہیں

غالباً پسند نہیں آئی۔ اچھا میں اپنی پنجسالہ یوجنا میں کچھ پری ورتن کرتا ہوں۔ پہلے لڑکی۔ پھر لڑکا۔ پھر لڑکا۔ پھر.....

مہتاب کو روتے روتے بھی ہنسی آگئی۔ مہتاب ہنسی تو شہلا کھل اٹھی۔ تالی بجا بجا کر بولی۔ "پلی نے ہنچھی۔ پلی نے ہنچھی۔ پری نے ہنسی۔ پری نے ہنسی۔"

اب نانی اماں یا اپنی نالائق ماں سے کہے گی تو نہیں نا کہ ماموں نے پلی کو رلایا۔"

وہ اسی کے لہجے میں تتلا کر پوچھنے لگا۔ شہلا نے عمران کی طرف سے منہ پھیر کر مہتاب کی طرف والہانہ انداز سے دونو ہاتھ بڑھا دیئے۔

وہ مہتاب کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر آیا تو فرح پریشانی سے بولی۔

"ارے بھائی جان شلو کہاں ہے"

"ارے وہ تو مہتاب کو ایک لمحے کو بھی نہیں چھوڑ رہی ہے"

بیگم کامران مہتاب کی ستائش کے انداز میں بولیں۔ "معصوم بچے نیک روحوں کو جلدی پہچان جاتے ہیں"

فرح اٹک اٹک کر بولی۔ "ممی پہلی نظر میں اس لڑکی کو دیکھ کر میں اس قدر خوش ہوگئی تھی کہ چلیں اب بھائی جان کے لئے لڑکیاں ڈھونڈھنے کی مہم ختم ہوئی"

"تو" ؟؟ عمران پریشان ہو کر بولا۔

ماں بیٹی دونو نے ایک ساتھ پریشانی سے عمران کی بے تابی کو دیکھا۔

"لیکن ممی۔ فرح پھر ماں سے مخاطب ہوگئی۔ وہ تو "ناری سدھار گھر" سے آئی ہے"

"بی بی یہ "ناری سدھار گھر" کی چھاپ تمہارے ماتھے پہ کلنک کا ٹیکہ بن کر ہمیشہ چمکتی رہے گی۔ اجالا تم نے میری اندھیری زندگی میں تجربوں کے کیسے کیسے چراغ جلائے ہیں!!

بازو کے کمرے میں مہتاب ساری گفتگو سن رہی تھی۔

"پتہ نہیں کن حالات سے گذر کر بے چاری ایسی جگہ پہنچی ہو گی۔" بیگم کامران تاسف بھرے لہجے میں بولیں۔

"ہم تو پھر بھی اسے گلے لگالیں ممی۔ لیکن جس سماج میں ہم رہتے ہیں..."

ناؤ۔ اسٹاپ اٹ۔ NO ... STOP IT عمران جو ہمیشہ ہنستا بولتا رہتا تھا اچانک کڑوے لہجے میں بولا۔ "ایک دیوار کی دوری سے وہ بے چاری یہ باتیں سن بھی سکتی ہے۔ ہمیں اتنا بے حس نہیں ہونا چاہیئے فرح۔ یہ باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔"

کھانے کی ٹیبل پہ مہتاب کا انتظار ہو رہا تھا۔

"گڈی۔ عمران پیار سے شہلا کو بولا۔ باڈ یہ می کو کھانے کے لئے بلالاؤ۔"

شہلا اہمیت پا کر دوڑتی ہوئی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں منہ بسورے واپس آگئی۔

پَئی بولتی اُت تو بھوت نیئں ہے۔ پری بولتی اس کو بھوک نہیں ہے۔"

"کریم۔ وہ جو نئی بی بی آئی ہیں انہیں کھانے کے لئے بلالاؤ۔" عمران نے ترش ہو کر نوکر سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی سر جھکائے واپس آگیا۔

"چھوٹے صاحب۔ وہ کہتی ہیں انہیں بھوک نہیں ہے۔"

ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ پیچھے پیچھے مہتاب بھی دھیرے دھیرے قدموں سے چلتی آگئی۔ وہ ٹیبل کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

I M NOT WORTH IT SORRY

"میں ٹیبل پر بیٹھ کر کھانے کی مستحق نہیں ہوں۔ معاف فرمائیے گا۔"

اور جیسی آئی تھی ویسی ہی چلی گئی۔ تینوں ماں، بیٹی، بیٹا ہکا بکا ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"بھائی جان۔ فرح حیرت زدہ سی بولی۔ یہ تو کانونٹ کے لہجے میں اتنی رواں انگلش بول گئی۔ گڑبڑ کہاں ہے بھائی جان۔"؟

"یہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے بیٹے" بیگم کامران تشویش سے بولیں۔ "یہ تمہیں ملی کہاں سے۔"؟

عمران سحر زدہ سا بیٹھا تھا۔ ممی مجھے خود اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ بس اپنے آفس ایک دن "ناری سدھار گھر" کی عورتوں کے بنائے ہوئے سامان کو فروخت کرنے کا PROPOSAL لے کر آئی تھی"

"کتنی بار آئی تھی" فرح نے پریشانی سے پوچھا۔

"یہی کوئی دو تین بار۔ مجھے تو اس کے بارے میں اور کوئی خاص بات معلوم بھی نہیں۔ لیکن انگلش اردو دونوں بڑی روانی کے ساتھ گفتگو کر لیتی ہے۔ بی۔ اے پاس ہے"

"بی۔ اے پاس۔"؟ فرح حیرت سے چلائی۔ "بی۔ اے آنرز۔"

عمران ڈش سے سالن نکالتے نکالتے ہاتھ روک کر بولا۔

THAT TOO WITH ENGLISH LITERATURE!

اور وہ بھی انگلش لٹریچر سے۔"!

"مائی گوڈ" فرح سر پہ ہاتھ مار کر بولی۔

"بھائی جان۔ وہ ہمدردی سے بولی" آپ اس لڑکی سے کچھ پوچھ کر تو دیکھئے"

وہ پریشانی سے بولا "اس نے یہ نوکری ہی اس شرط پہ قبول کی ہے کہ میں

اس کے ماضی کے بارے میں ایک سوال بھی نہیں کروں گا۔"

"لو۔ کھانا تو کھالو بیٹے"۔ بیگم کامران پریشانی سے بولیں۔" سارا کھانا ٹھنڈا ہوا جا رہا ہے۔"

"نہیں ممی۔ فرح کرسی پیچھے کھسکا کر اٹھتی ہوئی بولی۔" وہ بے چاری بھی آخر بھوکی ہوگی، اس کے بغیر ہم کیسے کھالیں۔ ٹھہریئے میں اسے لے کر آتی ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد فرح اس کا ہاتھ تھام کر آتی ہوئی نظر آئی۔ ماحول کے تناؤ کو اس نے خوش دلی سے کم کرنے کی کوشش کی۔

"اصل میں یہ اس لئے نہیں آرہی تھیں کہ بے حد بھوکی ہیں اور ڈر ہے کہ سارا کھانا یہ اکیلی ہی ختم نہ کردیں۔ ہے نا تابی۔"؟ اس نے جھک کر اس کے لالہ گوں چہرے کو دیکھا۔

"دیکھو تابی۔ وہ اسے سرزنش کرنے کے انداز میں بولی۔ تم مجھ سے ایک دو سال چھوٹی ہی ہوگی۔ میں تمہاری باجی ہوئی نہ۔ ارے بھائی ماشاء اللہ دو دو بچوں کی ماں ہوں۔۔۔۔

اور خود ان بچوں سے بھی بدتر۔۔۔۔ عمران نے بھرپور سنجیدگی سے جملہ مکمل کیا۔
"دیکھئے دیکھئے ممی۔ میری بے عزتی کر رہے ہیں بھائی جان۔ کچھ کہوں گی تو ہاں۔"

"آج تم لوگ نہ خود کھاؤ گے اور نہ کسی کو کھانے ہی دو گے۔ آؤ بیٹی میری بازو والی کرسی پہ آجاؤ۔"

وہ ہچکچائی تو فرح پھر بولنے لگی۔ آؤ بیٹھو بھی چندا۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ میں تمہاری بزرگ ہوں۔۔۔۔

اہم۔ اہم۔ عمران نے بری طرح کھنکارا۔ فرح نے اسے گھور کے دیکھا اور

پھر سے گویا ہوئی ۔

"اور میرا کہنا تمہیں ماننا ہی پڑے گا۔ یہ تم نے کیسے کہہ دیا کہ تم اس ٹیبل پر بیٹھ کر کھانے کی اہل نہیں ہو۔ بھئی تمہارے سامنے تو ہم لوگ تمہارے غلاموں کی طرح نظر آ رہے ہیں "۔

مہتاب نے گھبرا کے اُسے دیکھا۔ "اوہ ۔ نو "۔ "اوہ ۔ یس "۔ عمران نے مسکرا کر کہا اور پھر سے پلیٹ پر جھک گیا ۔

"ممی "۔ فرح اپنی پلیٹ میں کباب لیتی ہوئی بولی ۔ "بعض لوگ اتنے بے پناہ حسین کیسے پیدا ہو جاتے ہیں "۔ اور بڑے پیار سے مسکرا کر مہتاب کو دیکھا جو بڑی نفاست سے نیپکن تہہ کر کے اپنے زانوؤں پر بچھا رہی تھی ۔ پھر اس نے بہت مہذب انداز سے کوارٹر پلیٹ میں چپاتی، دو انگلیوں سے اٹھا کر رکھی ۔ اور بائیں ہاتھ سے انتہائی نزاکت سے ذرا سا سالن لیا اور چڑیا کی طرح چھوٹا سا نوالہ توڑ کے نوالہ، دو قطرے سالن میں بھگو دیا ۔

عمران اپنا کھانا چھوڑ، تصویرِ حیرت بنا اسے دیکھے جا رہا تھا ۔ بیگم کامران بھی کن انکھیوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں ۔

اس نے بمشکل آدھی چپاتی کھا کر ہاتھ روک لیا تو بیگم کامران بولیں ۔

"بیٹی ایسے کھاؤ گی تو زندہ کیسے رہو گی "۔

زندہ ہی تو نہیں رہنا چاہتی بیگم صاحبہ اور . . . . .

بیگم کامران نے اسے کافی سختی سے ڈانٹ دیا ۔

"اب جو کبھی تم نے خبردار مجھے بیگم صاحبہ کہا . . . . . پھر لہجے کو دھیما کر کے بولیں ۔ دوسرے نوکروں کی میں ضرور بیگم صاحبہ ہوں، لیکن تمہارے منہ سے یہ لفظ مجھے گالی کی طرح محسوس ہو رہا ہے ۔ اس لئے کہ اس گھر میں اگر تم رہو گی تو بیٹی بن کر رہو گی ۔

ذکر نہیں" ۔ اچانک اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں ۔ "اتنی محبت نہ دیجئے امی
وہ سسک کر بولی ۔ "اُجالے مجھے راس نہیں آتے"۔

کیسی شائستہ گفتگو کرتی ہے ۔ کیسی مہذب لڑکی ہے ۔ اللہ جانے اس پر کیا
گذری ہوگی جو یوں در در کی ہو گئی ۔

انہوں نے اس کے سر پر بیحد پیار سے ہاتھ رکھا ۔ "آج سے میں سمجھوں گی کہ
میری تین بیٹیاں ہیں"۔

"ہو گئی نا سالی گڑبڑ ۔ عمران بہت دھیرے سے فرح کے کان میں بولا ۔
ارے ممّی سے کہہ نا لائق کو بیٹی نہ بنائیں ۔ بہو بنائیں بہو" !

شنّو ماں کے قریب بیٹھی تھی ۔ عمران کی سرگوشی سن کر ماں سے پوچھنے لگی ۔
"ممّی باؤلیا ہوتی ۔" ؟
"ممّی ۔ ہاؤلیا ہوتی ۔" ؟

" ری چپ ۔ عمران اس کو آنکھیں دکھا کر بولا ۔
"تیرے باپ کے پاس لے جا کر چھوڑ دوں گا ۔ پھر ڈرے گی رات بھر"

"دیکھئے ممّی دیکھئے ۔ فرح چلائی" اکرم کو یہ بھائی جان پورا بھوت بنا کر رکھ دیں
گے گڈّی کی کتابوں میں"

"ارے چند لمحے تو سکون سے گذرنے دیا کرو نیک بختو" بیگم کامران تھکے
تھکے لہجے میں بولیں ۔

رات کو بیگم کامران نے عمران اور فرح کو اپنے کمرے میں بلایا ۔
"بیٹے مہتاب سو گئی"
"جی ممّی اس کے کمرے کی لائٹ تو نہیں جل رہی ہے اور دروازہ بھی بند
ہے"

"ٹھیک ہے۔ سوچا نے دو بے چاری کو۔ عمران" وہ بیٹے سے مخاطب ہوئیں "تم نے اس کے کھانا کھانے کا نفیس انداز دیکھا۔؟ مجھے تو بڑے نامی گرامی نواب خاندان کی کوئی لڑکی دکھتی ہے بیٹا یہ۔ فرح اس کی بات چیت بھی کس قدر مہذب اور شائستہ ہے"۔

"جی ہاں ممی۔ لیکن مصیبت یہ ہے نا کہ کچھ بتاتی بھی نہیں اپنے متعلق" فرح پریشان ہو کر بولی۔

"بیٹا۔ وہ عمران سے مخاطب تھیں"۔ نادانستگی میں ہم سے کوئی بھول چوک نہ ہو جائے"۔

"میں مطلب نہیں سمجھا ممی آپ کا"۔

"نہیں بیٹا ایسا نہ ہو کہ ہم کسی بھی طرح اس کی مزید بربادی کا باعث بن جائیں۔ پہلے ہی تو وہ کیسی عجیب جگہ سے آئی ہے"۔

"ممی۔ فرح ماں کو سمجھاتے ہوئے بولی" یہ دارالامان قسم کے جو گھر ہوتے ہیں نا، وہ دراصل پناہ گاہ قسم کی چیز ہوتے ہیں۔ ہم یہ کیوں فرض کیئے لے رہے ہیں کہ وہاں پر خراب لڑکیاں ہی پہنچتی ہیں۔"؟

دونو باتیں ہیں بیٹا۔ خراب لڑکیاں بھی پہنچتی ہیں اور وہاں پہنچ کے بھی خراب ہو جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ کیا گذری اللہ معلوم"۔

"ممی بھلا وہاں پہنچ کے لڑکیاں خراب کیسے ہو سکتی ہیں۔ وہ تو ایک طرح سے وہاں محفوظ ہو جاتی ہیں نا"؟ فرح جرح کرنے پر اتر آئی تھی۔

"تمہیں کیا بتاؤں بی بی۔ اپنے خانساماں کی بیٹی کو جب اس کا شوہر روز مار پیٹ کرتا تھا تو وہ تنگ آکر "ناری سدھار گھر" ہی میں تو گئی تھی"۔

"تو وہاں کیا ہوا تھا۔"؟

"وہاں سے اُسے غلط جگہوں پر زبردستی بھجوایا گیا تھا تو بھاگ کر پھر اپنے شوہر کے پاس آگئی تھی اور بتاتی تھی کہ وہاں ایک اچھائی تو ہے کہ بے سہارا عورتوں کو رہنے، کھانے پینے اور کپڑے کی حد تک سہارا مل جاتا ہے لیکن غلاظت کی بھی انتہا ہے۔"

"ہمارے ہندوستان میں کس کس جگہ کیا کیا کرپشن ہوتا ہے۔ احد ہے۔" عمران سر پر ہاتھ مار کر بیٹھ گیا۔

"ارے ایسا ویسا کرپشن۔" فرح غصہ سے بولی "ہر بات میں کرپشن۔ ارے ہمارے ڈرائیور کی بچی بیمار ہو گئی، میں اسے دیکھنے ہاسپٹل گئی۔ مائی گوڈ وہاں بچوں کے وارڈ کی ساری آیائیں اس قدر موٹی کہ میں دنگ رہ گئی۔ اور بے چارے بیمار بچے، بیحد کمزور، نڈھال۔ دُبلے۔ میں تو کچھ بھی نہ سمجھی، لیکن جب میں آتے ہوئے پینٹری سے گذری تو دیکھا کہ آیائیں یہ لمبے لمبے دودھ کے گلاس غٹاغٹ چڑھا رہی ہیں۔ جس کو جہاں موقع ملے ہاتھ کی صفائی بتا دیتا ہے۔"

"ان فضول باتوں سے ہمارے موضوع کا کوئی تعلق نہیں ہے۔" بیگم کامران پریشانی سے بولیں۔ "میں چاہ رہی ہوں پتہ چلا کے، اس کے ماں باپ زندہ ہوں یا کوئی رشتہ دار ہوں تو وہاں بھجوا دیں۔!"

عمران کا چہرہ اتر گیا۔

"کیوں ممی یہاں رہے تو کیا خرابی ہے۔"

"سب سے بڑی خرابی اس کا بے پناہ حسن اور جوانی ہے بیٹا۔۔ سیاہ آنچ دینے والا حسن تو میں نے بھی اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ ہمارے ہاں تو لوگوں کا آنا جانا ہی رہتا ہے۔ خواہ مخواہ چار لوگوں کی نگاہیں پڑیں گی اور باتیں مشہور ہوں گی۔ اس سے اچھا ہے کہ لڑکی اپنے ٹھکانے سے بیٹھ جائے۔"

عمران لاکھ فری تھا، ماں سے منہ پھوڑ کے کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ خاموش بیٹھا ان کی صورت دیکھتا رہا۔ وہی بولیں ۔

"بیٹے عمران۔ ذرا تم ہی باتوں باتوں میں ٹٹول کر پوچھنا۔ آخر یہ کچھ بتاتا کیوں نہیں چاہتی ؟"

ناشتے پر ٹیبل پہ کھڑکیوں سے چھن چھن کر دھوپ آ رہی تھی۔ اُجالا ہی اُجالا ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ اس روشنی میں وہ سورج کی کرنوں سے بنی کوئی مورتی جیسی نظر آ رہی تھی ۔

بیگم کامران نے اس کے نازک نازک ہاتھ کو ٹوسٹ منہ تک لے جاتے دیکھا۔ اک دم وہ فکر مندی سے بولیں ۔

"بیٹی یہ تمہارے ہاتھ کی پشت پہ داغ کیسا ہے ؟"

کتنے ہی لمحوں تک وہ یونہی اس داغ ہی کو دیکھتی رہی پھر جیسے ڈرتے ڈرتے بولی ۔

"بچپن میں کچن میں چلی گئی تھی۔ مغلانی بوا پاپا کے لئے بطور خاص مرغ مسلّم بنا رہی تھیں۔ میں قریب گئی تو گھی اُڑ کر ہاتھ پہ آ گرا تھا۔ ممّی تو جب تک زخم نہیں بھر گیا، خود بھی تڑپتی رہیں ۔۔۔۔۔"

بیگم کامران نے بیٹی بیٹے کی طرف دیکھا۔ منہ سے کچھ نہ بولیں ۔

کچن

مغلانی بوا ۔

پاپا ۔

مرغ مسلّم

گھی

ممّی۔

انہوں نے ایک ساتھ کتنی باتیں، کتنی کڑیاں جوڑ کے اس کا ماضی ڈھونڈھ لیا۔

عام گھرانوں میں۔ کچن کو چولہا چکی بولتے ہیں۔

مغلانی بوا، نوابوں اور امیر کبیر خاندانی امراء کے ہاں ہوا کرتی تھیں۔

عام حیثیت کے لوگ باپوں کو۔ ابّا، یا بہت تہذیب آگئی تو ابو بولتے ہیں۔

"مرغِ مسلّم۔ ہما شما نہیں کھا سکتے۔ یہ بھی خاندانی رئیسوں کا پکوان ہے۔

عام گھرانوں میں کھانے تیل یا میٹھے تیل سے پکتے ہیں۔ گھی، عید بقرعید پر بطور تبرک استعمال کیا جاتا ہے۔

اور ممّی بولنے والی لڑکی سامنے بیٹھی اپنے شجرۂ نسب کا جیتا جاگتا ثبوت تھی۔

پھلوں سے لدا ہوا درخت سدا نیچے جھکتا ہے، اور خوبیوں سے سجا ہوا انسان لفظوں کے استعمال میں بڑا محتاط ہوتا ہے۔ اور اس طرح سر بلند ہوتا ہے!

مہتاب اتنی لئے دیئے رہتی تھی کہ کسی کو اس کے اندر اترنے کا موقع ہی نہیں مل پا رہا تھا۔ فرح رات بھر رہ کر صبح ہی چلی گئی تھی۔ اب گھر میں دوسرے رشتہ دار تھے نہ میمان۔ بس آجا کے یہ کامران۔

عمران اور مہتاب۔ نوکر البتہ بے حساب تھے۔ بنگلہ ہی اتنا بڑا تھا کہ اتنے نوکر ناگزیر بھی تھے۔

گورکھا دربان تھا۔ مالی تھا۔ خانساماں کک تھا۔ برتن دھونے والی تھی۔ جھاڑو دینے والی تھی۔ آؤٹ ہاؤس میں چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں، انہی میں وہ لوگ رہتے تھے۔

خوب بڑا سارا لان تھا۔ مالی بابا پودوں کی سینچائی کر رہے تھے تو مہتاب

پہنچ گئی۔

پائپ اُن کے ہاتھ سے لے کر بولی۔ "لاؤ بابا پانی میں دیتی ہوں۔"

"ارے بی بی بم دے دے گا۔ آپ چھوکرٹ میں کائے کو تکلیف کرتا ہے۔"

"ارے واہ تکلیف کیسی۔ میں تو اپنے گھر کے لان میں ہمیشہ خود ہی پانی دیتی تھی۔ بہت مزہ آتا ہے بابا۔"

عمران کے کمرے کی کھڑکی لان میں کھلتی تھی۔ مہتاب کو پتہ نہیں تھا، عمران قریب ہی ہے۔

"آپ کا گھر کدھر ہوتا بی بی۔" گھاس کھودتے بابا پوچھ رہا تھا۔

"حیدرآباد میں۔"

"یہ اپنا حیدرآباد آندھرا والا۔ یا وہ پاکستان کا۔" بابا نے ہاتھ لمبا کر کے گویا ٹھیک پاکستان کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے نہیں بابا۔ وہ بڑی کھلی ہنسی ہنس کر بولی۔ یہی اپنا دکن والا حیدرآباد ہاں آندھرا والا ہی۔"

"اچھا۔ ہم سمجھا.... پھر وہ چپ رہ گیا۔

وہ ہنسی۔ "تم سمجھے میں پاکستان سے آئی ہوں؟ پھر اور زیادہ ہنس کر بولی۔ بابا میں پاکستانی لگتی ہوں؟"

اب بابا نے کھرپی پرے رکھ کے بڑے غور سے سر پیچھے کر کے اُسے دیکھا اور فتویٰ دے دیا۔

"نہیں۔ اپنا ادھر کا ہی لگتا ہے۔" پھر بہت زور سے ہنس کر، ہنس ہنس کر اعلان کیا۔

"نہیں بلکہ بمبئی کا ہی دکھتا ہے۔"

"کیوں بابا۔ بمبئی والوں کی کوئی خاص پہچان ہے کیا"؟ وہ بابا کی صحبت میں کافی مسرور نظر آ رہی تھی۔

"ہاں۔ بمبئی والا لوگ۔ جو کھاس اِدھر کا پیدائش ہے اُن کا رنگ آپ کے ویسا اک دم انگریز کا مافِک ہوتا۔ آنکھ مگر ادھر والوں کا چائے کے رنگ کا یا بھورا ہوتا۔ پن آپ کا اک دم اپنے جوہو کے سمندر کا مافِک نیلا ہے۔ پھر غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھ کر بولا۔ "چلے گا" اور سخت مطمئن ہو گیا۔

"کیا چلے گا بابا۔"؟ مہتاب خاصہ مزہ لے رہی تھی۔

"نائیں۔ اپنا چھوٹا صاحب کو ایسا نوری چلے گا۔ ایسا بولتا اپن" اور اس نے گویا شادی کی منظوری دے کر پھر سے کھرپی چلانی شروع کر دی۔

"نوری کیا ہوتی ہے بابا" مہتاب نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ارے نوری نہیں سمجھتا بی آپ۔ نوری مطلب۔ جورو۔ جورو — عورت۔ پن اپنا مہاراشٹر بمبئی میں نوری بولتا"

"شاباش کاکا" عمران اوپر سے چلا کر بولا۔ YEAH"

مہتاب نے اب سر اٹھا کر دیکھا تو عمران نظر آیا۔

وہ سنگِ مرمر کی سیڑھیاں چڑھ کے، اس کے کمرے میں آ گئی۔

"خاصے بدتمیز ہیں آپ۔ لوگوں کی باتیں چوری چوری سنتے ہیں"

"کیا کریں۔ وہ منمنا کر بولا" آپ ہمیں تو کچھ بتاتی ہی نہیں ہیں — سالے بڈھے سے ڈیٹنگ ہو رہی تھی"

"چھی" وہ بیک وقت مسکرائی بھی اور چڑی بھی اور اس وقت عمران کو اتنی پیاری لگی کہ اس نے عجیب سی بات سوچی کہ اتنا پیارا چہرہ بنا کر خود اللہ میاں کو کیسا لگا ہوگا۔؟

"کیا چہک چہک کر باتیں ہو رہی تھیں بڈھے سے کہ جیسے دنیا میں وہ ہے تو پھر کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں ۔"

"کم آن" وہ ہنسی روک کر بولی ۔ "اب آپ نے آگے کچھ کہا تو میں آپ کو مار بیٹھوں گی ۔"

عمران نے سوچا کہ اللہ میاں نے جب دنیا میں بہار تخلیق کرنی چاہی ہوگی تو بس اسی چہرے کو دیکھ کر کی ہو گی ۔

"آپ شوق سے مارنے کا شوق پورا کر لیجیے، لیکن حقیقت پھر حقیقت ہے ۔ کیسے مزے سے حیدر آباد دکن کی باتیں بڈھے کو سنا رہی تھیں ۔ کیا ہم جوان آپ کو پسند نہیں آئے ۔"

"آپ سے بات کرنا، اپنے آپ کو پاگل کرنا ہے" وہ جیسی آئی تھی ویسی ہی چلی گئی ۔

عمران اسی طرح سحر زدہ سا کھڑا اس کی خوشبو کو محسوس کرتا رہا ۔ کتنی ہی دیر وہ اس جگہ کو دیکھا کیا جہاں وہ ابھی ابھی کھڑی تھی ۔

شام کو فرح اپنے بچوں کو لے کر پھر موجود تھی ۔

"کیوں ۔ عمران سنجیدگی سے بولا "۔ اپنے گھر میں دل نہیں لگتا کیا ۔ ؟ جب دیکھو تب وارد ۔"

"ممی ۔ وہ چلائی ۔ دیکھئے نا بھائی جان کو ۔ ..."

گڈی کو لگا کہ ماموں، ماں کو ستا رہا ہے تو چھوٹی سی ناک چڑھا کر بولی ۔

"ماموں تو انامی" ۔ ماموں تو حرامی ۔

گڈی کی آواز سن کر مہتاب اسی دم ڈرائیو وے ہی میں نکل آئی ۔

کاسنی ساڑی ۔ کاسنی بلاؤز ۔ شاید نہائی تھی ۔ سنہرے بالوں کا ایک آبشار

آگے پیچھے موجیں مارتا امڈا پڑ رہا تھا۔ فرح دنگ سی دیکھتی رہ گئی۔ عمران بھی بدحواس ہو گیا۔

"مائی گوڈ WHAT STAGGERING BEAUTY کیا چکرا دینے والی خوبصورتی ہے۔"

اس کے ہاتھوں میں آدھی آدھی کٹی ہوئی موسمبی تھی شاید بیگم کامران کے لئے جوس نکال رہی تھی۔ گڈی کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ اور بھی لَو دے اٹھا۔ گڈی نے بھی اسے دیکھتے ہی اپنے عشق کا اظہار کیا۔

"پکی۔" اور انہوں نے اپنے موٹے موٹے ہاتھوں سے اُسے وش کرنا شروع کر دیا۔

فرح "اسلام علیکم ممی" کہتی ہوئی آئی اور بیگم کامران کے بازو ہی بیڈ پر ڈھیر ہو گئی۔

"وعلیکم اسلام۔ جیتی رہو بیٹی۔ اللہ ہر چھوٹی بڑی خوشی قائم و دائم رکھے۔ ایسے آتے ہی کیوں پڑ گئیں بیٹی۔"

"ہائے ممی تابی کو دیکھ کر ڈھیر ہو گئی۔" پھر وہ اک دم اوندھی ہو گئی۔ "ممی آپ نے اُسے دیکھا کیسی لگ رہی ہے۔"؟

بیگم کامران مسکرائیں۔ "ابھی ابھی تو وہ مجھے دوائیں دے کر گئی ہے۔ جوس لانے کو کہہ گئی ہے۔ صبح سے کھلا کھلا کر مجھے بدحواس کر دیا۔ اُسے کہا بھی کہ اری نادان ہارٹ اٹیک والوں کو تو کم سے کم کھانا چاہیئے۔ نہ مانتی ہی نہیں۔" ان کے لہجے میں پیار ہی پیار اور ستائش جھلکی پڑ رہی تھی۔

"اچھا ہے نا ممی۔ وہ آپ کا اتنا خیال رکھے گی۔" وہ خوش ہو کر بولی۔ "تو میرا دل بھی میری گھر زندگی میں لگے گا ذرا۔"

"مگر تو کل ہی تو آ کر گئی تھی۔ آج کیسے چلی آئی پھر۔" وہ ذرا پریشانی سے بولیں۔

"وہ نا ممی — وہ بچوں کی طرح بولی" "میرا تابی کو دیکھنے جی چاہ رہا تھا۔ ممی اسے دیکھو نا تو ایسا لگتا ہے کہ آنکھوں کو تراوٹ مل رہی ہے۔

جس بھی گھر میں جائے گی روشنی بھر دے گی ممی — ہے نا —"؟

بیگم کامران افسوس سے سر ہلا کر رہ گئیں۔

"کیوں ممی آپ ایسی کیوں ہو گئیں اچانک" وہ پریشانی سے بولی۔

"اسی تابی کے مارے — لڑکیوں کے لئے میرا دل بڑا کڑھتا ہے۔ چاہے کسی کی بھی ہوں — خدا جہاں رکھے خوش رکھے، بڑی مظلوم مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کی"۔

اک دم وہ یاد کر کے بولیں — "لے آپی کا خط آیا ہے تجھے بہت پیار لکھا ہے"

"اوہو ہو ہو — وہ سردی کی ایکٹنگ کرتی ہوئی بولی۔ شکاگو سے نا۔ تبھی اچانک اتنی ہوا لگنے لگی ہے . . . پھر ہنس کر لاؤنج سے سیدھی ہوئی اور انہماک سے خط پڑھنے لگی۔

مہتاب کے پیچھے پیچھے گڈی بھی اسی کے کمرے میں چلی آئی۔

عمران بھی بہانے سے پہنچ گیا۔ "ارے گڈی آپ کے کمرے میں ہے اور میں سارے بنگلے میں ڈھونڈھ آیا"

اس نے گڈی کو کپڑوں کی نیچی والی الماری پہ اٹھا کے گڑیا کی طرح سجا دیا۔

"سنئے محترمہ" وہ گڈی سے مخاطب تھا، لیکن کنگھی کرتی ہوئی مہتاب کو سنا رہا تھا۔

"آپ کی خدمت میں ایک شعر عرض کیا ہے ؎

ستاروں جیسی یہ آنکھیں یہ چاند سا چہرہ

تمہارا سلسلہ کچھ آسماں سے ملتا ہے

گڈّی چڑ کر بولی ۔ "ماموں تو نامی"۔

"اب آپ دیکھئے اور دیکھتے ہی جائے کہ خاکسار کے پاس "چاند" موضوع پہ کتنے سارے اشعار ہیں ۔

تو عرض کیا ہے ۔

چاند کتنا بھی خوبصورت ہو
تم سے کم ہے، یہ مان جاؤ نا

"ماموں تو تُتا" گڈّی نے داد دی ۔

"آداب عرض ہے" عمران آداب بجالایا ۔

"تو سنئے گڈّی صاحبہ" وہ بدستور گڈّی کو مخاطب کیئے ہوئے تھا ۔

چاند میں تو داغ ہے پر آپ میں وہ بھی نہیں چودھویں کے چاند سے بڑھ کر ہے چہرہ آپ کا "ماموں تو اُلو"۔

آداب عرض ہے ۔ آداب عرض ہے ۔ سنئے عرض کیا ہے ۔

چاند اپنی جگہ پہ روشن ہے
روشنی تو بھی کم نہیں کرتا !

"ماموں تو بدماچھ"

"تو عرض کیا ہے محترمہ ۔

چاند کو جب جب بھی دیکھا، ہم نے بس سوچا یہی
کیا اجالوں کے لئے چہرہ ترا کافی نہ تھا ؟

"ماموں تو نامی" ۔ گڈی چلاّ کے بولی ۔

وہ بھی کافی اونچے سر میں بولا ۔

"آداب عرض ہے ۔ سنئے ارشاد کیا ہے ۔

خدا نے چاند ستارے بھلا بنائے کیوں ؟
کیا آپ کم تھے زمانے میں روشنی کے لئے !

گڈی نے زور زور سے رونا شروع کر دیا تو عمران مسمسی شکل بنا کر بولا۔

"یار کیا مصیبت ہے اچھی شاعری کی قدر ہی نہیں کسی کے پاس" اور "کسی" کہہ کر اس نے شرارت سے مہتاب کو دیکھا۔ "ایک شعر اور یاد آگیا۔ لیکن یہ چاند پر نہیں ہے یعنی آپ پر نہیں ہے ؎

آنکھیں ، باتیں ، بھلے نہ کر پائیں
پھر بھی ان کی زبان ہوتی ہے

"واہ واہ دادا۔ وہ خود ہی چلایا۔" کیا شعر ہے اور کیا معنویت ہے اور ...

مہتاب سنجیدگی سے بولی۔

"آپ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے"۔

"میں ۔ ؟ میں ۔ وہ اپنے سینے پر انگلی ٹکا کے بولا۔ یعنی کہ میں شریر۔؟ کیا میں دو سال کا بچہ ہوں جو شرارت کروں گا"۔

"بہر حال آپ جو بھی کر رہے ہیں غلط کر رہے ہیں"۔ وہ بدستور سنجیدہ تھی۔

"مثلاً میں کیا کیا کام غلط کر رہا ہوں آپ مجھے ایک List بنا کر دے دیں"۔

وہ گڈی کو گود میں لئے لئے اس کے قریب آگیا۔

"آپ پھر مذاق میں ٹال رہے ہیں۔ دیکھئے مجھے یہاں رہنا ہے اور شرافت سے رہنا ہے۔ اس لئے ... وہ چپ رہ گئی۔

"تو آپ رہیئے نا۔ اور شرافت سے بھی رہیئے ۔ میں نے منع کیا ہے کیا۔"؟

"آپ میرا مطلب سمجھنے کی کوشش کیجئے احمد صاحب"۔

"آپ سمجھائیں تب نا ۔"؟ وہ الجھ کر بولا۔

"دیکھئے" وہ نرمی سے سمجھانے کے انداز میں بولی ۔ آپ ۔ آپ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے اشارے سمجھ نہیں رہی ہوں ۔ میں بچی نہیں ہوں ۔ لیکن کیا.... کیا آپ سمجھ نہیں سکتے"؟

عمران مسکرا کر بولا ۔ "کیا نہیں سمجھ سکتا"

"یہی" ۔ وہ اٹک اٹک کر بولی ۔ کہ میں آپ کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتی.....

"کیوں ۔ کیوں ۔ کیوں ۔ وہ بوکھلا کر بولا ۔

آخر کیوں ۔"؟

"اس لئے کہ" ۔ وہ دھیرے دھیرے مگر صاف لہجے میں بولی کہ میں ۔ شادی شدہ ہوں"

"کون ہے وہ گدھے کا بچہ"؟ وہ غصہ سے بولا ۔

"ارے ارے ۔ وہ حیران ہو کر بولی"

"آپ گالی بھی دیتے ہیں ۔"؟

"آئی ام سوری ۔ مگر کون ہے وہ اُلو کا پٹھا" ۔ وہ بھنا کر بولا ۔

وہ سنجیدگی سے بولی ۔ مجھے آپ تک صرف یہ بات CONVEY کرنی تھی کہ I'M NOT FOR YOU اس بات سے آپ کو کوئی غرض نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ کون ہے ۔"؟

"وہ جو کوئی بھی ہے میں سالے سے کھڑے کھڑے طلاق دلوا لوں گا" وہ غصہ سے بولا ۔ وہ سچ مچ بے حد غصہ ہو رہا تھا ۔

مہتاب نے غور سے اسے دیکھا ۔ "اگر اس شخص کی دیوانی محبت کے یہی حال رہے تو ۔ میں نے تو جان بوجھ کر اسے یہ بات بتا دی کہ میں شادی شدہ ہوں تاکہ

وہ پیچھے ہٹ جائے، لیکن .....

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

رات کو جب عمران ماں کو شب بخیر اور خدا حافظ کہنے ان کے کمرے میں آیا تو وہ دھیرے سے بولیں۔

"بیٹا۔ آج ایک ہفتہ ہو گیا۔ تم نے مہتاب سے اس کے بارے میں کچھ پتہ چلایا۔"؟

"ممی۔ وہ ٹالنے کے انداز میں بولا۔" وہ کچھ بتائے تب نا۔"؟

"تو تم کرید کے دیکھو تو سہی۔ بڑی پیاری بچی ہے میں تو..... وہ اک دم چپ ہو گئیں۔

"کیا بات ہے ممی۔" وہ نزدیک آ کر ان کے بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔

"عمو۔ میں چاہتی تھی گھر چل کر آہی گئی ہے تو گھر ہی میں رہ جائے۔"

عمران ماں کا منہ تکتا رہ گیا۔

"اور پھر فرح بھی کہہ رہی تھی کہ اُسے بھی تابی بہت ہی پسند ہے۔"

کوئی میری بات نہیں کرتا کہ مجھے کتنی پسند ہے وہ دل ہی دل میں بولا۔

"تو..... وہ اٹک اٹک کر بولا۔" تو ممی پھر قباحت کیا ہے۔"؟

"بیٹا وہ ناری سدھار گھر سے آئی ہے اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ ایسے گھروں میں لڑکیاں خراب راستوں پہ بھٹک جانے کے بعد ہی پہنچتی ہیں۔" وہ بڑی متانت سے اُسے سمجھا رہی تھیں۔

"لیکن ممی۔ وہ تیزی سے بولا" کئی لڑکیاں ایسی بھی ہوتی ہوں گی جو دوسری وجوہات کی بنا پر بھی وہاں پہنچتی ہوں گی۔"

"اور وہی" دوسری وجوہات"، ہمیں نہیں معلوم۔ بیٹے جب بازار میں خریداری

کرنے نکلتے ہیں تو دو روپے کا گھڑا بھی ٹھونک بجا کر لیتے ہیں کہ بعد میں پانی ٹپکنے نہ لگے۔ یہ تو زندگی بھر کا سودا ہے میرے لال۔ کیا میں ماں ہو کر سمجھ نہیں سکتی کہ تمہاری آنکھوں میں جو آج کل چاند ستارے جگمگانے لگے ہیں تو ان اجالوں کے پیچھے کون سا چاند جگمگا رہا ہے۔ لیکن.....

وہ خاموش ہو گئیں لیکن اس لیکن کے پیچھے ایک بہت بڑی محرومی انہیں کھائے جا رہی تھی۔

"میں پوچھوں گا ممی۔ اُس سے منت سماجت کر کر کے پوچھوں گا کہ وہ اپنے دل کی بات آخر ہمیں بتاتی کیوں نہیں۔"؟

مہتاب جنگ تمہیں پاپا یاد ہیں نا۔؟ ان کی دی ہوئی ایک ایک نصیحت، ان کی سمجھائی ہوئی ایک ایک بات۔ ان کا دیا ہوا ایک ایک مشورہ۔

"بیٹا اپنے رازاں ہمیشہ اپنے اچ دل میں چھپا کو رکھنا۔ تیرے میرے سے دل کے باتاں بولنے سے کون بولتے نئیں معلوم کی دل ہلکا ہوتا۔ نئیں بیٹا اپنے رازاں دوسروں سے بولنے سے خود اپن ہلکے ہو جاتے۔ کم عزت ہو جاتے۔ تو خیر گر جاتی۔ ہور سننے والا کبھی دشمن بن گیا بعد میں تو اُنے تمہارے اُس راز کے سہارے تم کو گرا کو دیکھ سکتا۔

بیٹا اللہ میاں جو بھی دُکھاں سُکھاں نصیبے میں لکھ دیئے سو لکھ دیئے۔ وہ ہو کر اچ رہتے، پھر کیا تو بھی فائدہ اپنے دکھڑے تیرے میرے آگے رونے سے۔"؟

نہیں وہ اپنے دکھڑے کسی کے آگے نہیں روئے گی۔ صرف دعائیں کرے گی کہ اللہ اس کے راستے کے ہر کانٹے کو پھول بنا دے۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا تابی۔ میں کب سے ایک ہی ایک بات دہرائے جا رہا ہوں۔"؟

عمران کتنی دیر سے۔ کتنی بار یہ سوال کر چکا تھا "تابی تمہاری شادی کس سے ہوئی تھی اور اب تمہارا SO CALLED شوہر کہاں ہے" لیکن وہ صرف انگوٹھے سے زمین کرید سے جا رہی تھی۔

"تابی تمہیں یہ نہیں لگتا کہ زندگی کتنی خوبصورت اور انمول شے ہے اور جوانی بار بار نہیں ملتی۔ کوئی لمحہ بھی دوبارہ نہیں ملتا۔ ہم جن لمحوں کو جاوداں بنا سکتے ہیں تم انہیں رائیگاں کرنے پہ تلی ہوئی ہو"! وہ جو ہمیشہ ہنسی مذاق کے سوا بات کرتا ہی نہ تھا آج اس قدر سنجیدہ گفتگو کر رہا تھا۔

"مجھے خود پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہیں"۔ وہ عاجز آ کر بولی۔

"یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ تمہارا شوہر اور تمہیں ہی پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے"۔ عمران الجھ کر بولا۔

"میں غریب تھی نا۔ چھوڑ کر چلا گیا میرا شوہر۔ کیونکہ میں جہیز نہیں لا سکی تھی"۔ وہ نیچے دیکھتے ہوئے بولی۔

"تابی۔ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو گی تبھی میں یقین کروں گا۔ تمہیں پتہ ہے آنکھیں بڑی سچی ہوتی ہیں"۔ وہ تلخی سے بولا۔

"جذبے بھی تو سچے ہوتے ہیں۔ لیکن ایسی سچائی کی قدر کون کرتا ہے"۔ ؟ جانے اس کا کیا مطلب تھا اور یہ جملہ اس نے کس کے لئے کہا تھا، عمران کچھ نہ سمجھا۔

وہ ذرا قریب کھسکا۔ مہتاب بھی پیچھے ہٹ گئی۔

جو لڑکیاں منہ سے یہ جملہ کہہ دیتی ہیں کہ "میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں" وہ میزانِ شرافت میں بڑی جلدی وزن کھو دیتی ہیں۔ اُس نے منہ سے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ لیکن اس کا عمران کے قریب آنے پر پیچھے کھسک جانا، عمران کی نگاہوں میں اس کے شجرۂ نسب کو بہت اونچا لے گیا۔

وہ بے بس سا ہو کر بولا۔

"میں بھی یہ تہیّہ کئے ہوں کہ اس ذلیل شخص کو، جس نے ایسی سچے موتی جیسی لڑکی کو ٹھکرا دیا ہے، ڈھونڈھ نکالوں گا اور پھر تمہیں دلہن بناؤں گا۔

AND I MEAN IT WHAT I SAY

اور میں جو کچھ بھی کہتا ہوں، سمجھتا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

مہتاب نے اسے زخمی نگاہوں سے دیکھا "آپ ممّی اور بہنوں کی آرزوؤں کا گلا نہ گھونٹئے اور جہاں وہ کہتے ہیں شادی کر لیجئے آپ کا یہ عہد مجھے ہنسنے پر مجبور کر رہا ہے۔ بھلا آپ یہ سمجھنے پر کیسے مجبور ہوئے کہ جب آپ اس شخص کو پا لیں گے تو میں خود بھی اسے پانا نہ چاہوں گی"۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔

وہ بیحد چڑ گیا۔

"کمال کرتی ہیں آپ۔ یعنی جو اُلّو کا پٹھا آپ جیسی انمول ہستی کو چھوڑ بھاگا، آپ کے دل میں ابھی تک بھی اس کے لئے اتنی جگہ ہے کہ مل جانے پر آپ اس کے ساتھ جانے پر راضی ہو جائیں"۔؟؟

وہ دونو گھٹنے جوڑ کر ان پر اپنی ٹھوڑی ٹکا کر بڑی ملائمیت سے بولی۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں کہ نواب وراثت یار جنگ کی مشرقی تہذیب میں پلی پڑھی بیٹی اتنی بد اطوار ہو سکتی ہے کہ کسی کی بیوی ہونے کے باوجود ایک غیر مرد سے راہ رسم بڑھائے۔؟؟

عمران شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ واقعی اس نے اپنی شدید چاہت میں ڈوب کر یہ تو سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی محبت یک طرفہ بھی ہو سکتی ہے!!

"تو پھر میں اللہ میاں سے آپ کے بیوہ ہونے کی دعا مانگوں گا، سنا ہے دل سے نکلی ہوئی دعائیں وہ پاک پروردگار بڑی جلد قبول فرماتا ہے۔۔۔۔

"احمد صاحب ۔" وہ تقریباً چیخ کر بولی ۔ "جس گمشدہ محبت کی آس میں میں روز آنکھوں کے کنول جلاتی ہوں ۔ جس بھولے ہوئے مسافر کے پلٹ آنے کی امید میں میں دل میں چراغ روشن کئے رہتی ہوں ۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ وہ چراغ بجھ جائیں ۔ وہ پھول مرجھا جائیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک اٹھے ۔ آواز تھرا گئی ۔

" میں ۔ میں تو یہی دعائیں اپنے خدا سے مانگتی رہتی ہوں کہ میری دنیا بھی رنگین ہو ۔ آپ کو پتہ ہے سہاگن کا ڈولا سرخ ہوتا ہے ۔ ؟ کیا ہوا اگر میں نے سہاگ رات کی رنگینیاں اور سرخیاں نہیں پائیں ۔ موت بھی تو خوبصورت اور رنگین ہوسکتی ہے نا ۔" ؟ اور وہ سسک سسک کر رونے لگی ۔

MONTHLY چیک اپ کے لئے بیگم کامران کو دیکھنے ڈاکٹر رضا ہمدانی آئے تو وہ پہلے سے کافی تندرست نظر آئیں ۔

"مبارک ہو مسز کامران ۔ آپ پہلے سے کئی گنا بہتر ہیں ۔"

وہ بھی خوشی خوشی بولیں ۔ جی ہاں ڈاکٹر صاحب میں خود اب پہلے سے بہتر محسوس کرتی ہوں ۔ اصل میں میری دیکھ ریکھ اور نگہداشت بہت توجہ اور حسن انتظام کے ساتھ ہو رہی ہے ۔"

"اچھا ۔ ؟ وہ استھٹسکوپ لپیٹتے ہوئے مسکرا کر بولے ۔" کیا صاحبزادے کی شادی کر دی ہے ۔ ؟ بہو بیگم تیمارداری کر رہی ہیں آج ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اسی لمحہ سوپ کا پیالہ لئے ہوئے مہتاب ان کے کمرے میں داخل ہوئی ۔ ڈاکٹر رضا ہمدانی نے اسے دیکھا اور اس نے انہیں ۔ سوپ کا پیالہ زمین پہ ایک زور دار چھناکے کے ساتھ گرا اور ادھر ڈاکٹر رضا ہمدانی کا دل بھی کئی کرچیوں میں بٹ گیا ۔

"آئی ام سوری" کہہ کے جلدی سے مہتاب اُلٹے پیروں ڈسٹر لانے بھاگی۔
بیگم کامران نے دونو کی سراسیمگی کو محسوس کیا۔ ڈاکٹر رضا ہمدانی ڈوبے ہوئے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"غالباً یہی آپ کی بہو صاحبہ ہیں۔"؟

بیگم کامران کے منہ سے جواب سننے سے پہلے کئی بار ڈاکٹر رضا ہمدانی مرے اور کئی بار جیئے۔

وہ مسکرائیں اور بولیں۔ "جی نہیں۔ عمّو تو شادی کے نام سے بدکتا ہے۔ یہ تو میری نئی ATTENDANT ہے۔"!

آج تک جب سے دنیا بنی ہے کوئی مرنے والا دوبارہ اسی دنیا میں نہیں جیا، اور کوئی یہ بتا بھی نہیں سکتا کہ دوبارہ جی اٹھنے پر کیا محسوسات اور احساسات ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر رضا ہمدانی مر کے زندہ ہوئے تھے اور بتا سکتے تھے کہ دوبارہ جی اٹھنے پر دنیا مہتاب کی طرح خوبصورت لگتی ہے۔

مہتاب سامنے ڈسٹر لیئے کھڑی تھی۔

وہ جھکی کہ فرش صاف کرے۔

"آپ کیوں جھک رہی ہیں۔ آپ کے آگے تو ساری کائنات جھک جانے کو بے تاب ہے۔" ڈاکٹر رضا ہمدانی کے دھڑ دھڑ دھڑکتے دل سے آواز آ رہی تھی۔

"اے بیٹی خدا نہ کرے جو تم فرش صاف کرو۔ گلابو کدھر چلی گئی۔ کسی سے کہو اُسے آواز دے۔"

"جی یہ میرے لئے سعادت ہو گی کہ جس زمین پر آپ کے مقدس پاؤں پڑتے ہیں، وہاں میرے ہاتھ پہنچیں۔" وہ بیحد مہذب انداز میں بولی۔

"نہیں ۔نہیں ۔نہیں ۔ایک ٹوٹے دل سے آواز آئی۔ میں اس جنت سے دوری برداشت نہیں کرپاؤں گا میرے خدا ۔ !سمندروں کی طرح عظیم رحمت والے اے مہربان خدا ۔اپنی رحمت کی ایک بوند عطا کرکے میری سوکھی اور پیاسی زندگی میں جل تھل کردے، پھر اسی لمحہ میں مر بھی جاؤں تو جی جاؤں گا....."

انہوں نے اپنے آپ کو بیحد سنبھال کر، اپنے وجود کی ساری طاقتیں مجتمع کرکے بمشکل کہا۔

"آپ کی تعریف ۔"؟ ان کا اشارہ مہتاب کی طرف تھا ۔

بیگم کامران اپنے لہجے میں ایک ماں کا سارا پیار اور مامتا بھر کے بولیں ۔

"اس کی تعریف ۔ ؟ ڈاکٹر صاحب خدا نے آج تک وہ زبان بنائی ہی نہیں جو اس کی صحیح تعریف کرسکے اور نہ وہ آنکھیں بنائیں جو اس کی دید سے سیراب ہو سکیں ۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ خداوند تعالیٰ کو میری کوئی بھی ادا ایسی پسند آگئی تھی جو اُس نے مجھے اس انمول نعمت سے نواز دیا......

مہتاب پر یہ محبت بھرے لہجے بیحد محبت سے تر پھوار کی طرح برس رہے تھے۔ وہ نیچے سر کئے جان بوجھ کر فرش کو رگڑے جا رہی تھی کہ کسی کی بھی نگاہوں کا سامنا کرنے کی تاب اس میں نہیں تھی ۔

"مگر یہ آپ کو مل کہاں سے گئیں "؟ وہ لہجے میں آنسو بھری بشاشت شامل کرتے ہوئے بولے ۔

بیگم کامران کے لہجے میں غم چھلک آیا ۔

"ناری سدھار گھر" سے آئی ہے ۔ کچھ بتاتی نہیں کہ ایسی خاندانی، مہذب اور تعلیم یافتہ بچی اور "ناری سدھار گھر"۔ خدا کرے میں اس کے لئے کوئی اچھا لڑکا تلاش کرسکوں "!!

یہ یکایک رم جھم کرتی پروائیاں کہاں سے چلنی شروع ہوگئیں۔ یہ سارا ماحول۔ یہ ساری دنیا۔ یہ ساری کائنات اچانک کیسے خوشبوؤں اور خوشیوں میں نہا گئی۔ آپ کس قدر مہربان خاتون ہیں۔ آپ۔ آپ اس کے لئے کوئی اچھا لڑکا تلاش کرنا چاہتی ہیں۔ یعنی اپنے بیٹے کی دلہن نہیں بنانا چاہتیں نا۔ آپ کو میں اپنی عمر کے باقی ماندہ سارے سال نذر کر دوں؟؟ اپنی یہ ساری زندگی صرف آپ کی خدمت کے لئے وقف کر دوں۔؟؟

ڈاکٹر رضا ہمدانی بیحد خوش دلی سے ہنسے۔

"اب دیکھئے آپ کس قدر جلد صحت مند ہوتی ہیں۔۔۔ میں۔

عمران کمرے میں ماں کی خیریت پوچھنے داخل ہوا تو ڈاکٹر رضا ہمدانی بشاشت سے بولے۔

"ہلو مسٹر آئی۔ کے۔ احمد۔ بہت دنوں بعد آپ کے دیدار ہو رہے ہیں"۔

"ارے آداب عرض ہے ڈاکٹر صاحب"۔ وہ انہیں سر سے پاؤں تک غور سے دیکھتا ہوا بولا"۔ ہمیشہ سنجیدہ رہنے والے ڈاکٹر رضا ہمدانی۔ بات کیا ہے۔ بڑے خوش نظر آرہے ہیں آج۔"؟

"آج میں نے وہ خوشی پائی ہے کہ۔۔۔ اک دم انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ضرورت سے زیادہ خوش نظر آرہے ہیں اور ہر انسان یہ بات نوٹ کر رہا ہے۔ وہ بات کا رخ بدلتے ہوئے بولے۔" کہ ایک ڈاکٹر ہی محسوس کر سکتا ہے بس"۔

"ایسی بھی کیا بات ہوگئی ڈاکٹر صاحب"۔ عمران مسکرا کر بولا۔

"مسز کامران تقریباً نارمل ہوگئی ہیں۔ اور یہ کیا کم خوشی کی بات ہے۔"؟ وہ مہتاب کی جانب کن اکھیوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"مہتاب پلیز آپ کریم سے چائے کے لئے کہہ سکیں گی"۔ اچانک عمران مہتاب

سے مخاطب ہو گیا۔ صرف مہتاب کو دیکھ لینے سے، ایک نظر دیکھ لینے سے عمران کی آنکھوں میں چراغ سے لَو دینے لگے تھے۔ ڈاکٹر رضا ہمدانی جو ابھی ابھی مارے خوشی کے اپنے آپ کو سنبھال نہیں پا رہے تھے۔ اک دم بجھ سے گئے۔

بیگم کامران نے ایک ماں کی طرح، چراغ کی اس بجھتی لَو کو بھی اپنے دل میں جگہ دی۔!

رات کھانے کی ٹیبل پر عمران۔ بیگم کامران اور مہتاب۔ تین ہی لوگ تھے۔

"کریم تم جاؤ۔ کام پڑے گا تو تمہیں آواز دے لیں گے"۔ بیگم کامران نے کریم سے یہ بات کہی تو عمران نے چونک کر انہیں دیکھا۔

کریم چلا گیا اور ڈائننگ روم خالی ہو گیا تو بیگم کامران بیحد اپنائیت اور محبت سے بولیں۔

"بیٹی۔ تم ڈاکٹر رضا ہمدانی کو کیسے جانتی ہو"۔؟

عمران کو زور سے ٹھسکا لگا۔

مہتاب کا ہاتھ منہ تک جاتے جاتے رُک گیا۔ جواب سوچنے میں اسے قرن لگ گئے۔

"جی۔ بیمار ہو گئی تھی۔ ایز اے پیشنٹ AS A PATIENT۔ چیک اپ کے لئے گئی تھی"۔

عمران نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا۔

"آپ سے ڈاکٹر رضا ہمدانی نے بتایا"۔؟

"بیٹا جب آنکھیں زبان کی جگہ لے لیتی ہیں تو گفتگو بے معنی لگتی ہے۔! وہ پانی کا ایک گھونٹ پی کر بولیں۔ مجھے اُن کی آنکھوں نے بتایا۔ اور آنکھیں بڑی سچی زبان رکھتی ہیں۔ انہی سچی زبان والی آنکھوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کی محبت

سچے موتی کی طرح آبدار ہے "

عمران کی بے قراری قابلِ دید تھی ۔

"اور میری بڑھتی عمر اور ماہ و سال کے تجربوں نے یہ بتایا ہے کہ محبت کا وہ موتی جو دل کے سیپ میں بند ہوتا ہے، مہتاب نے نہ ڈاکٹر رضا ہمدانی کو سونپا ہے نہ تمہیں "

" مہتاب نے پرُ سکون ہو کر ایک گہری لمبی سانس بھری ۔ عمران بھی اپنی جگہ مطمئن ہوا ۔

" بیٹی ۔ وہ مہتاب سے مخاطب ہوئیں ۔

" دنیا کانٹوں بھرا بستر ہے ۔ خاص طور سے عورت کے لئے ۔ اس پر چلو گی تو بھی کانٹے چبھیں گے، بیٹھو گی تو بھی اور لیٹو گی تو بھی ۔ کہیں پناہ نہیں ہے بیٹی ۔ خاص طور سے ایک کنواری لڑکی کے لئے ۔

میں ماں ہوں ۔ اپنے بچوں کی ہی نہیں ۔ تمہاری بھی ۔ آج ہوں ۔ کل نہیں ہوں گی ۔ میں سمجھتی تھی دو بیٹیاں بیاہ دیں دنیا جیت لی، اب لگ رہا ہے تیسری بیٹی کو یونہی چھوڑ کر چلی گئی تو نامۂ اعمال داہنے ہاتھ کی بجائے بائیں ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا ۔ ....

" وہ رُکیں ۔ پانی کا ایک گھونٹ بھرا " میں تمہاری بھی ماں ہوں ۔ تمہیں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا حق، موقعہ اور وقت دیتی ہوں کہ جس سے چاہے تم شادی کرو ۔ چاہے میرے بیٹے سے، یا ڈاکٹر رضا ہمدانی سے ۔ میں دونوں ہی صورتوں میں تمہاری خوشی مقدم جانوں گی .....

لیکن ممّی ۔ عمران رُکتے رُکتے بولا ۔

" مہتاب از آل ریڈی میریڈ ۔

MAHTAAB IS ALREADY MARRIED!!"

وہ شادی شدہ لڑکی ہے ....

"ہائے اللہ ۔" کہہ کر بیگم کامران نے اپنا دل پکڑ لیا ۔ اور ٹیبل پر سامنے جھک سی گئیں ۔

ڈاکٹر رضا ہمدانی کو فون کیا گیا لیکن وہ کلینک پر نہیں ملے ۔

مہتاب بیگم کامران کی دواؤں کے بارے میں اب پوری آگاہی رکھتی تھی، اس نے جلدی جلدی انہیں ساری دوائیں دیں ۔ جرمن ہومیوپیتھی کی گولڈن ڈراپس GOLDEN DROPS، جوان کے ایک ہومیوپیتھ فیملی ڈاکٹر بدرِ عالم کی دی ہوئی دوا تھی ۔ وہ ان کے حلق میں ٹپکائی ، تب کہیں جاکر ، رات گئے ان کی طبیعت سدھری ۔

آدھی رات کے قریب جب نیند کی گولی کا پورا اثر ہوا اور بیگم کامران گہری نیند میں ڈوب گئیں تو مہتاب انہیں کمبل اڑھا کر دھیرے دھیرے اپنے کمرے میں آ گئی ۔

مہتاب جنگ ۔ کس دوراہے پہ لا کے زندگی نے تمہیں چھوڑ دیا ہے ۔ کہاں جاؤ گی کیا کرو گی اب ۔ تم نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا نا کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر پھر کبھی تمہاری ملاقات ڈاکٹر رضا ہمدانی سے ہوگی ۔ ؟ اُن کے چہرے پر قوسِ قزح کے تمام رنگ دیکھے تھے نا آج تم نے ۔ ؟ اور مسٹر آئی ۔ کے ۔ احمد ۔ ؟ انہوں نے خود سے جو عہد کیا ہے ۔ وہ تم نے سنا ہے نا ۔ لیکن تمہارا دل صرف اُس ہستی کے لئے مچلتا ہے جسے تم نے دیکھا نہ شاید کبھی دیکھو گی ۔ تم اسے پہچانو گی کیسے مہتاب جنگ ۔ ؟ وقت گذرتا ہے تو چہرے پہ جھریاں ڈال دیتا ہے ۔ ان جھریوں کے پردے میں بھی بھولے بسرے نقوش اپنے خدوں کی پرچھائیاں ابھار ہی دیتے ہیں ۔ لیکن کب؟ جب کہ وہ چہرہ ۔ وہ جھریوں بھرا چہرہ بھی پہلے سے دیکھا بھالا ہو ۔ تم نے تو عمران کا شفق

کا صرف نام ہی نام سُنا ہے۔ اُسے دیکھا ہی نہیں تو پاؤ گی کیسے۔ پہچانو گی کیسے۔ ؟

پھر کیا زندگی بھر کا یہ سفر یونہی تنہا تنہا اس بے وفا ہرجائی کے نام پر طے کرلو گی جو نہ جانے زندگی کی کس خوبصورت پناہ میں اپنے قہقہوں کی گونج میں وقت کے ہر قطرے قطرے سے اپنی پیاس بجھا رہا ہوگا۔ کسی خوش نصیب کے ساتھ زندگی کی ساری خوشیوں کو انجوائے کر رہا ہوگا۔ پھر تم کیا کرو گی۔ ؟ یونہی تنہا۔ اداس۔ اکیلی بوڑھی ہو جاؤ گی۔ ؟ پھر وہ ننھی منی گڑیا۔ ؟ جس کے سنہری بال تھے، گہری نیلی آنکھیں تھیں۔ چاند کی طرح جگمگاتا چہرہ تھا۔ جس کے سنہری بالوں کی دو ننھی منی چوٹیاں گوندھ کر تم نے کانوں کے اوپر پن کر دی تھیں۔ اور ہاں کبھی کبھی پونی ٹیل بھی تو باندھ دیا کرتی تھیں تم۔ وہی نیلی آنکھوں والی گڑیا۔ یاد ہے پاپا کی تیسری انگلی میں ایک انگوٹھی ہوا کرتی تھی۔ نیلم جڑی کیسا جگمگ نیلم تھا۔ پاپا تمہیں پیار کرتے وقت ممی سے کہا کرتے تھے۔

"ہمارے انگشتری میں یہ نیلم ہے سو جھوٹا۔ ہمارے شہزادی ماں کے آنکھاں کے نیلم سچے۔"

وہی سچے نیلم اب اپنی گڑیا کی آنکھوں میں سجانے ہیں نا۔ لیکن جب وہی نہیں، جو سچے نیلم والی گڑیا کی نوید دے گا۔ وہی نہیں جو تمہیں سہارا دے کر میٹرنٹی ہاسپٹل کی سیڑھیاں چڑھائے گا تو پھر وہ گڑیا کہاں سے آئے گی جو نیلم کی آنکھیں، سونے کے بال اور چاندی کے گال لے کر تمہیں آنگن میں کلکاریاں مارے گی۔ ؟ ؟ کیا وہ تمہارا ان دیکھا ساتھی کبھی اس طرف سے گذرے گا۔" ؟ وہ اُٹھ کر ٹیبل سے لگی کرسی پر جا بیٹھی۔

تم کون ہو۔ میں نہیں جانتی۔ کہاں ہو۔ یہ بھی نہیں جانتی۔ لیکن اپنی تڑپ دیکھتی ہوں تو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ

جب بھی تم اس طرف سے گذرو گے
تم کو میرا خیال آئے گا
میرے کمرے کی سرد خاموشی
بڑھتے قدموں کو روک دے گی وہیں

میری باتوں کو یاد کر کر کے
ہنستے ہنستے بھی رو پڑو گے تم
اور رو رو کے تم یہ سوچو گے
اس جگہ ایک پھول ہوتا تھا
پھول جو زندگی کا مظہر تھا

پھول کھلتے ہیں کیوں بہاروں میں
جب کہ مرجھانا اُن کی قسمت ہے

کیا کبھی تم نے یہ بھی سوچا ہے
میں تمہارے ہی دل کی دھڑکن تھی
مرے ہونٹوں پہ میری سانسوں میں
ایک ہی ایک نام گونجا تھا

تم بھی میرے لئے ہی جیتے تھے
خواب میرے ہی بُنتے رہتے تھے

میں تمہاری تھی تم بھی میرے تھے
رات چاندی تھی دن سنہرے تھے

میں بھی ایسا ہی پھول تھی ہمدم
جو کھلا تھا بہار کی رُت میں
پر بہاریں نہ مجھ کو راس آئیں
ایسی مُرجھائی پھر نہ کھل پائی
خاک تھی خاک میں ملی ایسے
پتیاں تک اُڑیں ہواؤں میں

میں کہاں تم کو ڈھونڈنے جاؤں
تم تو رہتے ہو میری سانسوں میں

اب تو ہر سو گھنے اندھیرے ہیں
ہاتھ پھیلا کے ہنس کے کہتے ہیں
آؤ آؤ کہاں چھپی تھیں تم
ہم تمہاری ہی راہ تکتے تھے

عمران نے ایک بار۔ دو بار۔ کئی کئی بار یہ خوں رُلا دینے والے اشعار پڑھے۔ مہتاب نے یونہی دل کے احساسات کاغذ پر اتار دیئے تھے شاید۔ لیکن عمران کا دل کٹ کٹ گیا۔

میں کہاں تم کو ڈھونڈنے جاؤں
تم تو رہتے ہو میری سانسوں میں

یہ محبت کی انتہا تھی۔ اُس شخص کے لئے جس کی اُسے کوئی خبر تھی نہ پتہ۔

"مہتاب۔ میں اُس شخص کا حلیہ، نام، ممکنہ پتہ تم سے تفصیل سے پوچھوں گا اور تمہاری خاطر اُس شخص کو ڈھونڈھ نکالوں گا، جس نے تم سے تمہاری خوشیاں چھین کر تمہیں یوں خزاں رسیدہ پتے کی طرح آندھیوں کی زد میں چھوڑ دیا ہے۔! نہیں مہتاب آئندہ تم کبھی کسی کاغذ پر یہ نہیں لکھو گی کہ ہر سو گھنے اندھیرے، میں اور ہاتھ پھیلا کے ہنس کے کہتے ہیں۔ آؤ آؤ کہاں چھپی ہو تم۔ ہم تمہاری ہی راہ تکتے ہیں۔ اب۔ اب اجالے تمہاری راہ تکیں گے۔

I SWEAR — I SWEAR UPON YOU!

"میں تمہاری قسم کھاتا ہوں مہتاب۔ تمہاری۔

تم جو آج تک کی زندگی میں ملنے والی ساری چیزوں سے زیادہ پیاری اور ہر شے سے عزیز تر ہو مجھے۔ I LOVE YOU LOVE۔ میری محبت۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اتنی محبت کہ آج تک اتنی محبت اتنی بڑی دنیا میں کسی نے کسی سے نہیں کی ہو گی"!

مہتاب یونہی کاغذ پن پکڑے پکڑے سو گئی تھی۔ اس کے ہاتھ کے لکھے اشعار کھڑے کھڑے ہی عمران نے پڑھے۔ اس کا دل اتنا بھر آیا کہ اسے لگا کہ اگر وہ وہاں سے ہٹ نہ گیا تو شاید ہچکیاں نکل پڑیں گی۔ وہ چاہ رہا تھا سہارا دے کر مہتاب کو اس کے بستر تک پہنچا دے، لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ مہتاب کو چھونے کی ہمت وہ نہ کر سکا۔ سونے سے پہلے وہ یونہی سارے بنگلے کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ مہتاب کے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھ کر وہ اندر آیا تو دیکھا کہ ٹیبل پر سر رکھے رکھے مہتاب سو گئی ہے۔ ہاتھ میں پن پکڑا ہوا ہے اور کچھ کاغذات ہاتھ کے نیچے، اور کچھ پیپر ویٹ کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ وہ خود کو پڑھنے سے نہ روک سکا۔

اور اب چاہ رہا تھا کہ خود کو رونے سے روک لے۔

صبح نو بجے کے قریب جب عمران آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ مہتاب ممی کے لئے جوس لے کر جا رہی ہے۔ ممی اس کی خدمت گذاری سے بیحد خوش اور مطمئن تھیں، لیکن اس کی زندگی سے سخت غیر مطمئن۔

وہ ہر کام گھڑی کی سی پابندی سے کرتی۔ عجیب بات تھی کہ پہلے ہی دن سے اسے ایک کام کے لئے بھی جتانا نہ پڑا۔ وہ آ کے گھر میں ایسی رِل مل گئی جیسے سدا سے اسی گھر میں رہ رہی ہو۔

وقت پر سوپ — وقت پر جوس۔ کبھی چائے۔ کبھی پھل۔ بیگم کامران چلاتیں تو دنیا کی سب سے خوبصورت ہنسی، ہنستی۔

"ارے امی — یہ جو ڈاکٹرز ہوتے ہیں نا یہ خواہ مخواہ اپنا رعب جھاڑنے کو اتنی پابندیاں عائد کر دیتے ہیں۔ اب آپ اپنا ڈاکٹر مجھے مان لیجئے۔"

"وہ تو میں مان چکی۔" وہ بھی ہنسنے لگتیں۔

"اب آپ دیکھتی جائیے میں آپ کو کیسے صحت یاب کرتی ہوں انشاءاللہ۔"

"ائی مغلانی ماں — پڑو ماں کو تمے دنیا کے علم سکھائے، اُٹھنے بیٹھنے بات کرنے کے طریقے سکھائے، دنیا سے بڑھ کو بچی بنا دیئے۔ نئیں بنائے تو بس نمازی نئیں بنائے۔ کتی بُری بات ہے مسلمان ہو کو نماز نئیں پڑھنا۔ ہور آخا آپ بھی کچھ نئیں بولتے۔ چوپ لاڑاں کر کر کو سڑا رئیں۔"

ممی مغلانی اماں کے ساتھ ساتھ پاپا پہ بھی برسنے لگتیں۔

"ہو جی بیگم۔ ہمارے بچی کی عمر ہی کتی ہوتی بول کے۔"؟ وہ ہنسنے لگتے۔

"آپ کو کیسا سمجھانا۔ نماز روزے کی عادت بچپن سے پڑی تو اچ پڑتی۔ اُدھر بیچ عمر میں کوئی نماز روزہ سیکھتے کیا بول کے۔"؟؟

مغلانی اماں بیچ میں پڑ کے صلح صفائی کرواتیں۔ "اب آپ دونوں صاحبان بحث نہ کیجئے۔ میں پورا پورا خیال رکھتی ہوں کہ صاحبزادی مذہبی ارکان بھی پوری طرح بجالاتی رہیں۔ عمر کے ساتھ ساتھ عبادت کی لو بھی بڑھتی ہے۔ چھوٹی نمازیں، فجر عصر اور مغرب تو بہرحال وہ پڑھتی ہی ہیں ماشاءاللہ۔" پھر وہ مہتاب سے مخاطب ہوجاتیں۔

"بی بی پاشا۔ آپ پابند نماز وروزہ نہیں ہوں گی تو ہماری عاقبت آپ سے زیادہ خراب ہوگی کیوں کہ سکھانے والے کا زیادہ محاسبہ ہونا ہے۔"

ویسے گفتگو میں وہ انشاءاللہ، ماشاءاور اللہ کا فضل۔ خدا کے کرم سے، کا کثرت سے استعمال کرتی۔

"اللہ مغلانی اماں میں سچی اب پابندی سے نمازاں پڑھوں گی۔" وہ انہیں ستانے کو اک دم دکنی لہجے میں بات شروع کردیتی۔

"اے ہے بیٹا۔" وہ زچ آکر بولتیں۔ "اب آپ میرے سکھائے پڑھائے پہ اور کالک تھوپیں گی۔" وہ ہنس کر ان کے گلے میں لٹک جاتی۔

"اب پابندی سے نماز پڑھوں گی مغلانی اماں۔ انشاءاللہ۔"

بیگم کامران نے اسے مسکرا کر محبت سے دیکھا۔

"بیٹی تم نماز پڑھتی ہو۔"

"امی اب سے پڑھوں گی انشاءاللہ۔" پھر ان کے چہرے کو دیکھ کر رُکتے رُکتے بولی۔ "امی نماز میں دل نہیں لگتا۔"

"توبہ۔ توبہ۔" بیگم کامران گالوں پہ ہاتھ مار کر بولیں۔ "ایسا نہیں کہتے بیٹی۔ اللہ ناراض ہوگا۔"

"امی۔ اتنے سارے غم دل میں ہوں اور اتنے سارے خیالات کا ہجوم۔ تو بندہ اللہ کو یاد کرے یا اپنے غموں اور خیالات سے چھٹکارا پائے۔" !؟ پھر کچھ

رک کر بولی ۔ اور اصل بات تو یہ ہے امی کہ اللہ میاں دعائیں پوری نہیں کرتے نا تو پھر نماز پڑھنے جی بھی نہیں چاہتا۔"

وہ اُسے محبت سے سمجھا کر بولیں ۔ "نہیں بیٹا ایسا نہیں کہتے ۔ اصل میں ہم جن باتوں کو اچھا سمجھ کر اُن کے پورا ہونے کی دعا مانگتے ہیں، وہ ہمارے حق میں اچھی نہیں ہوتی ہیں، یہ ہم حقیر بندے نہیں سمجھ سکتے کہ ہمارے لئے اچھا کیا ہے اور بُرا کیا، اس لئے بس سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیئے کہ وہ جو بھی کرے گا اچھا ہی کرے گا ۔"!

"اصل میں ہم بندوں نے یہ کہہ کہہ کے اللہ میاں کو بہت ہی خود مختار بنا دیا ہے کہ اللہ جو بھی کرے گا اچھا ہی کرے گا ۔" اچھا مجھے یہ بتائیے کہ اگر اللہ پر ہر بات چھوڑ دینی چاہیئے تو پھر دعا مانگی ہی کیوں جائے ۔"؟

"اے ہے بیٹا ایسی کفر کی باتیں نہیں کرتے ۔ دعا مانگنے کا سب سے بڑا فائدہ تو یہی ہے کہ ہم براہِ راست اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہونے کی سعادت تو حاصل کر لیتے ہیں ۔ اور پھر دعا پوری نہ ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ اللہ ہم سے ناراض ہے ۔ وہ تو اللہ کی مصلحت ہوتی ہے بیٹی ۔"

"امی! اس میں اللہ کی کیا مصلحت ہوئی کہ ماں باپ چھینے تھے تو چھینے تھے ۔ شادی ہوئی تو شوہر بھی چھوڑ کے چلا گیا ۔ ۔ ۔ ۔"

اک دم وہ زار زار رونے لگی ۔

عمران شیو کرتے کرتے یہ ساری باتیں سُن اور دونو کو دیکھ رہا تھا ۔ اصل میں اس کے کمرے کی سیچوئیشن ایسی تھی کہ وہ ممّی کے کمرے کو بھی نظر میں رکھ سکتا تھا ۔ اور ممّی کی صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ٹھیک بھی تھا کہ ان کی نگرانی اور نگہداشت بھی ہوتی رہے ۔

عمران، مہتاب کے رونے سے اس قدر پریشان ہوا کہ اپنی ٹھوڑی پہ زخم لگا بیٹھا۔

وہ جان بوجھ کر بیگم کامران کے کمرے میں آیا تاکہ مہتاب خون بہتا دیکھ لے۔ وہی ہوا بھی۔

"ارے آپ کی ٹھوڑی سے خون بہہ رہا ہے" وہ اپنا رونا بھول کر بولی۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ یونہی ذرا بلیڈ سے کٹ گیا۔ ذرا سی روئی ہوگی" وہ خاصے لاابالی پن سے بولا۔ آئی مین COTTON"

مہتاب دوڑ کر کاٹن لے آئی۔ لیکن اس نے خود بڑھ کے خون پونچھنے کی بجائے عمران کے ہاتھ میں کاٹن کا رول دے دیا۔

"ارے یہ تو ختم ہو رہا ہے" وہ کاٹن کے رول کو دیکھتا ہوا بولا۔

"اور امی کی دوائیں بھی قریب الختم ہیں"

مہتاب نے اسے یاد دلایا۔

"بیٹے تم اپنی نوکری پر جا رہے ہو یا آفس"۔ بیگم کامران نے پوچھا۔

"ممی نوکری تو میں چھوڑ چکا"

"اے ہے کب"۔ وہ پریشان سی ہو کر بولیں۔

"ارے ممی۔ بزنس سے وقت ہی نہیں ملتا۔ اور پھر مجھے نوکری سے اتنا انٹرسٹ ہے بھی نہیں۔ ٹھیک ہے ڈگری لے لی کافی ہے۔ اور ممی دو ہزار ہوتے ہی کیا ہیں؟ ماشاءاللہ پاپا کا بزنس اتنا بھرپور ہے کہ سارا وقت دے کر بھی کچھ نہ کرنے کا احساس ہوتا ہی رہتا ہے۔ وہ تو اچھا ہے کہ مراد میرے ساتھ لگا ہوا ہے ورنہ پتہ نہیں کیا ہوتا"

جس دن وہ مہتاب کو "ناری سدھار گھر" سے اپنے بنگلے لا رہا تھا اور کہا تھا کہ "میں

نے نوکری چھوڑ دی" تو وہ مذاق ہی سمجھی تھی لیکن اب اسے پتہ چلا کہ سچ مچ وہ نوکری چھوڑ چکا تھا۔ پتہ نہیں لوگ ہزاروں کی آمدنی کو کیسے ٹھکرا دیتے ہیں"۔؟؟

اُس نے حیرت سے سوچا۔

مہتاب جنگ یہ بات تم کہہ رہی ہو۔ تم۔؟؟

"یہ آپ کی ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ ہے۔ دو ہزار لفافے میں بند ہیں۔ گن لیجئے گا" وہ مسکرا کر لفافہ اس کی ٹیبل پر رکھتا ہوا بولا تھا۔

"پیشگی تنخواہ۔"؟ وہ مسکرائی۔"اور فرض کیجئے میں غائب ہو جاؤں۔"؟

"پھر بھی آپ اس دل میں بدستور قیام فرما رہیں گی"۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر شرارت سے بولا۔

وہ سنجیدگی سے بولی۔"لیکن ابھی میں نے کام شروع بھی تو نہیں کیا ہے۔ پیسے کس بات کے"؟؟

"دیکھئے۔ وہ بھی سنجیدگی سے بولا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ذلیل شے جو بنائی ہے نا۔ پیسہ۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے۔ بہت کام آتا ہے۔ بڑے کام نکلتے ہیں اس سے"۔

وہ اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ دھیان کہیں اور تھا۔ مغلانی اماں فارسی پڑھا رہی ہیں۔

اے زر تو خدا نیست ولیکن بخدا، ستار العیوب وقاضی الحاجات.....

"مغلانی اماں۔ نعوذ باللہ زر۔ یعنی روپیہ پیسہ خدا تو نہیں ہو سکتا نا۔"؟

"نا بیٹی۔ کبھی نہیں"۔

"پھر پھر ان سطروں کا مطلب۔"؟؟

"ہاں بیٹے وہی تو شیخ۔ سعدی فرماتے ہیں کہ اے زر۔ یعنی اے دولت۔

اے زر تو نعوذ باللہ خدا تو نہیں ہے۔ لیکن خدا کی قسم تو عیبوں کا ڈھانکنے والا اور ضرورتوں کا پورا کرنے والا ہے۔"

"کیا یہ بات صحیح ہے اماں۔"؟

"ہاں بیٹے صحیح ہے۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کے بولیں۔ ہمارے آباؤ اجداد جو نقل وطن، نقل مکانی، کر کے دہلی چھوڑ، حیدرآباد دکن آن بسے تو کس لئے۔ اسی لئے نا کہ وہاں حالات سازگار نہیں رہے ہوں گے۔ اخراجات کی پا بجائی دشوار ہو گئی ہو گی تو اپنا دیس چھوڑ بدیس ہوئے.....

"مغلانی اماں۔ مجھے تو کبھی زر کا کام نہیں پڑتا کیا کبھی پڑے گا۔"؟؟

مغلانی اماں اُسے گلے لگا کر بولیں۔ "اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں خود سونے کی مورت بنا کر دنیا میں بھیجا ہے میری جان۔ پھر پاپا کے پاس اتنی دولت ہے دادا ابا کی دی ہوئی اتنی زمین ہے کہ بیٹا آپ تو زندگی بھر زمین پر نہیں، اشرفیوں کے ڈھیر پہ چلیں گی۔" وہ ہمیشہ مہتاب کے خاندانی پس منظر کو یاد کرتیں تو تم کہتے کہتے اُسے اچانک "آپ" کہنے لگتیں۔

"لیکن مغلانی اماں مجھے تو کبھی زر کی ضرورت پڑتی ہی نہیں۔"

وہ پیار سے ہنستیں۔ "ابھی چھوٹی ہو نا بیٹا، بڑی ہو گی تو یہ باتیں سمجھو گی۔"

"ماما بی کہتی ہیں کہ ان کا شوہر انہیں پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے نہ کپڑے بناتا ہے نہ بچوں کو اسکول ہی بھجواتا ہے۔! ایسا کیوں ہے مغلانی اماں۔ پاپا کے پاس اتنا پیسہ ہے۔ ماما بی کے شوہر کے پاس کیوں نہیں ہے۔"؟

"دیکھو بی بی یہ اللہ کی باتیں ہیں وہی جانے۔"

"تو اللہ میاں دنیا میں خوب سارا زر کیوں نہیں پیدا کر دیتے کہ سبھی امیر

ہوجائیں "

وہ ہنسیں ۔" بیٹا یہ زر کوئی اچھی چیز نہیں ہے جو اللہ میاں خوب ساری پیدا کر دیں ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں خود فرمایا ہے کہ "مال تمہاری راہ کا فتنہ ہے "

" اماں ۔ وہ منہ لبسور کر بولی " ۔ ابھی ابھی تو آپ پڑھا رہی تھیں کہ حضرت سعدی نے کہا ہے کہ اے زر تو خدا تو نہیں ہے لیکن خدا کی قسم ۔۔۔۔

مغلانی اماں گڑبڑا گئیں ۔" دیکھو بیٹے اچھے شاگرد ، اُستاد یا اُستانی کو ٹوکتے نہیں ہیں ۔ اور شیخ سعدی نے یہ بھی فرمایا ہے " خطائے بزرگاں گرفتن خود خطا است "۔ بزرگوں کی غلطیاں پکڑنا خود بھی ایک غلطی ہے "۔

" لیکن مغلانی اماں آپ تو خود کہہ رہی تھیں ابھی کہ زر ۔۔۔۔

زر اچھے اچھوں کو چکرا دیتا ہے ، مغلانی اماں کی بساط ہی کیا تھی ۔ ؟

اور اب وہ بھی یہی کہہ رہا تھا ۔

" یہ پیسہ جو ہے نا بڑے کام کی چیز ہے ۔

بہت کام آتا ہے ۔ بڑے کام نکلتے ہیں اس سے "!

اس زر کے لئے وہ خود کس قدر خوار ہوئی تھی ۔ ایک ایک لمحہ اُس کی یادوں کی گرفت میں تھا ۔ لوگ سیاہی سے آپ بیتیاں لکھتے ہیں ۔ اُس کے ماضی کی ہر یاد خونِ دل سے لکھی ہوئی تھی ۔ اگر اس کے پاس بھرپور پیسہ ہوتا تو وہ ایک POSH فلیٹ لے کر اس میں کیوں نہ رہتی ۔ ؟ کیوں کسی دار الامان کی تلاش میں دھکے کھاتی ۔ ؟ اور اس سے بھی پہلی بات یہ تھی کہ حیدر آباد کی رسم کے مطابق اگر " جوڑے گھوڑے " کے لئے اس کی ممی کے پاس زر و جواہر کے ڈھیر ہوتے تو کیوں وہ اب تک کنواری ہوتی ۔ اور اس سے بھی پہلے ، اس کا مینگتر ، دولت کی لالچ

یں ہی تو اُسے چھوڑ کر امریکہ چلا گیا تھا۔؟ اور اس سے بھی پہلے چچا ابا نے زمین سے بے دخل کر کے ہی تو پاپا کو زمین میں سُلا دیا تھا۔؟؟

سارا چکر زر اور زمین کا ہے جس میں بے چاری زن پستی رہتی ہے۔ مہتاب جنگ تم بھی ایک زن ہو۔ زر تمہارے لئے بھی اتنا ہی ضرور ہے جتنا کسی بھی مرد کے لئے۔ مت ٹھکراؤ اسے۔

"مسٹر آئی۔ کے۔ احمد۔ مجھے پتہ ہے آپ بہت بڑے بزنس مین ہیں لیکن بزنس کرنا اور بات ہے کسی پر اپنی مرضی لادنا قطعی اور" وہ لفافہ واپس کرتی ہوئی بولی۔

"میں جب ضرورت ہوگی لے لوں گی"

لیکن عجیب و غریب بات یہ تھی کہ مہینہ گذر جانے کے بعد بھی اُسے ضرورت نہ ہوئی۔ عمران جھلا کر بولا۔ "آپ حد کرتی ہیں" "اور آپ بے حد کرتے ہیں" وہ اسی کے لہجے میں بولی۔

"ارے بھئی لیکن آپ محنت بھی تو کر رہی ہیں نا۔ اپنے کام کا معاوضہ....

اُس نے تیزی سے ہاتھ اس کے سامنے بڑھا دیا۔ "لائیے۔ دیجئے میری خدمت کے پیسے۔ اس طرح آپ نے احمد صاحب پہ ثابت کر دیا ہے کہ میں بھی، دربان، کُک، گلابو۔ مالی بابا، ڈرائیور، سب کی طرح محض ایک نوکر ہوں۔ نوکر۔ اور جو مجھے ٹیبل پر ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا جاتا ہے وہ سب ڈھونگ ہے۔ محض ایک" وہ بےحد تلخ ہو رہی تھی۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ مجھ سے پہلے فرح باجی امی کی خدمت اور دیکھ ریکھ کرتی ہوں گی تو آپ نے ان کی ماہانہ کتنی تنخواہ باندھی تھی....

عمران سراسیمہ ہو کر اس کی لعن طعن سن رہا تھا۔

"یا یہ کہ آپ جو بھی بھاگ دوڑ علاج کے سلسلے میں امی کے لئے کرتے ہیں تو مسٹر آئی۔ کے۔ احمد آپ نے خود کو کتنی تنخواہ کا اہل قرار دیا ہے۔"؟ اس نے لفافہ دونو ہاتھوں سے توڑ مروڑ کر نیچے پھینک دیا۔

"دارالامان اس سے بُرا تو نہیں تھا"۔ وہ مارے غصّہ کے سرخ ہو رہی تھی۔

"آپ۔ آپ"۔ عمران۔ ڈر ڈر کے بولا۔ خدا کی قسم اس وقت بہت پیاری لگ رہی ہیں"۔ اور بھاگ کے دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ "آپ مجھے ماریں گی تو نہیں نا۔"؟ وہ ایسے لہجے میں بولا کہ اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ جھک کر لفافہ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"آپ پیسے والے دوسروں کو HURT کر کے کیا بہت خوشی محسوس کرتے ہیں۔"؟

"پیسے والے۔"؟ عمران ہنس کر بولا۔

"تین تین گاڑیاں تو آپ کے پاس تھیں۔ پیسے والے ہم کہاں سے ہو گئے"۔

"FORGET IT۔ وہ اداسی سے بولی۔

میں نے کہا اور آپ نے یقین بھی کر لیا"۔؟

عمران سنجیدہ ہو کر بولا۔ "میری دادی اماّں۔ اللہ مغفرت کرے، فرمایا کرتی تھیں۔ گفتگو انسان کا شجرۂ نسب بعد میں کھولتی ہے، پہلے چال بنا دیتی ہے کہ کتنے قالین ان قدموں تلے آ کر خوش بختی کی معراج بنے ہیں۔! آپ نے اپنی یہ ROYAL شاہانہ چال دیکھی ہے۔؟؟ قالین تو قالین یہاں دل بچھائے گئے ہوں گے کہ آپ قدم رنجہ ہوتی ہیں۔"!

مجھے اپنے تعلق سے کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔

I M JUST AN ORDINARY GIRL !-

عمران برجستہ بولا —

BUT WHAT A CLASS NOT JUST

TOUCH OF CLASSABSOLUTELY

CLASS— CLASSY

"ممی — عمران پوچھ رہا تھا —

آپ نے یہ کیوں پوچھا کہ میں نوکری پر جا رہا ہوں یا آفس — ؟ آپ کو کوئی کام تھا مجھ سے —"؟؟

"یہی دواؤں کے بارے میں تابی نے یاد نہیں دلایا ابھی تمہیں" - ممی تھکی ہوئی سی لگ رہی تھیں — "تو میں نے اس لئے پوچھا تھا کہ نوکری دوسرے کی ہوتی ہے وقت پر پہنچنا ضروری ہوتا ہے — بزنس تو اپنا ہی کام ہے، دیر سے بھی گئے تو خود ہی اپنی مرضی کے بادشاہ — تابی کو ساتھ لے جا کر . . . . اور تابی کو ساتھ لے جانا بھی کیا ضرور ہے — دوائیں بھجوا دو بیٹا"

ابھی ابھی ایک لمحہ پہلے اسے ممی اس قدر پیاری لگی تھیں کہ تابی کو ساتھ لے جانے کی بات کہہ رہی تھیں — وہ خوش ہو کر بولا —

ٹھیک ہے ممی — جو آپ حکم دیں — بس تابی کو ساتھ لے کر یوں گیا — یوں آیا —

"اس نے بعد والا حکم بالکل رد کر دیا کہ ابھی ابھی ممی پہلے والے آرڈر کو کینسل کر چکی ہیں کہ "تابی کو ساتھ لے جانا کیا ضرور ہے" . . .

"میں خود چلی جاؤں گی — آپ آفس تشریف لے جائیں" مہتاب نے سارا پروگرام چوپٹ کر دیا —

"ارے کمال کرتی ہیں آپ . . . . .

جی ہاں FOR YOUR INFORMATION - میں آج کل کافی کمال کرتی رہتی ہوں - آپ کے پورے جوہو کو میں نے دیکھ پرکھ لیا ہے - ...

بیگم کامران بولیں - "اسے دو تین بار منع بھی کیا میں نے کہ اکیلی نہ جایا کرو - لیکن دو تین بار دوائیں اور پھل لانے یونہی نکل گئی - اور وہ بھی پیدل "

"امی وہ مسکرا کر بولی - گاندھی جی پیدل چلنے کی تلقین کر گئے ہیں - سچ بہت اچھا لگتا ہے - پھر دور ہی کہاں ہے - ساری SHOPS تو قریب ہی ہیں "

"اسے آپ قریب کہتی ہیں " وہ واقعی غصہ سے بولا -

"اور کیا - ؟ " SKCON " یہاں سے ہے بھی کتنی دور - بس وہ ہرے راما ہرے کرشنا ٹمپل کے قریب - اتنی ALKING کا تو ہونی ہی چاہیئے ورنہ انسان کو زنگ لگ جاتا ہے "

اچانک عمران بولا -

آپ تو ڈرائیونگ جانتی ہیں - گاڑی لے کر کیوں نہیں چلی جاتیں - "؟؟

وہ اپنی رو میں کہہ گئی -

"لائسنس کہاں ہے میرے پاس - وہ تو حیدر آباد میں ....

پھر وہ اک دم چُپ رہ گئی - بیگم کامران نے عمران کو - عمران نے بیگم کامران کو چونک کے دیکھا - وہ بول کر پچھتا گئی تھی - اُسی لمحہ اس کی خوش قسمتی سے اچانک مراد آگیا -

" ہیلو ایوری باڈی - اسلام علیکم خالہ جان " وہ بیگم کامران سے بیحد ادب سے مخاطب ہوا " اب آپ کی طبیعت کیسی ہے خالہ جان "

وہ بیزار گی سے بولیں - "نہ تمہارا یہ دوست شادی کرے گا نہ میں صحت مند ہوں گی "

مراد نے ہنس کر عمران اور مہتاب کو باری باری دیکھا اور شرارت سے بولا۔

"میرے خیال سے تیاری تو اب تک مکمل ہو بھی چکی ہوگی۔"

بیگم کامران اداس سی ہوگئیں۔ عمران موضوع بدلنے کو بولا۔ "یار کشمیر بہت پسند آگیا تھا کیا۔ جو گیا تو غائب ہی ہوگیا۔ اور وہ شہد اور ہینڈی کرافٹس وہاں سے بھجوا دی تھیں یا نہیں۔"

"شہد۔"؟ مہتاب نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" عمران اور مراد باتیں کرتے کرتے باہر والے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔ مہتاب کی بات کا جواب دیتے دیتے عمران بولا۔ "چند منٹ رک جاتے ہیں۔ مراد سے کچھ باتیں کرلیں۔ آیئے آپ بھی۔"

مہتاب قریب آئی تو عمران بولا۔ "آپ کچھ شہد کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ اصل میں ہندوستان سے ایک ITEM ہم اصلی چھوٹی مکھی والا شہد بھی EXPORT کرتے ہیں۔ اصل میں آپ ذرا دیر سے ملیں ورنہ خیراب یہ سوچا ہے کہ آپ کے سامنے خالی شیشیاں رکھ دیا کریں گے کہ بس آپ باتیں کرتی جایئے۔ آپ کی شہد آواز اور شہد گفتگو سے شیشیاں آپ ہی بھرتی چلی جائیں گی۔ کافی منافع ہوگا۔ کیا خیال ہے مراد۔"؟ وہ اتنا سنجیدہ تھا کہ مہتاب کو غصہ آگیا۔

"آپ نے کیا مذاق ہی مذاق کیا ہے بس زندگی میں۔"؟ وہ چڑ کر بولی۔

"جی نہیں۔" وہ بڑے اعتماد کے ساتھ بولا۔ عشق بھی کیا ہے۔ اور بیحد سنجیدگی سے۔ ! کیوں مراد۔"؟

"یہ آپ ہر بات میں مراد صاحب کو کیوں گھسیٹ رہے ہیں۔ اور اگر

یہ اس وقت یہاں موجود نہ ہوتے تو۔آپ کس سے گواہی لیتے"؟؟ وہ ایک ایک لفظ غصّہ سے چبا چبا کر بولی۔

"یار۔ مراد ڈر کر بولا" جانے دے نا۔ خواہ مخواہ مجھے بھی مروائے گا تو" پھر بات بدلنے کی خاطر بولا۔

"ویسے مجھے آپ کو یہاں دیکھ کر واقعتاً بڑی خوشی ہوئی مس جنگ"!

مہتاب کی سمجھ میں نہ آیا مراد کی اس بات کا کیا جواب دے۔ ذرا دیر رُک سوچ کر وہ بولی۔

"جی ہاں۔ میں بھی یہاں آکر بہت خوش ہوں۔ مجھے یہاں امّی اور بہن.......

"میں نے کہدیا" عمران اس کو وارننگ دیتے ہوئے بولا" آگے بھائی وائی نہ کہئے گا۔ میں تو صرف "وہ" بنوں گا.... ہاں...." اور وہ شریر نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔

مہتاب نے اپنے دونو ہاتھ سینے پر باندھ لئے۔ ایک نظر وہ اُسے گھور کر دیکھتی رہی پھر لال پیلی ہو کر بولی۔

"آپ نامسٹر آئی۔کے۔ احمد خالص بکواس آدمی ہیں۔ سنجیدہ بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بن نہیں پاتے۔ اظہار تو ایسا کرتے ہیں کہ بڑے سیریس ٹائپ کے ہیں، لیکن اب میں آپ کو جان گئی ہوں" اور وہ ذرا سا رک کر بولی۔ "اور اسی لئے آپ کی باتوں کو MIND نہیں کرتی"۔

"لیکن مجھے تو MIND کرتی ہیں نا" وہ ذرا سا بھی اس کی باتوں کا اثر لئے بنا بولا۔

"ارے" وہ اچانک اپنی تیکھی اور خوبصورت ناک ہوا میں اونچی کر کے کچھ

سونگھتی ہوئی، چلا کر بھاگی ۔" امی کا سوپ غارت ہو گیا ۔"

وہ کچن میں تھی جب عمران اور مراد جاتے ہوئے بیگم کامران سے کہہ گئے کہ آپ فکر نہ کریں ہم شام کو دوائیں لیتے ہوئے ہی آئیں گے ۔

" اب اتنی فکر بھی مت کرو بچو ۔ تھوڑی بہت دوائیں باقی رہتی ہیں تبھی سے یہ تابی شور مچانا شروع کر دیتی ہے ۔ اسی نے مجھ سے کہا ۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں رہتا کہ کب منگوائیں ، کب ختم ہوئیں ۔" پھر وہ خود ہی سے کہتے لگیں ۔" یہ لڑکی تو میری بیساکھی بن گئی ہے ۔ کیسے رہوں گی میں اس کے بنا ۔"!

" کیا بات ہے یار ۔" مراد نے باہر نکلتے نکلتے عمران سے پوچھا ۔" خالہ جان کیا کہہ رہی ہیں ۔ کیسے رہوں گی میں اس کے بنا ۔ تو کیا تو اس سے شادی نہیں کر رہا ہے ۔"؟

عمران گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا ۔" یار مراد ۔ میں تجھ سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں ۔ کشمیر سے تیرا فون آیا تھا تو میں نے بس بائی دی وے تجھے تابی کے یہاں آجانے کی بات کہہ دی تھی ۔ بہت ساری باتیں ہیں ۔ میں بہت بہت پریشان بھی ہوں ۔"!

مراد نے شرارتاً فرنٹ سیٹ پر اس کے بازو ہونے کے باوجود، اس کے اور قریب ہو کر ذرا جھک کر اسے دیکھا ۔

" آپ پریشان بھی ہو سکتے ہیں ۔ یہ میری معلومات میں اضافہ ہے ۔" مراد اس سچویشن کو خاصا انجوائے کر رہا تھا ۔

عمران سنجیدگی سے بولا ۔" مراد میں فطرتاً ہنس بول کر جینے والا انسان ہوں ۔ میں شاید ہی زندگی میں کوئی بات سیریس لیتا ہوں ۔ میری زندگی میں پریشانیوں کی کوئی جگہ ہی نہیں تھی، لیکن آج کل میں I'VE NO WORDS میں کیا بتاؤں ۔"

مراد خود بھی سنجیدہ ہو کر پریشان سا ہو گیا۔

"بات کیا ہے عمران۔ تو واقعی پریشان لگ رہا ہے"

"یار یہ لڑکی مہتاب۔ شادی شدہ ہے"

"ارے" مراد حیرت سے بولا۔ "تو پھر تیری تو ساری پلاننگ ہی غلط ہو گئی ہو گی"

"اور کیا"؟

"یار لیکن پھر ایک شادی شدہ لڑکی سے تو اس قدر FREE ہو کر اُلٹے سیدھے مذاق کیوں کر رہا ہے؟ یہ تو غیر اخلاقی حرکت ہے نا" مراد ناگواری سے بولا۔

"بات بہت پیچیدہ ہے یار۔ اُس کا شوہر خود اُسے چھوڑ کر بھاگ گیا"

"بھاگ گیا"؟ مراد حیرت سے بولا۔

"اب بھاگ گیا کہو یا چھوڑ کر چلا گیا۔ بات تو ایک ہی ہوئی نا"

"لیکن کیوں"؟

"ہو گا وہی ڈاؤری DOWRY جہیز۔ زر زیور پیسے کا چکر۔ جو کہ آج کل ہندوستان کی پیشانی کا جھومر بن گیا ہے" وہ تلخی سے بولا۔

"تو پھر اب ہو گا کیا"؟ مراد سخت پریشان ہو گیا۔

"ممی کا بھی یہی مشورہ ہے اور میں نے بھی یہی سوچا ہے کہ تابی سے کرید کرید کے پتہ چلا کے اس کے شوہر کا پتہ لگایا جائے اور. . . .

"اور کیا" مراد نے جلدی سے پوچھا۔ اور یہ کہ تابی کو اس کے حوالے کر دیا جائے" عمران نے بات پوری کر دی۔

"ہت تیری کی تو" مراد خالص بمبیا لہجے میں بولا۔

"سالے تم یہ ہیرو کب سے بن گئے۔ SACRIFICE کرنے والے۔
میں تو متوقع تھا اس جواب کا کہ تو کہے گا کہ "اس کمینے کو ڈھونڈھ کر پہلے تو دس بیس جوتے لگاؤں گا، پھر طلاق ۔ طلاق ۔ طلاق کہلوا کر خود دولہا بن جاؤں گا"...

عمران سگنل دیکھ کر گاڑی دھیرے کرتا ہوا اُداسی سے بولا۔

"میرا پروگرام تو یہی تھا مراد۔ لیکن مجھے جب پتہ چلا کہ وہ اسی بیہودہ شخص سے شدید محبت کرتی ہے جو ایسی چاندی سونے جیسی مورت کو چھوڑ کر چلا گیا، تو میں نے سوچا کہ نہیں! عمران اگر تم واقعی اس لڑکی سے سچا عشق کرتے ہو تو تمہارے عشق کا تقاضا یہ ہونا چاہیئے کہ اس کے شوہر کو ڈھونڈھ کر اس سے ملاؤ۔ نا کہ اس پر جابرانہ قبضہ کرنے کی سوچو"!!

"اور تم احمق چند کو یہ امید ہے کہ تم اُس کے شوہر کو ڈھونڈھ نکالو گے۔"؟

"کوشش کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔"؟ وہ اداسی سے بولا۔

"ارے عقل مند کی دُم ۔ اگر وہ اسے نباہنے والا ہوتا تو چھوڑ کے بھاگتا ہی کیوں۔"؟ مراد غصّہ سے بولا۔

"ارے ہاں ۔ اس رخ سے تو میں نے سوچا ہی نہیں کہ ایک شخص جب دانستہ چھوڑ کر چلا گیا ہے تو اگر اُسے پکڑ باندھ کر لا کے مجبور کیا بھی جائے تو وہ بھلا اس جنجال میں کیوں پھنسے گا۔"؟

عمران غور کرتا ہوا بولا۔

مراد نے پتہ نہیں کتنی دور کی سوچی۔ ذرا غصّہ سے بولا۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ شوہر تیری طرح کا ہو۔ تو بھی تو اپنی دلہن کو چھوڑ کے بلکہ جلا کے بھاگ آیا تھا نا۔"؟

عمران ذرا شرمندہ ہو کر بولا۔ "یار میری بات ہر بار بیچ میں مت لایا کر۔ میرا

کیس دوسرا ہی تھا۔ اتنی حسین دولہن کو کوئی چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتا" وہ قطعیت سے بولا۔

"مگر تو تو کہتا ہے کہ تو نے دیکھا تک نہیں تھا۔ کیا دیکھ لیتا اور لڑکی ایسی ہی چاند چاند نکلتی تو کیا تو اسے گھر لے آتا۔"؟

"نہیں یار۔ ممی مار ڈالتیں مجھے۔ تجھے پتہ ہی نہیں ممی کو اچھے خاندان کی ہونے پر کتنا فخر ہے اور وہ یہی چاہتی بھی ہیں کہ اعلیٰ خاندان کی بہو لائیں۔ اب میرے علاوہ وہ اپنے ارمان نکال بھی کس پر سکتی ہیں۔"؟

FORT میں اپنے آفس کے سامنے گاڑی پارک کرتے ہوئے عمران مراد سے بولا۔

"یار رات کو میں موقعہ محل دیکھ کے تابی سے اس بارے میں ضرور بات کروں گا کہ اگر اُس کے شوہر نے دوبارہ بھی اسے ٹھکرا دیا تو پھر وہ مستقبل کے بارے میں کیا سوچے گی"۔!

مگر وہ رات آئی ہی نہیں۔

کیمسٹ کے ہاں سے دوائیں خرید کر مہتاب سڑک پر آئی تو دھوپ کافی تیز تھی۔

اُس نے اپنی ہری ساڑی کا آنچل سر پہ لے لیا کہ سر تیز گرمی اور دھوپ سے درد کرنے لگا تھا۔

"کیا آپ برائے مہربانی وقت بتلا سکتی ہیں"۔ ایک خاصے خوش پوش اور مہذب آدمی نے مہتاب سے اردو میں ٹائم پوچھا۔

اُس نے غیرارادی طور پر اپنی کلائی کی طرف دیکھا۔

اُسے گھڑی باندھنے سے ہمیشہ سے الرجی تھی۔ نہ اچھے دنوں میں۔ نہ بُرے

حالوں میں، کبھی اُس نے گھڑی رکھی ہی نہیں۔ لیکن یہاں آئی۔ کے۔ احمد نے زبردستی سونے کی قیمتی گھڑی پکڑا دی۔ بہانہ یا وجہ یہ کہ ۔ "ممی کی دوائیں، سوپ، جوس کھانے کے مختلف اوقات ہیں، کہاں بڑے ہال میں جا کر آپ بار بار گھڑی دیکھتی پھریں گی ۔"

مجبوراً اُسے باندھنی ہی پڑی۔

"دو بج کر بیس منٹ ۔"

اُسے لگ رہا تھا کہ اُس نے کافی حماقت کا ثبوت دیا ہے احمد صاحب کے ساتھ نہ جا کر۔ بڑی سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ بنگلہ "جنت نگاہ" اگر دور نہیں تھا تو یہاں سے بہت قریب بھی نہیں تھا۔ سڑک پر دور دور ٹیکسی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اُس نے گڈی کے لئے چاکلیٹ بار بھی خرید لئے تھے، اُسے لگ رہا تھا اتنی گرمی میں وہ پگھلنے لگ جائیں گے۔

"خیر میں جاتے ہی فرج میں رکھ دوں گی۔ پھر سے STIFF ہو جائیں گے ۔" گڈی اُس سے بُری طرح ہل گئی تھی۔ اُسے بھی ۱ - ۲ دن گڈی نہ آتی تو بُری طرح یاد ستانے لگتی تھی۔ فون کر کے وہ ننھی منّی آواز میں پوچھتی تھی۔

"اے لوپی۔ ہیلو پری۔ میں تیلا (شہلا) ہوں۔ میلی تاپھی لاتے لھنا۔ میری ٹافی لا کے رکھنا ۔"

امّی بے چاری نے پوری چابیاں اسے ہی سونپ دی تھیں۔ جتنا چاہو پیسہ نکال لو۔ اب اس وقت بھی خواہ مخواہ ہزار روپے ساتھ میں رکھوا دیئے امّی نے۔ کہہ بھی رہی تھی اُن سے کہ اتنی مہنگی تھوڑی ہی ہیں دوائیں ۔ لیکن سنتیں تب نا۔ "WOULD YOU PLEASE TELL ME ? WHAT IS THE TIME NOW ??"

کسی ماڈرن سی عورت نے اس سے انگلش میں پوچھا۔

"کیا آپ مہربانی فرما کے وقت بتا سکیں گی۔"؟

اس نے دل میں مسکرا کے سوچا۔ "آج جو ہو والوں کی گھڑیاں بند ہو گئی ہیں کیا۔"

"TWO - THIRTY FIVE - دو بج کر پینتس منٹ۔" اس نے بڑی خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

IT is SO HOT TODAY

"آج کتنی سخت گرمی ہے نا۔" وہی عورت پھر انگلش میں بولی۔

مہتاب ہنسی۔

HOT? HOT IS NOT A WORD FOR THIS SULTRY HORRIBLE WEATHER ITS HELL.

عورت بغیر کوئی جواب دیئے تیز تیز قدم بڑھاتی غائب ہو گئی۔

چند قدم آگے چل کر پھر ایک بہت شائستہ قسم کے پڑھے لکھے مرد نے بڑی تہذیب سے پوچھا۔

"کرپا کر کے آپ بتائیں گی کی کیا سمے ہوا ہے۔"؟ اس کا جی چاہا کہ گھڑی اتار کر تحفے میں دے دے۔

لیکن اس نے بڑی ملائمیت سے کہا۔

"جی۔ تین بجے ہیں۔"

"اور سمجھو تمہارے بھی تین بج گئے۔" کسی نے بدتمیزی سے کہا۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھی۔ اسی لمحے ایک لمبی سی سلیک SLEEK کار وہیں آ کے رکی۔ دو چار لوگوں نے سنسان سڑک پر، اسے پھول کی طرح اٹھا کے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

ایک بیحد عالی شان فلیٹ کے ایک بہت ہی WELL DECORATED
سجے سجائے کمرے میں مہتاب کا بہت ہی پرجوش اور شاہانہ خیر مقدم ہوا ——
ایک بہت ہی مہذب اور شائستہ، اندازِ گفتگو والے شخص نے مہتاب کو دو تین لوگوں کی معیت میں آتا دیکھ، بڑی نرم اور پروقار مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

" WELCOME - WELCOME - خوش آمدید "۔

"آپ کو راستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی "۔

وہ اس اعتماد سے گفتگو کر رہا تھا جیسے مہتاب کو باقاعدہ دعوت دے کر کسی تقریب میں بلایا گیا ہو۔

مہتاب مارے غصہ کے کچھ نہ بولی۔

پھر وہ ساتھ والے آدمیوں سے مخاطب ہوا۔

"تم لوگوں نے زبان دانی کا اچھی طرح اندازہ کر لیا تھا"۔؟

"جی ہاں جناب"۔ ایک بولا۔ پہلے ہم نے اردو میں دقت پوچھا۔ بہت صاف زبان تھی۔ پھر انگلش میں۔ پھر ہندی میں۔ کسی زبان میں کوتاہی نہیں تھی "۔

" GOOD "۔ وہی آدمی مطمئن ہو کر بولا۔ "ابھی یہ بات نہیں کر رہی ہیں۔ کریں گی بھی نہیں ذرا سی غصہ" معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے ہم چھیڑیں گے بھی نہیں۔ بعد میں خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ ہم لوگ کس حد تک پیار رکھ ہیں۔ وہ ہنسا۔

پھر دوسرے آدمی کو مخاطب کر کے بولا۔

"بی بی کے لئے کچھ ٹھنڈا لے آؤ"۔

وہی آدمی دوڑ کے طشت میں سجا کے دو تین ٹھنڈی بوتلیں لے آیا۔ مہمان نواز شخص مسکرا کر بوتل بڑھاتے ہوئے بولا۔

"مجھے شوکت کہتے ہیں - آپ مجھے ایک غلط انسان نہ سمجھیں پلیز - میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی نہ آپ کی عزت کو یہاں کوئی خطرہ ہے"

شوکت نے مہتاب کے چہرے پہ نمایاں طور سے حیرانی کے آثار دیکھے -

"پھر آپ یقیناً سوچ رہی ہوں گی کہ میں نے آپ کو کس لئے زحمت دی ہے -

I IM SORRY TO TROUBLE YOU"

وہ بڑے رواں لہجے میں انگلش بھی بول رہا تھا -

بات یہ ہے مس . . . .

وہ مس کہے بعد ذرا رکا کہ مہتاب اپنا نام بتا دے لیکن وہ خاموش ہی رہی تو وہ مسکرا کر بولا -

"خیر آپ کے نام بتانے، نہیں بتانے سے کوئی فرق ہمیں نہیں پڑے گا - ہم - ہم کیا سارا زمانہ ہی، اب آپ کو "بی بی" کہے گا" وہ انگلی اٹھا کر بڑے معتبر انداز میں کہنے لگا -

"بھئی تم لوگ جا کر اپنا کام دام کرو - بی بی ابھی آرام کریں گی"

اس کے لہجے میں ایسا وقار اور دبدبہ تھا کہ سب لوگ اک دم کمرے سے چلے گئے -

اس نے چم چم چمکتے سگرٹ کیس کو بڑی نفاست سے دو انگلیاں بجا کر ہلکے سے کھولا - پھر اتنے ہی چمکتے سنہری لائٹر سے سگرٹ سلگا کر بیحد اطمینان سے بولا -

"یہ دونو اصلی سونے کے ہیں"

مہتاب خاموش دیکھتی رہی - یہ حقیقت تھی کہ اس کے دل اور دماغ اب نسبتاً پُرسکون تھے، پتہ نہیں یہ آدمی - شوکت کیسا شخص تھا، لیکن اس کے چہرے کو دیکھ کر یہ یقین ہوتا تھا کہ وہ جو بھی بات کہتا ہے سوچ سمجھ کر کہتا ہے اور جھوٹ نہیں

کہتا۔ جب اُس نے مہتاب سے یہ کہہ دیا کہ اس کی عزت کو کوئی خطرہ نہیں ہے تو وہ کافی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔ لیکن اب ایک عجیب سی بے چینی اور تجسّس اُسے مارے ڈال رہا تھا کہ پھر آخر یہ سلسلہ کیا ہے۔ ؟ اس کے ذہن میں عجیب سی کھٹک رہی تھی۔

وہ ذہین بھی بہت لگتا تھا۔ مہتاب کے چہرے کو پڑھ کے اطمینان سے بولا۔

"میں اب اُسی موضوع پہ آرہا ہوں۔

WELL, SOME TIME IN 1968 I HAD BEEN TO AMERICA.

"میں کوئی ۱۹۶۸ء کی بات ہے امریکہ گیا تھا۔ مجھے میری ایک دوست نے اسپانسر کیا تھا۔ کچھ حالات اور کچھ قسمت نے ساتھ دیا اور میں امریکن سٹی زن۔ امریکی شہری بن گیا" وہ سگرٹ کی راکھ بڑی نفاست سے ایش ٹرے میں جھٹک کر بولا۔ "ابھی بھی ہوں" پھر ذرا ہنس کر بولا ظاہر ہے ایک بار بن گیا تو پھر ہمیشہ کے لئے ہی بن گیا سمجھئے"

مہتاب کے چہرے پر ایک ہی تاثر تھا۔

"تو پھر۔"؟

"وہاں میں نے بہت پاپڑ بیلے۔ جی۔ وہ مسکرایا یہ ایک اردو محاورہ ہے، حقیقتاً یہ نہیں ہوا تھا کہ میں واقعی پاپڑ بیلنے لگا تھا۔ میں لاس اینجلس۔ شکاگو۔ نیویارک۔ واشنگٹن۔ کینٹکی۔ اسپرنگ فیلڈ، سان فرانسسکو۔ ڈلاس، اینڈ یووڈ نٹ بلیوارٹ۔ ہالی ووڈ تک میں مہینوں رہا ہوں۔

آپ خدارا یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کو خواہ مخواہ امپریس کرنے کے لئے بڑے بڑے شہروں کے نام گِنوا رہا ہوں۔ وہ تو اٹلس اٹھا کر ایک جماعت ہشتم کا طالبعلم

بھی بتا دے گا۔"

مہتاب نے دل ہی دل میں محسوس کیا کہ یہ شخص انگلش، اردو دونو بڑے رواں لہجے اور پُر وقار انداز میں کہتا ہے۔

"میں نے واقعتاً پورے امریکہ کی خاک چھانی ہے ۔ وہاں میں نے بڑے عجیب وغریب تماشے دیکھے ۔ میں آپ سے ایمانیہ، بتا رہا ہوں کہ لاکھ ترقی کرنے پر بھی امریکی حد درجہ بے وقوف ہوتے ہیں۔"

مہتاب ذرا چونکی ۔ بولی پھر بھی کچھ نہیں ۔

میرا ایک دوست تھا ۔ وہاں اس نے امریکیوں کو بے وقوف بنا کر لاکھوں ڈالر بنائے ۔ اور جب میں آپ سے لاکھوں ڈالر بنائے۔

کہتا ہوں، تو وہ واقعی لاکھوں ہی ہوتے ہیں ۔ میں اس قسم کا انسان ہوں جو مبالغہ آرائی ۔ جسے آپ آسانی کے لئے EXAGGERATION کہہ سکتی ہیں، میں بلیو نہیں کرتا ۔ یقین نہیں کرتا ۔"

اس نے مسکراتے ہوئے دوسرا سگریٹ جلایا ۔

" اور آپ سخت حیرت کریں گی کہ یہ سارا روپیہ، اب ڈالرز کو ہم تو روپیہ ہی کہیں گے نا ۔" ؟ وہ بیچ گفتگو میں عجیب انداز سے پیچ ڈالتا تھا ۔

"اُس نے کس ذریعے سے کمایا ۔ ؟ جی ہاں صرف زعفرانی دھوتی پہن کے ۔ وہ ہنسا ۔ اور آپ بھی غالباً ۔ نہیں یقیناً میری طرح بے اندازہ حیرت کریں گی کہ وہ مسلمان تھا ۔ لیکن اس نے کچھ مالے والے پہن کے ایسا بہروپ بھرا، تلک ولک لگا کے پکا بہروبیہ بن گیا۔" سگرٹ کا ایک کش لگا کے اس نے ایک عجیب لہجے میں، جس میں غالباً اپنے دوست کے لئے ایک ساتھ تعریف اور مذمت دونو تھیں ۔ کہا ۔

"بڑا بدمعاش تھا ۔"!

وہ اچانک بولا۔

"ارے آپ نے ابھی تک ایک سِپ بھی نہیں لیا ۔ اچھا۔ میں سمجھا۔ میری ہی نادانی سمجھئے اسے آپ خاتون ہیں۔ غالباً STRAW سے سپ کرنا پسند کریں گی۔ ویسے میں امریکہ میں یہ بے ہودگی اکثر دیکھتا رہا ہوں ۔معاف کیجئے میں جب امریکہ کا ذکر کرتا ہوں تو سامنے والے کو امپرس کرنا قطعاً میرا شعار نہیں ہوتا۔ بس ۔" وہ مسکرایا۔

" وہاں کی خواتین میں ہماری ہندوستانی تہذیب کی پرچھائیں تک نہیں۔ جی تو میں آپ سے کیا کہہ رہا تھا ۔"؟

"جی آپ اپنے دوست کے بارے میں کچھ فرما رہے تھے۔" غیرارادی طور پہ مہتاب کے منہ سے نکلا ۔

" اب کہیں جاکر آپ کچھ RELAXED محسوس کر رہی ہیں ۔ نا"؟ مہتاب اس کی ذہانت پر خجل ہو اٹھی ۔

" تو حضور، اس شخص نے صرف سادھو بن کر یہ دولت اکٹھی کی۔"

مہتاب یونہی بیٹھی رہی ۔

" پھر اُس نے ایک اور چکّر چلایا۔ اپنے کئی دوستوں کو الٹی سیدھی پامسٹری کی کتابیں پڑھا کے جیوتش ودّیا کا چکر شروع کر دیا۔ اب آپ جانیں تھوڑی بہت پامسٹری تو کالج کی ہر لڑکی اور لڑکا جان لیتا ہے"۔ وہ ہنسا۔

" اصل میں کالج کا زمانہ بھی خوب ہوتا ہے۔ لڑکیاں چاہتی ہیں لڑکے انہیں گھیرے رہیں۔ اور لڑکے چاہتے ہیں کہ لڑکیاں ان پر فدا ہوتی رہیں۔ اور آپ سے ایک بات بتاؤں ۔ پامسٹری جو ہے نا۔ ایک طرح سے متعدی بیماری ہے آپ کسی کی بھی ہتھیلی دیکھ کر محفل میں ایک بات کہہ دیجئے۔ دس

ہتھیلیاں آپ کی طرف بڑھ جائیں گی - اب آپ شروع کیجئے ماضی سے - کہہ دیجئے "بچپن میں آپ شدید بیمار پڑے تھے" - تو جناب بچپن کس کا تندرست گذرا ہے ؟ - چھوٹی بڑی بیماریوں کو جھیلتے جھیلتے ہی جوانی آتی ہے -

پھر آپ بغور ہتھیلی کو دیکھتے ہوئے کہہ دیجئے کہ "دس گیارہ سال کی عمر میں کوئی ایکسڈنٹ ضرور ہوا تھا" ؟

وہ ہنسا - اب سائیکل پر سے کون نہیں گرتا - "بس آپ کی دھاک جمتی چلی جاتی ہے - غالباً آپ یہ سوچ رہی ہوں گی کہ میں بہت باتونی ہوں - میرے خیال سے آپ کو بعد میں اپنے اس خیال پر شرمندہ ہونا پڑے گا -

اصل میں میرے ساتھ مصیبت یہ ہے کہ میں کالج میں پروفیسر رہ چکا ہوں اور سمجھانے کی بڑی بری عادت پڑی ہوئی ہے ۔ چھٹتی نہیں ہے ....

یں مصرع اس لئے پورا نہیں کروں گا کہ کافی دقیانوسی قسم کا ہے - بہرحال" اُس نے مسکرا کر پھر سے بات کا سرا پکڑا -

"میں عرض یہ کر رہا تھا کہ پامسٹری ایک ایسا فن ہے کہ لوگوں کو بڑی آسانی سے بے وقوف بنایا جاسکتا ہے اور میرے خیال سے اللہ تعالیٰ نے علم نجوم کو اس لئے بھی منع فرمایا ہے کہ اُس نے سوچا ہوگا کہ جب میں خود لوگوں کو، اپنی مخلوق کو بے وقوف بنانے کو کافی ہوں تو میرے ہی بندے کیوں دوسرے بندوں کو بے وقوف بنائیں" - وہ ہنسا -

پتہ نہیں آپ میرے خیالات سے متفق ہوں یا نہ ہوں" !

وہ ہنستے ہنستے سنجیدہ ہو کر بولا -

میرے دوست نے بے حساب دولت کمائی - میں نہیں کما سکا - اصل میں اپنے اپنے GUTS ہوتے ہیں - وہ شاید زیادہ عقل مند تھا زیادہ GUTSY

تھا۔ بہر حال میں ہندوستان واپس آ گیا۔ یہاں آکر مجھے پتہ چلا کہ ہندوستانی امریکیوں سے بھی زیادہ بے وقوف ہیں۔"

"جی۔"؟ مہتاب نے بے ساختہ پوچھا۔

"وہ کیسے۔"؟

"وہ ایسے محترمہ کہ آپ یقین کیجئے کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ واہیات باتیں، واقعات دیکھے ہیں کہ ایک صاحب نقلی داڑھی لگا کے، گلے میں بہت ساری تسبیحیں لٹکا کے، سامنے عود دان میں عود جلا کے، دھنویں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ عقیدت مندوں کا ایک ہجوم ہے۔ گالی دے کر بات کرتے ہیں تو عقیدت مند اور زیادہ جھک کر ملتے ہیں۔ پسی ہوئی شکر کی ایک ایک چٹکی، عود کی راکھ میں مکس کر کے دے دیتے ہیں۔ خوشبو تو صاحب آنے ہی والی۔ بس بابا زندہ باد۔ بابا کراماتی، بابایوں اور بابادوں۔ ایک ہجوم پاگل بنا ہوا تھا۔"!

"لیکن بعد میں یہ ضروری تو نہیں کہ ہر بیمار کو شفا ہوئی ہو اور ہر عقیدت مند کی مراد پوری ہوئی ہی ہو۔" وہ شوکت کی باتوں کے سحر میں آکے بالکل بھول گئی تھی کہ وہ کن حالات میں یہاں لائی گئی ہے اور کس طرح ایک غیر آدمی کے ساتھ تنہا ایک فلیٹ میں بیٹھی ہوئی ہے۔

شوکت نے اس طرح مہتاب کو سمجھانا شروع کیا جیسے اس کے لئے یہ روز کا معمول ہو۔

"دیکھئے آپ بات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ کبھی آپ کے سر میں درد ہوا ہے۔"؟

"جی کئی بار۔" وہ بڑے اطمینان سے بولی۔

"اور یہ بھی یقیناً ہوا ہو گا کہ ہر بار آپ نے دوا کھائی بھی نہیں ہو گی"۔

"جی ہاں یہ بھی ہوا ہے اکثر"۔

"پس ثابت ہوا کہ ہر بیماری ایک آدھ نہ ایک آدھ بار، بغیر دوا کے بھی جا سکتی ہے۔

جا سکتی ہے نا۔"؟

"جی ہاں" وہ سحر زدہ سی بولی۔

"تو ممکن ہے اُس شخص مذکور کو جب بناوٹی بابا نے وہ چٹکی بھر شکر دی ہو اور اُس نے کھائی ہو تو وہ بیماری تو جانے ہی والی تھی۔ اپنے آپ ہی سے جیسا آپ کے سر کا درد چلا جاتا ہے بنا دوا کے، لیکن" وہ لیکن پہ زور دے کے بولا۔

"وہ عقیدت مند لازماً یہی سمجھے گا اور سمجھنے میں حق بجانب بھی ہو گا کہ وہ درد یا بیماری بابا صاحب کی کرامات کی وجہ سے چلی گئی ہے"

مہتاب خاموشی سے سنتی رہی۔

"اب مرادوں اور دعاؤں کی بات لیجئے۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ ہر دعا پوری ہو جاتی ہے"؟

مہتاب کچھ کہنے کو ہوئی تو وہ خود ہی بول اُٹھا۔

"نہیں نا۔؟ میں بھی یہی کہتا ہوں۔ اصل میں قسامِ ازل نے ہمارے نصیبوں میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ ہر حال میں پورا ہوتا رہتا ہے۔ میں نعوذ باللہ دہریہ یا کافر نہیں ہوں۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ پر پورا یقین اور ایمان ہے۔ لیکن پھر اللہ نے عقل بھی تو دی ہے سوچنے کے لئے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ بعض دعائیں پوری ہوتی ہیں۔ بعض نہیں ہوتیں۔ اب آپ میری بات غور سے سنیئے۔" اُس نے ہاتھ اٹھا کر ایک انگلی الگ سے اٹھائی۔

"اب جیسے ایک عورت ہے۔ اس کے نصیب میں اللہ نے لکھ دیا تھا کہ اس کی شادی کے چھ سال کے بعد اُس کے بیٹا ہوگا ۔ ۵ سال نکل گئے صاحب روتے دعائیں کرتے ۔ چھٹے سال میں کوئی پتہ دیتا ہے کہ ارے ایک فلانے فلانے بابا صاحب ہیں۔ بڑے پہنچے ہوئے ہیں۔ بڑے کراماتی ہیں ۔ ایک ہی چٹکی میں بیڑہ غرق۔ میرا مطلب ہے بیڑہ پار کر دیتے ہیں"۔ اب وہ بے چاری سوچتی ہے کہ اتنی مرادیں منتیں مانی ہیں چلو یہ بھی کر دیکھ لو۔ جاتی ہے۔ عقیدت سے قدم چومتی ہے ۔ چٹکی بھر راکھ شکر کھا کر آجاتی ہے۔ اب دیکھئے یہاں پھر اللہ کا کمال اور کرم آگیا ۔ اُس کے نصیب میں تو چھٹے سال ہی اولاد لکھی تھی نا ۔ ؟

بس صاحب اولاد کے آثار شروع ہو گئے۔ اللہ نے دے بھی دی ۔ سہرا بندھا بابا صاحب کے سر ۔ اب ظاہر ہے اپنی حیثیت، افتاد اور اوقات دیکھتے ہوئے کچھ نہ کچھ تو بابا صاحب کی "خاطر مدارات" کرے گی ہی ۔ اور سب سے بڑی بات کہ بابا صاحب کی جو بن داموں پبلسٹی کرے گی ۔ !؟ وہ سب سے اہم چیز ہے۔ MOUTH PUBLICITY سے بڑھ کر اس ہندوستان میں کوئی چیز نہیں"۔!

اُس نے دوسری بوتل سے ایک گھونٹ بھرا ۔

"اونہہ گرم ہو گئی ! ۔ خیر ۔ ارے آپ کی بوتل بھی جوں کی توں دھری ہوئی ہے ۔ بہر کیف اگر آپ پسند کریں تو کچھ کھانے دانے کا بندوبست کیا جائے یا پھر آپ چائے لینا پسند کریں گی ۔"؟

جی آئی ونٹ مائنڈ ٹی

I WONT MIND TEA

مہتاب اطمینان سے بولی ۔

"بھئی سننا کوئی ہے ۔"؟ پھر وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں جانے

لگا۔ پتہ نہیں کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔ بڑے شوقین، بڑے محفل پرست لوگ ہیں۔ باتوں کے دھنی۔" وہ مسکراتا ہوا واپس آرہا تھا۔" چائے کے لئے کہہ دیا ہے میں نے۔" پھر بہت مہذب انداز میں جھک کر پوچھا۔

"چائے کے ساتھ کچھ لوازمات۔ SNACKS"

مہتاب بولی۔" نو تھینکس"۔ وہ بڑے غور سے، مگر نظریں چرا کے اُسے دیکھ رہی تھی۔ اونچا پورا قد۔ گورا رنگ۔ کسرتی جسم۔ ایسا کہ وقت پڑنے پر دو چار کو سُلا دے۔ خوب گھنے بال۔ جگہ جگہ سفید گچھے۔ کالے بالوں میں اُسے بیک وقت مہذب بھی بنا رہے تھے اور کسی حد تک بمبئی والوں کی زبان میں "دادا" بھی۔ لیکن بحیثیت مجموعی اس کے مہذب ہونے کے زیادہ آثار تھے۔ عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی۔

بات کا سرا اُٹھانے میں اُسے مہارت حاصل تھی۔

"اور جب کسی شخصیت کو MOUTH PUBLICITY مل جائے، اُسے مشہور اور مقبول ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ دنیا کی کوئی بھی طاقت نہیں۔"

اچانک اس نے ایک غیر متعلق سا سوال کر ڈالا۔

"اندرا گاندھی۔ نکسن، بھٹو، جنرل یحییٰ، ہنری کسنجر، ایوب خاں۔ ان سبھوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

وہ حیران سی رہ گئی۔" کبھی غور نہیں کیا۔ کیوں۔"؟؟

"سیدھی سی بات ہے۔ ان سبھوں کے نصیب میں اللہ تعالیٰ نے خود اقتدار لکھ دیا تھا۔ لیکن ممکن ہے ان سبھوں کو زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا بناوٹی بابا ملا ہو، جس نے ان لوگوں سے یہ کہہ دیا ہو کہ جا بچہ تو راج کرے گا۔ یا کسی سادھو بابا،

یا کسی سینٹ یا کراماتی بزرگ نے کوئی چٹکی پوڑی دے دی ہو اور ہم میں سے بھلے کسی کو یہ بات معلوم نہ ہو، لیکن خود اُن لوگوں کو یہ یقین ہو گا کہ "ہاں یہ اقتدار، یہ یا پولیرٹی صرف اُسی چٹکی یا بابا کی دین ہے"

کوئی آیا چائے لا کے رکھ گئی تھی۔ اُس نے ٹرے اپنی طرف کھسکائی۔

مہتاب اپنی جگہ ذرا سی کسمسائی۔ وہ مسکرایا۔

"میں جانتا ہوں۔ یہ خواتین کے شغل ہیں، لیکن آپ دیکھئے گا کہ دودھ اور چینی کا تناسب میں بھی مناسب ہی رکھتا ہوں۔ دودھ کتنا۔"؟ وہ ہنسا اکثر لوگوں کو آپ نے یہ کہتے پوچھتے سُنا ہو گا کہ "چینی کتنی۔" لیکن میں ہمیشہ دودھ کی مقدار کے بارے میں پوچھتا ہوں اس لئے کہ چائے کی رنگت اور خوبصورتی کا انحصار صرف دودھ کی مقدار پہ ہوتا ہے نہ کہ چینی کی۔"؟

مہتاب سادہ دلی سے مسکرادی۔ اچانک وہ اپنے مسکرانے پر سخت غصہ ہوئی لیکن اب تو مسکرا چکی تھی۔

"وہ بابا ابھی میں جن کا ذکر کر رہا تھا کہ ایک ہجوم ان کے لئے مضطرب اور بے تاب تھا، میں خود ہی تھا"!

ابھی تھوڑی دیر پہلے مہتاب جو مسکرائی تھی تو اس کے لب ابھی تک پوری طرح ایک دوسرے سے پیوستہ بھی نہیں ہوئے تھے، مسکراہٹ کے آثار باقی تھے کہ اس جھٹکے سے وہ لرز سی گئی۔

"جی۔"؟ سامنے والے نے پہلی بار محسوس کیا کہ یہ لڑکی سراسیمہ ہو گئی ہے۔

"اصل بات یہ ہے۔ مس۔۔۔۔۔ وہ رکا "مہتاب جنگ"۔ مہتاب نے اپنا نام بتا دیا تو وہ گویا ہوا۔

"میں ایک سچا شخص ہوں۔ سیدھا سادا بھلے نہ ہوں، لیکن میری سچائی کے

میرے دشمن بھی معترف ہیں" ۔ وہ چائے میں چمچہ ہلاتے ہوئے اس کو کپ پیش کرتے ہوئے بولا ۔

مجھے دولت بیحد پسند ہے ۔ بڑا شوق ہے مجھے امیر بننے کا" وہ رُکا ۔

"یہ ایسے دو کوڑی کے امیر نہیں کہ ایک فلیٹ خرید لیا ۔ دو گاڑیاں رکھ لیں ۔ دو تین نوکر رکھ لئے ۔ ہونہہ" ۔ وہ عجیب سی ہنسی ہنسا" دولت اتنی ہو کہ سرکار کی ریڈ پڑے . . . . .

اور دولت بھلے اسمگلنگ سے کمائی جائے ۔ اتنی بے حساب بے پناہ ہو کہ لوگ آپ کے غیاب میں فخر سے کہیں ۔

THAT BLOODY SMUGGLER SO AND SO—?

YA YA HE IS MY FRIEND YAAR!"

"وہ حرامی اسمگلر۔ وہی نا جس کا نام شوکت ہے ۔ ارے یار بڑا گہرا دوست ہے میرا سالا شوکت" ۔ وہ مسکرایا ۔

"اب آپ بھلے اس شخص کو جانتے تک نہ ہوں، لیکن آپ کی امارت اتنی ہی ہونی چاہیئے کہ لوگ آپ کے تعلق سے جھوٹے تعارف منسوب کریں ۔

THIS IS "IN" THING NOWADAYS"

یہ چیز آج کل فیشن میں VOGUE میں ہے ۔ مجھے ایسی ہی دولت اور شہرت کا شوق ہے ۔ اور مجھے یہ صرف اپنے احمق ہندوستانیوں سے ہی مل سکتی ہے ۔ اس میں مذہب کا سوال ہی نہیں ۔ ماشاء اللہ اس وہم پرستی میں سب اپنی مثال آپ ہیں" ۔ وہ پھر سگریٹ سلگا رہا تھا ۔

"میں جب بابا بنا تو ہر قسم کے لوگ ملے ۔ ہر مذہب کے، کیا ہندو، کیا مسلمان، کیا سکھ، پارسی، عیسائی، گجراتی، مرہٹی ۔ بس INTEGRATION

NATIRNAL کی بہترین مثال آپ کو بابا لوگ کے سامنے لگی لمبی لمبی لائنوں کیوز میں ملے گی "۔

وہ ایک کش لے کر بہت ہی دھیمے اور پُر سکون لہجے میں بولا۔

"میں آپ کو اسی طرح کی ایک "بی بی" بنانا چاہتا ہوں"۔

اب مہتاب کے چونکنے کی باری تھی۔

"آپ کو پتہ نہیں۔ اصل میں اس فیلڈ میں خواتین کے لئے بڑی گنجائش ہے، لیکن کبھی کسی نے دھیان ہی نہیں دیا۔ البتہ پاکستان میں اس سلسلے میں مَیں نے کافی ترقی دیکھی۔۔۔۔ وہ کش لے کر بولا۔

"میں پاکستان بھی ہو آیا ہوں۔ اور یہاں پاکستان کے ایک بابا سبز پوش آئے تھے، میں نے خود اُن کی چپکی نوش فرمائی تھی"۔ وہ ہنسا۔ وہ تو صرف آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہتے تھے اور اُن کے شاگرد صرف دھاگے عقیدت مندوں کو دیتے رہتے تھے۔ فی دھاگا۔ نو پرائس۔ وہ ہنسا۔ دھاگے کی کوئی قیمت ہی نہیں رکھی تھی۔ دھاگا صرف دھاگا تھا۔ لیکن عقیدت میں بٹا ہوا۔ اس لئے جب وہ بابا صاحب واپس پشاور گئے تو ان کے پاس پندرہ لاکھ روپے تھے"۔!

مہتاب نے حیرت سے دیکھا تو وہ بولا۔

"پندرہ لاکھ جیسی رقم کے لئے اپنی خوبصورت آنکھوں کو مت پھیلائیے۔ اس دھندے میں تو پندرہ کروڑ بھی ہو سکتے ہیں"!

لیکن پاکستان روپیہ کیسے جا سکتا ہے"۔ ؟ ؟ وہ حیرت سے بولی۔

"حوالہ" کا نام سنا ہے آپ نے۔ ؟ پیٹی کا نام سنا ہے کبھی۔ ؟ نہیں۔ آپ بہت بھولی ہیں۔ بچی سی ہیں آپ۔ ایک پیٹی ایک لاکھ روپے کی ہوتی ہے۔ آپ کھلم کھلا کہئے نا فون پر کہ "حوالے سے پندرہ [15] پیٹی فوراً چاہیئے"۔

کوئی آپ کی گفتگو ٹیپ کر رہا ہو تو بھی کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا کہ "حوالہ" کیا ہے۔ پیٹی کیا ہے... اور یہ دھندہ ساری دنیا میں چلتا ہے۔ ہندوستان پاکستان کی کیا بات! خیر یہ تو بہت ہی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ آپ کو پتہ نہیں کہ اس سارے جھمیلے میں حکومتیں تک ملوث ہو جاتی ہیں۔ مگر کوئی کچھ کر نہیں سکتا۔ INTER-RELATED جال سا ہوتا ہے۔ پولس آپ کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ ایک طرح سے مافیا 'MAFIA' گروپ نہیں ہوتے ہوئے بھی مافیا ہی کہہ لیجئے۔"

مہتاب نے خوب لمبی سانس لی۔

"ارے آپ تو گھبرا گئیں" وہ ہنسا۔

اصل میں آپ پڑھی لکھی ہیں۔ سمجھدار ہیں۔ خوبصورت ہیں۔ انگلش اردو ہندی روانی سے بول لیتی ہیں، اسی لئے میں نے آپ کا چناؤ کیا ہے۔ آج سے کچھ ماہ پہلے میں نے چرچ گیٹ اسٹیشن کے سامنے آپ کو چن لیا تھا۔ . . .

مہتاب کو ایک جھٹکا سا لگا۔

"ہرے راما ہرے کرشنا CULT۔؟

WANT TO JOIN US ?

اُسے یاد آ گیا۔ اچھی طرح سے۔

وہ ہنس رہا تھا۔

"یہ بہت معمولی باتیں ہیں۔ آپ کو ان کے بارے میں سوچ کر قطعاً پریشان نہیں ہونا چاہیئے کہ ایسا کیوں کر ہوا ہوگا یا کیسے ہو سکتا ہے۔ دیکھئے نا آج کل پوری دنیا کی جتنی بھی بڑی بڑی طاقتیں ہیں، امریکہ رشیا، فرانس، برٹن، تیسری دنیا کو تو خیر جانے دیجئے، کسی شمار قطار میں ہی نہیں آتی ہیں یہ حقیر بستیاں، جو اپنے آپ کو COUNTRY کہہ کر خوش ہو جاتے ہیں۔ یہ سب بھی کسی نہ کسی کی مسلسل جاسوسی

میں مصروف ہیں۔ اسرائیل چھوٹا ہے مگر سب سے پیش پیش ہے۔ تو میں یہی کہتا ہوں آپ سے کہ چھوٹے ہونے پر نہ جایئے۔ یہ دیکھئے کہ وسائل کیا ہیں اور کہاں تک ہیں"؟

مہتاب سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"آپ کا چناؤ اس لئے کیا ہے کہ اس دیس ہمارے ہندوستان میں پھر بھی ایک خاص رکھ رکھاؤ ابھی ہے۔ عورتیں، خاص طور سے اچھے گھرانوں کی خواتین، بابا لوگوں کے پاس جاتے ہوئے کہیں نہ کہیں، ہچکچاتی ضرور ہیں۔ اگر کوئی پہنچی ہوئی خاتون بی بی ہو!، ۔ اور اس کے لئے یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ وہ بوڑھی ہی ہوں۔ خدا کی رحمت کا سایہ تو جوان پر بھی ہو سکتا ہے"۔ وہ ہنسا۔

تو ہمارے لئے زیادہ آمدنی کے امکانات ہیں۔ تو آپ ایک دو دن آرام کر لیجئے۔ پھر بڑے بڑے انگلش اخبارات اور ریجنل لینگویج کے اخبارات میں بھی اشتہارات دے دیتے ہیں کہ فلاں فلاں مقام پہ فلاں فلاں بی بی کی کرامات کا فیض جاری ہے۔ اور نذرانہ۔ کچھ نہیں۔ ایک پائی بھی نہیں۔ عقیدت بڑھانے میں پیسہ بیحد حائل ہوتا ہے۔ لوگ سوچتے ہیں او نہہ پیسہ لے کر دعا دار و کوئی کرے گا تو کیا اللہ فائدہ دے گا؟ دعا تو بے لوث ہونی چاہیئے۔! پھر اعتقاد اور عقیدت بڑھ جائے تو وہی پیسہ جو حائل تھا، سمندر کی طرح اُبلنے لگتا ہے"۔

"آپ اپنی رائے بتا نہیں رہی ہیں کچھ"۔ وہ بڑے معتبر اور مہذب لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"پیسے کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش میں پیسہ بہت دور چلا جاتا ہے۔ ڈھیل دینی چاہیئے۔ پتنگ کی طرح ڈھیل دینی چاہیئے"۔ وہ اطمینان سے بولا۔

"کھنچا چلا آئے گا آپ کی طرف۔ بڑی عورت کی صفت ہے پیسے میں۔ وہ تاسف سے بولا۔

"آپ چاہیں گے کہ آئے۔ نہیں آئے گا۔ اور جب آپ توجہ نہیں دیں گے۔ چلا آئے گا۔"

وہ اک دم چونکا۔

"میرے خیال سے میں نے آپ کا زیادہ ہی وقت لے لیا ہے۔ لیکن آپ جیسی سمجھدار اور ذہین لڑکی کو یہ سب سمجھانا بہت ضروری بھی تھا۔"

وہ پھر سگریٹ سلگا رہا تھا۔

"میں الحمدللہ شادی شدہ آدمی ہوں۔ بہت محبت والی بیوی ہے۔ تین بچے ہیں۔ دو لڑکے۔ ایک پیاری سی بیٹی۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں انہی کے لئے یہ سب کر رہا ہوں، کیوں کہ جب میری شادی نہیں ہوئی تھی تب بھی میں دولت کا بے پناہ شوقین تھا۔ اور اب بھی ہوں۔ میں آپ کو بھی بہت نواز دوں گا، بشرطیکہ آپ سمجھداری سے کام لیں۔

یہاں آپ کی عزت کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ آپ بھاگنے کی کوشش نہیں کریں گی۔ کیونکہ وہ قطعاً بے فائدہ ہوگی۔

پولس سے رجوع نہیں کریں گی۔ کیونکہ میرا خاصا بڑا کاروبار ہے اسی طرح کا۔ اور پولس کو باقاعدہ۔ میں یہ ذلت آمیز لفظ "ہفتہ" استعمال نہیں کروں گا۔ نذرانہ دیا جاتا ہے۔ آخر پیسے کی ضرورت تو سبھی کو ہوتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کوئی قباحت ہے اگر ہم آپس میں پُرخلوص دوستوں کی طرح ایک دوسرے کی مدد کر دیتے ہیں۔"!

"کیا خیال ہے آپ کا۔"؟ وہ ہنسا۔

"زر ایک ایسی چیز ہے مس مہتاب جنگ۔ جس کے بارے میں پرانے بھارت ورش کے پردھان منتری چانکیہ نے کہا تھا۔

"زر حاصل کرو، چاہے کسی بھی ذریعے سے کرو" وہ مسکرایا۔

ہاں مہتاب جنگ ۔ تم خود اس زر کی مار کھائی ہوئی ہو۔ وہاں کیا تھا؟ "جنت نگاہ" میں ۔ دو ہزار روپے ماہانہ ۔ جو کہ تم نے ابھی تک لئے بھی نہیں ۔ یہاں کیا خرابی ہے ۔؟ مزے سے عیش کرو ۔ چند ہتھیلیوں کی لکیروں کو دیکھ کر جو غلط ملط دل میں آئے کہہ ڈالو ۔ کچھ نہ کچھ تو صحیح ہوگا ہی ۔ اور غلط بھی نکلا تو تمہارا کیا بگڑے گا ۔؟ کیا سوچ رہی ہو ۔؟ ارے مہتاب جنگ، اُس ساحر، جادوگر، چرب زبان شوکت کی باتوں کا اثر شاید اب تمہارے دل سے دھیرے دھیرے ہٹ رہا ہے ۔ اب تم اپنے آپے میں آرہی ہو ۔ اب تم یہ سوچ رہی ہو کہ تم کہاں ہو ۔ کیا حالات تھے، کس وقت تمہیں اٹھا کر کار میں ڈالا گیا ۔

اُس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر ہلایا ۔ کمرہ خالی تھا ۔ شوکت دوسرے کمرے میں آرام کرنے چلا گیا تھا یا کہیں باہر چلا گیا تھا اُسے کچھ پتہ نہ تھا ۔

وہ ہوش میں تھی یا بے ہوش ۔؟

وہ آخر کس طرح ایک غیر مرد کے ساتھ اتنے گھنٹوں سے بیٹھ کر اس کی باتیں اطمینان سے سنے جارہی تھی ۔؟

یہ کون سی جگہ ہے ۔؟

جو ہو کہاں ہے ۔

"جنت نگاہ" کس کے بنگلے کا نام ہے ۔؟ اسے اچھی طرح ہوش تھا ۔ یہ بھی علم تھا کہ اس کے ساتھ کوئی بے ہودگی کی گئی نہ کچھ گھول کر پلایا گیا ۔ وہ پوری طرح حواسوں میں تھی، اور اب اُسے یہ غم کھائے جارہا تھا کہ امی کی دوائیں اور روپے اسی کے پاس تھے ۔ وہ کیا سوچ رہی ہوں گی ۔؟

نارسی سدھار گھر کی چھاپ ۔

اوپر سے روپے لے بھاگی۔!؟

اس کے ضمیر نے اس کی وکالت کی۔" نہیں وہ لوگ اُس کے بارے میں ایسا تو سوچ بھی نہیں سکتے خود اُس نے اپنی نام نہاد تنخواہ کی ایک پائی تک نہیں اٹھائی تو یہ ہزار روپے آخر کیا چیز ہیں۔؟

خیر دوائیں بھی احمد صاحب دوبارہ خرید کر لا سکتے ہیں۔گھر میں مریض جو دوائیں مستقل استعمال کرتا ہے، تقریباً سارے ہی گھر والوں کو ان کے نام یاد ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی کوئی مسئلہ نہ تھا۔

اصل مسئلہ یہ تھا کہ سب اس کے چال چلن پر شک کریں گے۔ میں جیسی نہیں ہوں ویسی نہیں ہوں ویسی سوچ لی جاؤں گی۔"

"بی بی۔ تم چاہو گی بھی تو جیون بھر اس ناری سدھار گھر" کی چھاپ، جو تمہارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بن کر چپک گئی ہے۔ نہیں مٹا پاؤ گی۔۔۔۔۔

اُجالا۔ اجالا۔

I NEED YOU - I NEED YOU!

"کریم۔"

عمران آفس سے لوٹتے ہی چلّایا۔"کریم فوراً کھانا لگواؤ سخت بھوک لگی ہے۔"

مراد ہنسنے لگا۔" اس قدر بھوک تیری صورت سے برس رہی ہے کہ لگتا ہے پورا بکرا ملے تو وہ بھی ہڑپ کر جائے گا۔"

"ارے یار دس بج رہے ہیں رات کے۔ آج سالے کام بھی اتنے نکل آئے تھے۔۔۔۔

"ممّی"۔ وہ بات روک کر مارے غصّہ کے۔ آپ یہ مہار تک چلا کر

آنٹیئں۔ مانا کہ آپ بہتر فیل کر رہی ہیں، پھر بھی......

"بیٹا تابی دوائیں لانے دو بجے گئی تھی ابھی تک نہیں لوٹی"۔ وہ اس کی بات کاٹ کر بے حد پریشانی سے بولیں۔ مجھے تو ویسے بھی ہارٹ ٹربل ہے، پوچھو مت دوپہر سے میری کیا حالت ہے......

"دو بجے سے گئی ہے"۔؟ عمران دو پر زور دے کر بولا۔" اور اس وقت رات کے دس بج رہے ہیں"۔ وہ مراد کی طرف دیکھ کر حیرت سے بولا۔

"کہاں جا سکتی ہے وہ"۔

"اللہ نہ کرے ایکسڈنٹ وغیرہ تو نہیں ہو گیا"۔ بیگم کامران پریشانی سے بولیں۔

"ممکن ہے بھی۔ اور نہیں بھی"۔ مراد سراسیمہ ہو کر بولا۔

"کیا وہ پیدل گئی تھی ممی"۔ عمران غصہ سے بولا۔

"ڈرائیور رہو تو بھی۔ گاڑی وہ کبھی نہیں لے جاتی"۔ بیگم کامران ذرا شکایتی لہجے میں بولیں۔

کھانا وانا بھول کر عمران وہیں ایک صوفے پہ ٹک گیا۔

"یار مراد بتانا اب کہاں ڈھونڈیں۔"؟

"عمران پہلے یہ سوچو کہ صبح ہم نے کوئی ایسی دل شکن بات تو نہیں کی تھی جس کی وجہ وہ گھر چھوڑ کر ہی چلی گئی۔"؟ مراد بولا۔

"نہیں یار ایسی باتیں تو اس کے سامنے ہزار بار ہو چکی تھیں جیسی صبح ہم نے۔ یعنی میں نے کیں"۔

"اب کہاں تلاش کریں۔ میری تو سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا ہے"۔ عمران سخت بدحواس ہو رہا تھا۔

"میں نے فرح کے ہاں فون کر کے بھی پوچھا کہ تابی وہاں آئی گیا۔ اتنا پوچھنے پر دو بجے سے فرح نے فون کر کر کے الگ حیران پریشان کر دیا ہے مجھے۔" بیگم کامران کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

عمران نے ہی لپک کر فون اٹھایا۔

"ہیلو۔"

فرح عمران کی آواز پہچان کر چلائی۔

"بھائی جان۔ تابی گھر پہنچی یا نہیں۔"؟

"نہیں فرح۔ میں ابھی آیا تو ممّی نے بتایا۔ پورے آٹھ گھنٹے ہو گئے۔"

"آپ کے خیال سے بھائی جان وہ کہاں جا سکتی ہے۔" فرح کے لہجے میں بے تابی بھری ہوئی تھی۔

کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا فرح۔۔۔

"بھائی جان۔ وہ رُکتے اٹکتے بول رہی تھی۔

اتنی خوبصورت ہے وہ۔ کہیں کسی نے اُسے KIDNAP تو نہیں کر لیا۔؟؟

"اغوا۔؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" عمران جھلا کر بولا۔

"ارے بھائی جان۔ یہ بمبئی ہے۔ ذرا اخبار اُٹھا کر کرائم رپورٹس کا PAGE پڑھا کیجئے۔ ہر قسم کا جرم آپ کو موجود ملے گا۔ آپ پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کرتے۔"؟

"اچھا دیکھتا ہوں کیا کروں۔" اُس نے فون بے حد تھکن کے ساتھ رکھ دیا۔

"خدا حافظ۔"

"مراد۔ کیا کریں یار۔ پولیس میں رپورٹ کریں۔"؟؟

"بیٹے۔ بیگم کامران بہت ہمدردی سے سمجھا کر بولیں"۔ پولیس میں تفصیل بتانا

ضروری ہوتا ہے جب تم یہ بتاؤ گے کہ لڑکی "ناری سدھار گھر" سے آئی ہوئی تھی۔ تو تم ہی کہو کیا امپریشن پڑے گا؟

"لڑکی کا بھی۔ تمہارا بھی۔"؟؟

عمران ایک لمحے کو چکرا کر رہ گیا۔

وہ کہے جا رہی تھیں۔

"تم اپنی حیثیت اور وقار دیکھو۔ تم اپنی گاڑی سے اُتر کر، اعلیٰ کپڑے پہن کر جب پولس اسٹیشن میں داخل ہو گے تو ویسے ہی دس نگاہیں تم پر پڑیں گی۔ خاندانی مرتبہ، صورت شکل سے ہی عیاں ہوتا ہے بیٹے۔" وہ بڑے کرب سے پوچھ رہی تھیں۔

"تم کھو جانے والی لڑکی کا خود سے، رشتہ کیا بتاؤ گے۔؟ بہن۔؟ منگیتر۔ کزن۔ بھابھی۔؟؟ ہر رشتہ اتنا مقدّس ہے کہ اس کے تعلق سے بیٹا یہ جملہ تمہاری زبان سے نہیں نکلنا چاہیئے کہ اس سے میرا یہ رشتہ تھا۔ اور وہ کچھ رک کر ذرا تکلیف کے ساتھ بولیں۔

"اور ویسے تو وہ تمہاری واقعی کچھ لگتی بھی تو نہیں ہے۔"

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ وہ میری سب کچھ ہے۔ اس زمین پر قائم ہونے والے سارے رشتوں سے مضبوط تر، میرا اس کا رشتہ ہے۔ میرا اُس کا محبت کا رشتہ ہے۔ جو ہر رشتے سے اونچا اور معتبر ہوتا ہے۔"

اُس کے دل سے یہ چیخیں اتنی بلند آواز سے نکل رہی تھیں کہ ساری کائنات اس شور سے گونج رہی تھی۔ لیکن ڈرائنگ روم میں موت کا سا سناٹا تھا۔

"بیٹے تم خاموش کیوں ہو۔" بیگم کامران اُسے جھنجوڑ کر پوچھ رہی تھیں۔

"عمو۔ ہم فی الوقت پولس میں تو رپورٹ نہیں کرتے ہیں، لیکن ممکن ہے کوئی

ایکسڈنٹ کوئی حادثہ ایسا ہوا ہو کہ کسی نے ترس کھا کے اُسے ہاسپٹل میں اڈمٹ کر دیا ہو۔ تو ہسپتالوں سے رجوع کرتے ہیں"۔ مراد، عمران کو اپنے طور، بہید عاقلانہ مشورہ دے رہا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے بمبئی میں کتنے سارے ہاسپٹلز ہیں۔"؟ وہ ذرا جھلا کر بولا۔

"کم آن یار"۔ وہ بھی غصہ سے بولا۔ کوشش تو کرلینی چاہیئے نا"

"وہ بڑی سمجھدار بچی ہے۔ بیگم کامران صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے نڈھال سی ہو کر بولیں۔

"اُسے موقع ملے گا تو وہ فون ضرور کرے گی"۔

"اللہ کِتّا مزہ آئے گا نا۔ اے اے سُن کل سیمیں کے منجے کی دعوت ہے۔ خوب ڈھول بجائیں گے۔ گانے بھی گائیں گے۔ ہور خوب سج کو جائیں گے۔ پیلے پیلے زعفرانی کپڑے پہن کو"۔

کلاس میں نیلوفر سب کو آمادہ کرتی پھر رہی تھی۔ اُن کی کلاس فیلو سیمیں کی اچانک شادی طے ہو گئی تھی۔ پڑھائی سے اٹھا کر ماں باپ اس کی شادی کیئے دے رہے تھے۔ اک عجیب سی اکسائٹ منٹ لڑکیوں میں پھیل گئی تھی۔

"اگے بولو نا کون کون چلیں گا"۔ نیلوفر پروگرام بنانے میں پیش پیش تھی۔

"پہلے اپنا یہ طے کر لیو کی کون آریا کون نئیں۔ پھر اِنے مہتاب کے پاس تین تین موٹراں ہیں نا۔ سوب ایک جگہ مہتاب کے گھر پو جمع ہو جائیں گے، ہور وہاں سے سیمیں کے منجے میں جائیں گے"۔

انوری غصہ سے بولی۔

"کیا فضول باتاں ہئیں جی۔ اِتّی سی بچّی کی شادی کر دے رئیں۔ نان سنس۔ ابھی کیمبرج کر لینے دیتے تو۔ کِتّا اچھا ہوتا۔

IT'S SO DEPRESSING"

"ہو مہتاب" وہ چڑ کر مہتاب سے بولی –

WHAT IS YOUR OPINION?

مہتاب نے شانے اُچکائے –

"NO COMMENTS BUT I AM EXCITED ABOUT MANJAA."

مہتاب کو بہت بچپن سے ہی شادیوں کی سب سے خوبصورت رسم منجھے مایوں لگتی تھی –

زعفرانی رنگ اس کی کمزوری بن کر رہ گیا تھا – "مائی گوڈ – کتنا رومینٹک لگتا ہے نا ایسے ۴ دن منجھے پر بیٹھ جانا" وہ ترنگ میں آتی تو دکنی لہجے میں شروع ہو جاتی – اور کانونٹ میں کدھر مغلانی اماں تربیت اور نصیحت کرنے پہنچ سکتی تھیں –

"شادی کے دن تو خاصی بوریت ہوتی ہے"

اُس دن تو دلہن گھر سے چلی ہی جاتی ہے نا؟ یہ چار دن – پیلا کمرہ – مائی گڈنس – پیلا بستر – پیلی زعفرانی چادریں رضائیاں – پھر دولہن کے اپنے زعفرانی کپڑے – زعفرانی پھول – سارا ATMOSPHERE زعفرانی – دل میں کھلکھلاہٹ سی بھر جاتی ہے – وہ جو کشمیر میں لوگ کہتے ہیں نا کہ زعفران کے کھیتوں کو دیکھتے ہی ہنسی چھوٹ جاتی ہے، بالکل صحیح بات ہوگی اور یہ منجھے کا آئیڈیا کشمیر سے ہی اٹھایا گیا ہوگا – وِل – کشمیر ہی کے بارے میں کہا گیا ہے نا وہ فارسی میں مغلانی اماں نے پڑھایا تھا –

اگر فردوس بر روئے زمیں است

ہمیں است وہمیں است وہمیں است

وہ کیسے سیمیں کے منجے میں نہیں جائے گی ؟

I CANT AFFORD MISSING IT NO WAY

"اے اے۔ وہ حد درجہ ایکسائیٹڈ ہو کر ساری لڑکیوں سے بولی۔

WE WILL PAINT THE CITY PALE

وہ محاورے سے RED کی بجائے PALE کر کے بیحد خوش تھی۔

WE WILL PAINT THE CITY PALE GOLD AND ZAFRAANI

زعفرانی ساڑی۔ زعفرانی لمبی آستینوں کا بلاؤز۔

شوکت کے کام واقعی بڑے ہی منظم تھے، ٹیلر آ کے اُس کے ناپ کے بلاؤز سی کے بھجوا بھی چکا تھا۔ شوکت نے چھ زعفرانی سِل سِل کرتی ساڑیاں۔ اور بارہ مختلف پرنٹس کی ساڑیاں بڑے خوبصورت ڈبوں میں پیک، اس کے کمرے میں بھجوا دی تھیں۔ پیٹی کوٹ بھی ساتھ ہی تھے۔ غضب کا تجربہ کار شخص تھا۔ ریڈی میڈ پیٹی کوٹ عین مین اس کے ناپ کے تھے۔

بچپن میں اتنے سارے جوڑے ایک ساتھ ممی پاپا نے بنوائے ہوں تو بنوائے ہوں۔ اٹھارہ ساڑیاں اُس نے ایک ساتھ اب تک نہیں دیکھی تھیں۔ دُکانوں کے سوا۔ اور یہ ساری کی ساری ساڑیاں اس کی اپنی تھیں۔ اس میں سے چھ زعفرانی۔ جو اس کا اپنا رنگ تھا۔ بیحد پسندیدہ۔ جو وہ کبھی نہ اپنا سکی۔ اُس کی شادی کے دن اس کے جسم پہ نیلی ساڑی تھی۔ معمولی سی۔ اور جن حالات میں شادی ہوئی تھی منجے اور مایوں کا سوال ہی نہیں اُٹھتا تھا۔

اور آج وہ زعفرانی رنگ میں ڈبو دی گئی تھی۔ شوکت نے اپنے مہذب، معتبر، دلکش اور CONVINCING شائستہ لہجے میں اُسے سمجھایا تھا۔

رنگوں کی اپنی اک الگ دنیا، الگ اپیل ہوتی ہے بعض رنگ اس قدر BELLIGRENT اتنے حملہ آور قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ ڈائرکٹ اٹیک کرتے ہیں۔ جیسے سرخ رنگ۔ اس میں ایک قسم کا خطرہ محسوس ہوتا ہے" وہ مہذب انداز میں ہنسا۔

"جیسے دلہن کو سرخ رنگ پہنا دیتے ہیں۔ کتنا خوف محسوس ہوتا ہے شادی کے دن۔ ساری زندگی کے لئے خطرہ۔"! وہ ذرا زور سے ہنسا۔

لیکن زعفرانی رنگ میں اک بات ہوتی ہے۔ "اک بات" اُس نے اپنی پانچوں انگلیوں کی کلی بنا کر، اسے پھول کی طرح کھولتے ہوئے جس انداز سے کہا۔ "اک بات" اس سے مہتاب کو لگا کہ یہ شخص تلوار تیر کے نہیں، صرف اپنی زبان کے بل پہ دنیا کو تسخیر کر سکتا ہے۔

اس زعفرانی رنگ میں ایک سحر ہوتا ہے۔ سامنے والے کی شخصیت ARREST ہو جاتی ہے۔" اُس نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے بڑے پُر خیال انداز میں کہا۔

آپ اسلامک ہسٹری لے کر MYSTICISM مطلب صوفی ازم کے کسی بھی دور کو لے لیجئے۔ بلکہ اتنا ہی کیوں آپ کی ساری ہندو میتھولوجی میں آپ کو زعفرانی رنگ RULE کرتا نظر آئے گا۔ ہمارے کرشن کا۔ ہمارے سادھوؤں کا....

وہ اس طرح ڈوب کر کہہ رہا تھا کہ لگتا تھا وہ صرف کرشن ہی کا بھگت ہے۔ کس طرح لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیتا ہوگا یہ شخص!!

"ہمارے سادھوؤں کا۔ ہمارے مینوں رشیوں کا یہ فیورٹ کلر رہا ہے۔ اور آپ کو شاید پتہ نہ ہو مجھے ہے، مجھے KNOWLEDGEABLE بکس پڑھنے کا

کریز رہا ہے۔ جنگلوں میں ایک پتہ ہوتا ہے "پلان تن"۔ مجھے افسوس ہے اپنی نااہلی پر کہ میں آپ کو اس کا اردو لفظ نہیں بتا پا رہا ہوں غالباً پلاس۔ بھئی مجھے اس پتے کے اردو ترجمے کے بارے میں جاہل ہی سمجھئے"۔ وہ مسکرایا۔

"لیکن اس پتے کو پانی میں گھولنے سے زعفرانی رنگ تیار ہو جاتا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ آج سے ہزاروں سال پہلے کے اس PRIMITIVE AGE ابتدائی پتھروں کے دور میں بھی ہمیں جو زعفرانی رنگ کا وجود ملتا ہے، وہ یقیناً اسی پتے کی دین ہوگا۔ اور کہیں نہ کہیں ہمارے تمام مذاہب کی جڑیں اسی زعفرانی رنگ سے پیوستہ ہیں"۔ وہ بڑے شائستہ انداز سے ہنسا۔

"آپ یقیناً یہ سوچنے میں حق بجانب ہیں کہ میں گفتگو کو طول دینے کا عادی ہوں۔ لیکن یہ بات اتنی صحیح نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پروفیشن میں لانے سے پہلے، آپ کے علم میں ساری باتوں کا آجانا بہت ضروری ہے"۔

وہ زعفرانی جوڑا پہنے، سنہری بالوں کا بے پناہ آبشار گرائے، دونو ہاتھوں کی خوبصورت ملائم ہتھیلیوں میں چہرے کا زعفرانی چاند رکھے رکھے بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"عود اور اگربتیوں سے آپ الرجک تو نہیں ہیں"؟ وہ اچانک ہی بولا۔ جواب سننا شاید اس کی فطرت میں نہیں تھا۔

"مجھے کم بخت یہ عارضہ ہے۔ سائی نس SINUS

AND YOU KNOW – THIS IS A LIFE PARTNER

YOU CANT AVOID IT A HORRIBLE BED PARTNER TOO

جی ہاں آپ اسے زندگی بھر کا ساتھی بھی کہہ سکتی ہیں۔ آپ اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتیں۔ ایک طرح سے بستر کا ساتھی بھی کہہ لیجئے۔ میں اسی لئے "بابا" بننے

کا اہل نہیں ہوں ۔ اور آپ جائیں جب تک "بابا" یا "بی بی" کے آس پاس خوشبودار دھنوئیں کے مرغولے نہ ہوں ۔ کچھ ۔ "کچھ" اُس نے اپنا بایاں ہاتھ بڑے اسٹائلش انداز سے ہلا کر کہا ۔ "کچھ بات نہیں بنتی"۔

دِل ۔ اُس نے ذرا دور جا کر مہتاب کا جائزہ لیا ۔ "اب آپ پرفیکٹ "بی بی" لگ رہی ہیں ۔ سنہرے بالوں کا گھیرا ۔ زعفرانی لباس ۔ آپ کی بغاوت پہ آمادہ آنکھیں!

وہ ہنسا ۔ "بابا یا بی بی کی آنکھوں میں ایک مخصوص قسم کا جلال ہونا ضروری ہے"۔

پھر وہ سنجیدہ ہوا ۔ غضب کے وقار کے ساتھ!

"اب آپ ایک بار پھر اپنا لائحہ عمل مرتب کر لیں ۔ سنئے ۔

آپ اپنی عقیدت مند خواتین سے کوئی بات نہیں کریں گی ۔ ویسے گالیاں دینا سودمند ثابت ہوتا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ چونکہ ایک مہذب خاتون ہیں اس لئے اسے پسند نہیں فرمائیں گی بہرکیف غصہ سے دیکھ لینا بھی کافی ہوگا ۔

پسی ہوئی شکر خوشبودار راکھ کے ساتھ، آپ کے قریب ہی رکھی رہے گی ۔ صرف ایک چٹکی آپ دیں گی ۔ MINDWELL ۔ صرف ایک چٹکی ۔ افراط قدر کھو دیتی ہے ۔

آپ کو نذرانے ملیں گے ۔ آپ قطعاً قبول نہیں فرمائیں گی ۔

"آپ کے قدموں میں لوگ جھکیں گے ۔ آپ انہیں ایسا نہیں کرنے دیں گی ۔ قابلِ سجدہ صرف وہ عظیم الشان ذاتِ پاک ہے، جس کے ہاتھ میں پوری خدائی ہے ۔

صندل کے دانوں کی تسبیح، ایک سدا آپ کے ہاتھ میں رہے گی ۔ دو تین گلے میں ۔ اس کے بغیر ایک بابا یا بی بی کا TOTAL IMPACT نہیں اُبھرتا ۔

آنکھیں ۔ آپ عموماً بند رکھیں گی ۔ کیونکہ یہ وہ جنگل خور کھڑکیاں ہیں جو سیدھی دل میں جا کر کھلتی ہیں ۔ اگر کوئی ان کے ذریعے آپ کے دل تک اتر گیا اور حقیقت جان گیا کہ آپ وہ سب کچھ نہیں ہیں جو بنا دی گئی ہیں تو معاملات بگڑ بھی سکتے ہیں ۔ کیونکہ ابھی

تک میں جو دیکھ رہا ہوں ۔ یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا دل دماغ ضرور میری ہدایات مانتے ہیں، لیکن آنکھوں نے ابھی تک میری باتوں کا احترام کرنا نہیں سیکھا ہے۔"

مہتاب اس کے لہجے کی سچائی پر ستٹ پٹا سی گئی ۔ بولی کچھ نہیں ۔ واقعی اُس کے دل میں اک کھٹک سی تھی!

"آپ کے آس پاس جو بھی دو تین HELPERS مددگار خواتین رہیں گی ۔ وہ میری ہدایات پر عمل کریں گی، آپ ان سے کوئی گفت وشنید نہیں کریں گی ۔ آپ کا کام صرف یہ ہوگا کہ بعض لوگ جو آپ سے اپنے ہاتھوں کی لکیریں پڑھوائیں گے، ان کا ہاتھ دیکھ کے ۔ لکیریں پڑھ کے صرف سر ہلا دیا کریں ۔ کبھی دائیں ۔ کبھی بائیں ۔ HELPERS ان لوگوں سے سوالات کر کے ماضی، حال، مستقبل کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات تو حاصل کر ہی لیں گی ۔ بس انہی جوابات کے پس منظر میں اُن کو مطمئن کر دیا جائے گا ۔ بعد میں ممکن ہے خداوند تعالیٰ ان کی کوئی دعا پوری کر ہی دے ۔ سارا کریڈٹ آپ کو جائے گا۔"

وہ مسکرایا ۔

"یہ تو میں نے آپ کو کچھ باتیں سمجھائی ہیں اب آپ مجھ سے خود بھی کچھ پوچھنا چاہیں گی ۔

جواب کا وہ کبھی انتظار نہیں کرتا تھا ۔

"کل سے ہمارا کام شروع ہو جائے گا ۔ آپ جس طرح چاہیں اپنا جی بہلا سکتی ہیں ۔ آپ پر کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہے ۔ آپ بہت سمجھدار ہیں اسی لئے میں نے پہرے بٹھانے کی حماقت بھی نہیں کی ہے ۔

کل سے دو دفعہ آپ عقیدت مندوں کو درشن اور دیدار دیا کریں گی ۔ سارے اخبارات میں ADS آچکے ہیں ۔ آپ نے بھی غالباً ۔ نہیں یقیناً دیکھے ہی ہوں گے ۔

فی الوقت — آپ ذہن پر بوجھ قطعاً نہ رکھیں — ابھی ہمیں اندازہ نہیں ہے کہ آپ کے روحانی کمالات کا کس طرح خیر مقدم ہوتا ہے — ممکن ہے دو ہی چار ۰ نوں میں آپ کی چٹکی یا پانی — مہتاب نے اُسے حیرت سے دیکھا —

"جی ہاں پانی — میں نے ویسے پلاسٹک کی دو ہزار بوتلیں منگوا کر ۰ دھلوا کر ، اس میں پانی بھروا دیا ہے — آپ کا دم کیا ہوا یہ کراماتی پانی ممکن ہے ، کسی کو شفا دے ہی دے ، لیکن پلیز آپ بوتل تھمانے سے پہلے " بسم اللہ الرحمٰن الرحیم " پڑھ کر ضرور پھونک دیا کیجئے — کیونکہ بہر حال میرا ایمان اور یقین کامل ہے کہ یہ صرف خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہی ہے جس کے حکم کے بغیر پتہ تک نہیں ہل سکتا — اور ہم محض دولت کی خاطر اگر یہ کھیل کھیل ہی رہے ہیں تو ریفری اُسی کو کیوں نہ بنایا جائے جو ہمیں یہ کھیل کھلانے پر اکسا رہا ہے —

"تم جیسے لوگ تو خدا کو بھی نہیں بخشتے "

اُس کی باتیں سنتے سنتے مہتاب کی آنکھوں نے کہا —

" آپ سوچ رہی ہوں گی کہ ہم جیسے لوگ خدا کو بھی نہیں بخشتے — آپ کا یہ اندازِ نظر صحیح نہیں ہے ، دیکھئے میری بات سنئے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے —

" میں انسان ہوں — اللہ کا حقیر بندہ — اور بندۂ خاکی ہی رہنا چاہتا ہوں — میں نہیں چاہتا کہ کوئی بھی کام ایسا کروں جس سے مجھ میں یہ کم ظرفی پیدا ہو جائے کہ میں سپر بم ہوں — میں نعوذ باللہ کوئی بڑی آسمانی طاقت ہوں — مجھے صرف دولت چاہیئے — خدائی نہیں — دیٹس آل " THAT S ALL

اخبارات ، انگلش ، ریجنل — مرہٹی — اردو — گجراتی سب اس کے سامنے ٹیبل پر پڑے ہوئے تھے — وہ ساری زبانیں نہیں پڑھ سکتی تھی تو بھی ان اشتہارات کے گرد سُرخ دائرے شوکت نے ڈال دیئے تھے کہ وہ دیکھ سکے —

ڈنکے سے دھوکہ بازی اور فریب دہی کا یہ سنگین تماشہ شروع ہو جائے گا۔"

ٹرن - ٹرن - ٹرن

ساتھ والے کمرے میں مسلسل فون کی گھنٹی بج رہی تھی کوئی اٹھانے والا نہیں تھا۔ غالباً کمرہ خالی تھا۔

مہتاب کے دل میں ایک خوشی اور امید کی لہر سی جاگی۔

"اس شخص نے مجھ پر بھروسہ کیا ہے۔ پہرے نہیں لگائے۔ فون بھی ساتھ والے کمرے میں موجود ہے میں کچھ نہ کچھ جدوجہد ضرور کر سکتی ہوں۔ لیکن پہلے مجھے اس فلیٹ کا، اور اس کے مکینوں کا جائزہ لینا ہوگا۔ شوکت نے کہا تھا کہ "میرا خاصا بڑا کاروبار ہے اسی طرح کا" وہ اس جملے پر کھٹکی تھی۔ "اسی طرح کا" سے کئی مطلب نکل سکتے تھے۔ "ناری سدھار گھر" میں رہ کر وہ دنیا کے بہت سے تلخ تجربات سے گذر چکی تھی۔ وہ اس میں اُجالا کی دل سے شکرگذار تھی۔ اب مہتاب یوں بھی سوچتی تھی کہ ایک بگڑا ہوا انسان اگر چاہے تو سچا REFORMIST بن سکتا ہے کیونکہ وہ ا۔ زندگی کے اتنے بگڑے ہوئے، اُلٹے سیدھے راستوں پر چل چکا ہوتا ہے کہ اس میں دوسروں کو گائیڈ کرنے کی بے پناہ صلاحیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اُجالا انہی میں سے ایک تھی۔ وقت نے اس کو بہت تھکا دیا تھا ورنہ اس میں ایک کامیاب ،ہبر بننے کی بے پناہ صلاحیتیں تھیں۔ مہتاب نے اس سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ کتنی ہی کھائیوں اور گھاٹیوں میں، وہ اس کے موجود نہ ہونے کے باوجود اسس کے مشوروں اور نصیحتوں کی وجہ بال بال بچی تھی۔

"I WILL ALWAY MISS YOU MY DEAREST DARLING"

وہ اجالا کو یاد کر کے بیحد اداسس ہو گئی تھی۔ جب اس کے ہاتھوں پر گرم

گرم آنسو گرے تو اچانک اُسے احساس ہوا کہ وہ اُجالا کو دنیا میں شاید سب سے زیادہ چاہتی ہے۔!!

فلیٹ شاید DUPLEX ڈیوپلکس تھا۔ بہت ہی وسیع و عریض۔ اوپر سیڑھیاں بھی جاتی تھیں۔

وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھتی اوپری حصے میں پہنچی۔

ایک کمرے سے چھنا چھن۔ چھن چھن آوازیں آ رہی تھیں۔ مہتاب کو اس بات کی خوشی تھی کہ اس کی زندگی سے حیرت نام کی چیز بالکل نکل چکی تھی۔ وہ ہر بات کو بے حد ایزی EASY لیتی تھی۔

کوئی لڑکی ناچ کی ریہرسل کر رہی تھی۔ آگے والے کمرے میں کچھ تلخ کلامی ہو رہی تھی۔ ایک آواز مظلوم تھی۔ دبی دبی، کچھ احتجاج کرتی ہوئی۔ ایک حکومت کرتی ہوئی۔ کرخت!

"آپ کو اگر پیسہ ہی چاہئے تو میں اُس کا بندوبست کر دوں گی۔ لیکن پلیز۔"

"پلیز کی بچی۔ تجھے ہزار روپے رات پہ چلانے کی بات ہو چکی ہے۔ کہاں سے لائے گی۔"؟

"میں یہاں کھانا پکا کے آپ لوگوں کی خدمت کیا کروں گی"۔ ....

"ہا ہا ہا۔ اری رانڈ۔ بھیجہ بیچ کے کھا پی کر بیٹھ گئی کیا۔ رنڈی کے گھر میں ہنڈی پکے گی۔؟ کسی بیسوا کے کوٹھے میں کچن دیکھا کبھی۔ چولہے جلتے اور ہانڈیاں بگھاری جاتی ہیں شریف گرہستنوں کے گھر میں۔ یہاں تو بس بازاری ہوٹلوں سے لفافوں میں پتلی میں وقت پر کھانا آیا اور کھا پی کے برابر۔ ہاں ....

وہ "ہاں" کو لمبا کر کے بولی۔ کبھی کبھار چائے وائے بنانے کے لئے چولہا جلا لیا سو جلا لیا۔ وہ بھی باہر والا دن میں جب منگاؤ کھولتی چائے کیتلی میں لے کر

گلاسوں سمیت موجود - پھر کس کو اتنی جھنجٹ پالنے کی پڑی کہ گھر میں لہسن پیاز کے بگھار کی بو سونگھتا پھرے -- ؟

لوگ بھی بازاری - کھانا بھی بازاری ....

"لیکن میں جو ہوں - سب کرنے تیار "

"اری تیرا جو کام ہے وہ کر -- ایک کریہہ سی گالی " گاہکوں کو سنبھال - پھر کہے گی بچہ بھی پیدا کروں گی -- ...

لڑکی کی آواز پھر دب ہی گئی - لڑکی کی آواز ہمیشہ دب جاتی ہے یا دبا دی جاتی ہے -- زن جو ہوئی -- زن -- زن -- زن - ساری دنیا جو پیستی ہے اسے - خود زن بھی زن کو پیستی ہے - یہ نائکہ جو ایک معصوم لڑکی پر ظلم کر رہی ہے اسے بھی شروع میں کسی عورت ہی نے زیر کیا ہوگا -

مہتاب نیچے اتر آئی -

بہر صورت شوکت کا کاروبار زر کا حصول تھا - اور اس زر کے حصول کے لئے اسے بھی اس مشین کا ایک پرزہ بننا تھا -

تمہاری خطا کیا تھی -- MEHTAAB JUNG

پوچھو ذرا کاتبِ تقدیر سے - کہاں کہاں پٹخی جاؤ گی -- ؟

ناری سدھار گھر میں وہ دوسروں کے غم سنتی تھی تو سوچتی تھی میرے غم تو بہت کم ہیں - اس کے غم بہت بڑھ گئے تھے -- " اگر تو اور کچھ نہیں کر سکتا نا اے کاتبِ تقدیر - تو میرے نصیبوں کا صبر کا حصہ ذرا اور بڑھا دے - اتنے دکھ میں اکیلی کیسے جھیلوں - اور جو جھیلوں تو برداشت اور صبر کہاں سے لاؤں - غالب نے خاصی بچکانہ بات کہی ہے مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں - مقدور ہو یا نہ ہو - نوحہ کرنے کے لئے صرف تمہارا دل تمہارے ساتھ ہوتا ہے -- اور کوئی

نہیں ۔ کوئی نہیں ۔

"بی بی" کی عقیدت مند خواتین سینکڑوں کی تعداد میں امڈی پڑ رہی تھیں ۔ گیارہ دن میں اس زبردست کامیابی کے بارے میں شوکت کے فرشتوں نے بھی سوچا ہو گا ۔

یہ بھی خدا کی دین ہی تھی کہ بی بی کی دی ہوئی چٹکی اور پانی سے بے حساب لوگ شفا پا رہے تھے ۔ زبردست MOUTH AND LIP پبلسٹی ہو رہی تھی ۔ بغیر پیسہ خرچ کئے ۔ بغیر کسی کوشش کے ۔

لوگوں کا ایک ہجوم بے کراں شوکت کے فلیٹ کے سامنے تانتا باندھے کھڑا رہتا ۔ اس میں نہ عورتوں کی تخصیص تھی نہ مردوں کی ۔ مذہب، ذات پات فرقے سب ایک مرکز پہ آکر مل چکے تھے ۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بی بی نے آج تک کسی سے ایک پیسہ تک وصول نہیں کیا تھا ۔ ایک لکڑی کا بکسا بس ENTRANCE کے پاس رکھ دیا گیا تھا ۔ جس میں ایک پتلی سی چار انچ کے قریب جھری کٹی ہوئی تھی ۔ جس کا جی چاہے، جو چاہے ڈال دے، کسی پہ دباؤ یا زبردستی نہیں تھی ۔

اکیسویں دن صندوق کھلا تو اس میں سے سونے کی چار زنجیریں اور چھ چوڑیاں بھی نکلیں ۔

نوٹوں کی تو کوئی گنتی ہی نہیں تھی ۔ چلتھر کی الگ بھرمار رہتی تھی ۔

شوکت نے کئی ہزار پلاسٹک کی بوتلیں اور بھی منگوالی تھیں ۔ دھو دھلا کے HELPERS نے صاف ستھرا پانی بھی بھر دیا تھا ۔

پتہ نہیں لوگوں کی کیا مرادیں پوری ہو رہی تھیں کہ مہتاب کا جینا دوبھر ہو گیا ۔ آرام چین سب خاک میں مل گیا ۔ آرام کی اُسے کوئی خاص حاجت تھی نہ چاہت ۔

لیکن وہ ایک LONER تھی۔ تنہائی پسند روح۔ اور وہ گھنٹوں اکیلی پڑی یا بیٹھی کچھ نہ کچھ سوچتی رہتی تھی۔

خیالات بہترین ساتھی ہوتے ہیں۔

سوچنا، سوچ میں ڈوبے رہنا اس کا محبوب مشغلہ تھا، جو ماضی کی داستان بنتا جا رہا تھا۔

شوکت کے مطالبہ کرنے پر گورنمنٹ کی طرف سے اس فلیٹ کے پاس پولس کا پہرہ لگا دیا گیا جہاں بی بی رہتی تھیں۔

اب یہ صرف اللہ کو معلوم تھا کہ کتنی عورتوں کی بچہ پیدا ہونے کی مراد وہ مالک سننے والا تھا۔ لیکن اس کا نتیجہ آتے آتے نو مہینے لگتے ہیں۔ ابھی ایک مہینہ ہی گذرا تھا۔ ممکن ہے کسی کسی کے ہاں شروعات بھی ہو چکی ہو۔ لیکن وہ ان سب جھمیلوں میں کیونکر پھنسی رہ سکتی تھی۔؟ مسلسل اتنے سارے لوگوں میں، سانسوں کی گھٹن میں مستقل عود اگر بتی کے دھوئیں میں، لوگوں کے ہجوم میں گھری رہنے سے اس کی صحت پر اثر پڑنے لگا۔ رنگ زرد پڑنے لگا، بھوک ختم ہوتی جا رہی تھی۔

شوکت کے پاس ہر بات کا حل موجود تھا۔ "آپ جانتی ہوں گی"۔ وہ اسی مہذّب لہجے میں اُسے CONVINCE کر رہا تھا۔ کہ "بابا لوگ کبھی ایک جگہ مستقل قیام فرما نہیں ہوتے۔ بھئی عقیدت مند تو دنیا میں ہر ہر جگہ موجود ہوتے ہیں اور ضرورت مند، مظلوم، دعاؤں کے مستحق، بیمار۔ لاچار، لوگوں کے لئے تو ہر جگہ ایسے اولیاء حضرات کو جانا ہی چاہیئے"۔ وہ سگریٹ کا کش لینے کو رُکا۔

"ہمارا اگلا پڑاؤ بوسٹن ہوگا امریکہ ... مہتاب نے اُسے ذرا غصہ سے دیکھا۔

"امریکہ میں بوسٹن صرف پہلا پڑاؤ ہوگا۔ لعد میں تو ظاہر ہے ہم پورے امریکہ کی خاک چھان ہی ڈالیں گے"۔

اس شخص کا بے پناہ سکون، اعتماد ٹھہراؤ خود مہتاب کے اندر ایک بے سکونی، ہلچل زور بے اعتمادی پھیلا دیتا تھا ـ وہ کہہ رہا تھا ـ

"امریکہ میں بھی آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، اس کا ذمہ ابھی سے میں لیتا ہوں ـ دراصل یہاں ہندوستان میں ہجوم بہت رہتا ہے ـ دیکھئے نا اب ہماری حکومت لاکھ کوشش کرے فیملی پلاننگ کبھی کامیاب نہیں ہو پائے گی ـ اسلام اور کرسچنٹی تو آوٹ آف کوئسچن ہیں ـ وہ سیدھے مذہب کو لے آتے ہیں کہ نہیں صاحب ہم خدا اور عیسیٰ مسیح کے ماننے والے بچہ کشی میں بلیو نہیں کرتے ـ اب رہ گئے ہندو اور دوسرے مذاہب کے لوگ ـ لیکن ان کی کوششوں سے کچھ ہونے جانے والا ہے نہیں"

وہ ہنسا ـ

"میں عرض یہ کر رہا تھا کہ امریکہ میں آپ کو ایسی بے پناہ وحشت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا ـ اور وہاں جا کر انشاءاللہ آپ کی صحت بھی سدھر جائے گی"

اُس نے ایک کتاب ٹیبل پر رکھ کر دوسری اٹھا لی ـ

"میں نے یہ بھی طے کیا ہے کہ آپ کو بھی امریکہ کی نیشنلٹی، سٹی زن شپ دلا دوں"

مہتاب بغور اس کی باتیں سن رہی تھی ـ

"اور اس کا ایک خوبصورت حل میرے پاس موجود ہے" اُس نے اطمینان سے اپنا خوبصورت حل پیش کرنا شروع کیا ـ

"آپ کو پتہ ہوگا کہ امریکی قانون میں یہ وسعت ہے کہ اگر وہاں کا نیشنل، لڑکی ہو یا لڑکا اگر باہر کے کسی بھی ملک سے شادی کر کے SPOUSE لے آئے تو AUTOMATICALLY اس لڑکی یا لڑکے کو بھی وہاں کی شہرت مل جاتی ہے ......

مہتاب کے ذہن کے جالے، وہ ساری دھند جواب تک اُسے تاریکیوں میں ڈبوئے ہوئے تھی، اچانک ہی چھٹ گئی ـ سائیں سائیں ـ اچانک زناٹے دار ہوائیں اُس کے

وجود کو تہس نہس کرنے لگیں۔

"میں آپ سے شادی کر لوں گا۔ تاکہ آپ کو امریکی قومیت مل جائے۔

"جیسے تمہیں آج سے برسوں پہلے مل گئی تھی مسٹر شوکت۔ مجھے دربدر کرنے والے۔

میری ممی کے قاتل۔ تم۔ تم ... مقصود پاشا......

نو۔ نو۔ مہتاب نو۔ اُس کے دل نے اسے سمجھایا۔ ٹیک اٹ ایزی۔ ریلکس۔

TAKE IT EASY – RELAX

یہ موقعہ نہیں ہے۔ ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے۔ ایک موقعہ ہوتا ہے...

انتظار۔ انتظار کرو۔ تم نے تو زندگی کے کتنے ہی خوبصورت لمحے انتظار کی نذر کئے

ہیں۔ کچھ مہلت اور سہی۔...

وہ بڑی مشکل سے اپنے کو سنبھال رہی تھی۔ وہ ہنسا۔ "شادی کے نام پہ آپ

خاصی ڈسٹربڈ ہو گئی ہیں۔ ویسے اسلام نے تو چار شادیوں تک کی اجازت دے

رکھی ہے۔ لیکن میں آپ سے ایمانیہ، عرض کرتا ہوں کہ اس شادی سے مجھے کسی

جسمانی بھوک یا طلب کی لالچ نہیں ہے۔

IT 'LL BE JUST A FORMAL MARRIAGE

میں یقین کر سکتا ہوں کہ آپ کو بادی النظر میں یہ ساری باتیں بڑی ہولناک نظر آ

رہی ہوں گی لیکن آپ خود سمجھ سکتی ہیں کہ امریکی شہری بن جانا آج ہر ہندوستانی اور

غالباً پاکستانی کا بھی۔ خواب اوّلیں ہے۔"

وہ غصہ سے بولی۔ "لیکن میرا خواب نہیں ہے یہ۔

I M PROUD TO BE AN INDIAN AND I WOULD

NEVER NEVER EVER LEAVE MY COUNTRY –

BE IT HEAVEN.

میں اپنے ہندوستانی ہونے پر فخر محسوس کرتی ہوں اور میں کبھی کبھی، کبھی بھی ہندوستان نہیں چھوڑوں گی بھلے اس کے بدلے جنت ملے "

وہ بڑی پختہ ہنسی ہنسا۔

"بچّی ہیں نا آپ ۔ اس لئے ایسا کہہ رہی ہیں ۔ اور اگر بچی نہیں ہیں تو اس لئے ایسا کہہ رہی ہیں کہ آپ نے امریکہ نہیں دیکھا"

"میں دیکھنا بھی نہیں چاہتی" وہ جل کر بولی ۔ "صرف اس وقت آپ سے ایک ریکوسٹ ہے ۔

PLEASE LEAVE ME ALONE. I WANT TO BE WITH ME ONLY

مجھے تنہا چھوڑ دیجئے ۔ اس وقت میں صرف اپنے آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں"

وہ کھڑا ہو گیا ۔ اور بہت نرم اور مؤدّب لہجے میں کہنے لگا ۔

"اس وقت چونکہ آپ بہت پریشان ہیں ۔ خاصی غصّہ بھی ہیں ۔ اور تنہا بھی ہونے والی ہیں ۔ اس لئے یقیناً آپ اُلٹے سیدھے پلان بنائیں گی کہ اس جگہ سے کیسے چھٹکارا حاصل کروں ۔ لیکن جیسا کہ میں آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہاں سے فرار کی ہر کوشش احمقانہ ثابت ہو گی ۔ پولس کی مدد لینے کا خیال چھوڑ دیجئے ۔ نیچے سے اوپر تک سبھی ہمارے دوست ہیں ۔ اور سچے دوست، دوستوں سے دغا نہیں کیا کرتے ۔ کئی موقعوں پہ کئی احمقوں نے یہ حماقت کی، لیکن ہو کچھ بھی نہ پایا ۔ بس زیادہ سے زیادہ چیف منسٹر تک شکایت کی جا سکتی ہے، لیکن کتنے لوگوں کے اتنے رسوخ ہوتے ہیں کہ اتنی اونچی جگہ پہنچ سکیں ۔ ؟ وہ مسکرایا ۔

"چیف منسٹر MEANS ہائی کمانڈ — اور آئی ایم شیور I'M SURE
کہ آپ جیسی لڑکی کی رسائی چیف منسٹر تو چھوڑیئے ایک معمولی ایم۔ پی یا ایم ایل اے
تک بھی نہیں ہو سکتی — کیونکہ آپ کو بہت کچھ کھو کر ہائی کمانڈ تک پہنچنا پڑے گا —

AND THAT IS OUT OF QUESTION!

"یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" وہ پتلون کی جیب میں سے ایک گڈی بڑے نوٹوں کی نکال کر اُسے دیتا ہوا بولا —

"امریکہ جانے کے لئے جتنی بھی اشیاء کی ضرورت ہو — آپ شاپنگ کو برقع اوڑھ کر خود بھی جا سکتی ہیں — میرے آدمی گاڑی میں بیٹھے رہیں گے — آپ ہر چیز خود بھی خرید سکتی ہیں"

ڈاکٹر رضا ہمدانی — آئی نیڈ یو —

I NEED YOU

اس کے دل کی گہرائیوں سے آواز آئی —

اُسے بیحد پُر سکون رہنا تھا —

مہتاب جنگ — زندگی نے تمہارے ساتھ ایک اور خطرناک چال چلی ہے — پُرسہ دینے، دلاسہ دینے کوئی بھی نہیں تھا — صرف وہی وہ BE BRAVE تھی — آج زخموں کے — کچے زخموں کے سارے ٹانکے اُدھڑ گئے تھے — اس کی پیاری ممی کا قاتل اس کے سامنے تھا — وہ کیا کرے — کدھر جائے —

زندگی نے اب تک اس کے ساتھ کیا انصاف کیا تھا؟ سوچوں کے قافلے در قافلے اس کے دل میں پڑاؤ ڈال رہے تھے —

"نہیں ہے میرے دل میں اتنی گنجائش" وہ دل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ پکڑ کر سنبھال رہی تھی —

اُس نے بڑی شائستگی سے راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی۔

"ابھی تک میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا، نہ آپ نے ہی جاننے کی کوشش کی کہ آپ کو اٹھوانے سے پہلے، آپ کی انگریزی زبان دانی کے بارے میں مَیں کیوں اتنا KEEN تھا۔" اُس نے توصیفی نگاہوں سے مہتاب کو دیکھا۔

"ظاہر ہے میرے ذہن میں پہلے سے ہی ایک مکمل خاکہ تھا۔ فارن مارکیٹ کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جب کہ وہاں اس قسم کی حماقتوں کے بہت زیادہ مواقع ہیں۔ لیکن وہاں زیادہ تر جیوتش ودیا سے کام لیا جانا چاہیئے۔"

اُس نے ٹیبل پر رکھی ہوئی تین چار کتابیں اٹھاکر اس کی طرف بڑھائیں۔

"یہ کیرو" ہے دنیا کا مشہور ترین پامسٹ۔ آپ اس پر چند ہی روز میں کمانڈ حاصل کرلیں گی یہ آپ کی ذہانت سے قوی امید ہے۔ اور آپ ZODIAC SIGNS کے بارے میں لنڈا گڈ مین کے مضامین کی یہ کتاب پڑھ لیں۔ یہی "ستاروں کے ہماری زندگیوں اور قسمتوں پہ اثرات"۔ آپ خود جان جائیں گی کہ آدھی جنگ تو آپ نے جیت ہی لی۔ اس نے ہاتھ بڑھائے رکھا۔ مہتاب نے کتابیں لینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ بغیر شرمندہ ہوئے وہ متانت سے کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔

"آپ دیکھئے نا۔ ستارے اور یہ چاند اور یہ سورج کتنے پاورفل ہوتے ہیں۔ بے جان سمندر پر جب چاند اس حد تک اثر انداز ہوسکتا ہے کہ لہروں کی وجہ سے LOW TIDES اور HIGH TIDES آتی جاتی رہتی ہیں تو انسان تو پھر انسان ہے......

مہتاب جب سے آئی اس کے دل میں ایک کھٹک تھی "کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ ایک پھانس! ایک چبھن۔ کیا؟ وہ بس اسی کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

کتنا ضروری ہوتا ہے ایک ساتھی۔ دل کے سارے زخم۔ سارے داغ۔ سارے گھاؤ جس کو بتائے جا سکیں۔

میرا تو کوئی بھی نہیں ـــ

کسے پکاروں ـ اور کب تک پکاروں ـ ؟

تلسی کو پانی چڑھاتے چڑھاتے اجالا بھجن گا رہی تھی ـ

کون گلی گئے شام سکھی ری
کون گلی گئے شام
جمنا تٹ پر دے کر ہائے برہا کا پیغام
کون گلی گئے شام سکھی ری کون گلی گئے شام
سانوری صورت پھر نہ دکھائی
مرلی کی آواز نہ آئی
کھوج کھوج کر تھک گئی ہیں تو
ملے نہیں گھنشیام ـ ملے نہیں گھنشیام سکھی ری
کون گلی گئے شام

اُجالا نے سر اُٹھا کر مہتاب کو دیکھا ـ

"پلیز اُجالا ـ پلیز اس وقت رُکنا نہیں ـ گاتی رہو ـ بھجن مجھے بے حد HAUNT کرتے ہیں ـ اور یہ تو سیدھا دل میں اتر جانے والا بھجن ہے ....

اُجالا درد سے مسکرائی ـ بولی کچھ نہیں ـ پھر سے گانے لگی ـ

برج ڈھونڈا برج راون ڈھونڈا
باہر ڈھونڈا ، آنگن ڈھونڈا
گوکل کی گلیوں نے پکارا لے کر لاکھوں نام

کھوج کھوج کر تھک گئی میں تو ملے نہیں گھنشیام

ملے نہیں گھنشیام سکھی ری . . . . .

گوکل کی گلیوں نے پکارا . . . .

بمبئی کی ہر ہر گلی نے پکارا ہے تمہیں۔ عمران کاشف احمد۔ صرف میں یہ نہیں گا سکتی کہ، سانوری صورت پھر نہ دکھائی۔

اس لئے کہ تمہاری صورت سانوری تھی سیندوری مجھے پتہ ہی نہیں۔ میں تمہیں کیسے کھوجوں میرے سانورے شیام . . . . .

اُجالا تلسی کی ایک پتی توڑ کر چبا رہی تھی۔

"میں بھجن گاتی بھی ہوں نابی بی، تو بھی میرے دل کو نہیں چھوتے" وہ بڑی اُداسی سے کہہ رہی تھی۔

"کیوں بھلا۔ اتنی گہرائی سے گاتی ہو کہ میرا دل رونے کو کرتا ہے اور تم کہتی ہو دل کو نہیں چھوتے۔

"نہیں بی بی وہ بات نہیں۔ میرا گھنشیام تو کھویا ہی نہیں تھا نا جو اُسے کھوجنے کی نوبت آتی۔ آتما سے لے کر شریر تک کے سارے فاصلے اور دوریاں پاٹ کر وہ تو لوٹ کر چلا گیا نا۔ اوپر سے ہتھیاری بھی بنا گیا" . . . .

مہتاب کیا جواب دیتی۔ اُجالا خود ہی کہہ گئی۔ "اس سے اچھا تو وہ روگ تھا جو میرا کو چاٹ گیا۔ گردھر گوپال کم سے کم پاکھنڈی تو ثابت نہیں ہوئے نابی بی"

میرا اور گردھر گوپال کا فلسفہ مہتاب کے کبھی پلے نہیں پڑا۔ PLATONIC عشق کی وہ قائل نہیں تھی۔ ہر چند کہ اس کی زندگی میں ابھی تک کسی مرد کا دخل نہیں تھا۔ لیکن اُس نے جب بھی GREEK GOD پلاٹون کے بارے میں پڑھا کہ اس نے ساری زندگی صرف اپنی محبوبہ کو دیکھتے دیکھتے ختم کر دی اور یوں دنیا میں

PLATONIC - LOVE کا وجود ہوا تو اُس نے یہی سوچا کہ

IT IS SOME THING STUPID

محبت جو ہے وہ یقیناً ALL BODY AND SOUL ہے۔ وہ محبت والے ملیں گے نہیں تو سنہری بالوں، چھوٹے چھوٹے گالوں اور نیلی نیلی آنکھوں والی گڑیائیں کیسے وجود میں آئیں گی۔؟ وہ بچوں کے لئے دنیا میں کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اس نے ایک بار بڑی بے حیائی سے مغلانی اماں سے کہا تھا۔

"اماں۔ اگر میں ماں نہیں بن سکی نا تو دنیا بھر کے سارے میٹرنٹی ہومس کے اردگرد، دنیا بھر کے سارے چلڈرن پارکس کے اردگرد اور ہر اُس جگہ جہاں بچے رہتے ہیں، میری روح مرے بعد بھی چکر لگایا کرے گی۔۔۔۔"

"اے ہے بی بی کیوں ایسی ہولناک باتیں کرتی ہو۔ کیوں ایسا سوچتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد سے نہیں نوازے گا۔"؟

اور یہ بھجن۔ جس میں صرف دو ریاں تھیں۔ جس میں کھوج کھوج کر تھک جانے کی پکار اور فریاد تھی۔

وہ کس بنیاد پر عمران کاشف کو کھوجے؟ اتہ پتہ نشان۔ صورت، حلیہ۔ کچھ کچھ بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ صرف ایک نام تھا۔ نام! وہ جب سے "بی بی" بنائی گئی تھی۔ بے حساب لوگ جھکی اور ریانی لینے اس کے در پر آ رہے تھے۔ HELPERS عورتوں کی اُس نے ڈیوٹی لگا دی تھی کہ ہر مرد کا نام پوچھ لیا کریں۔ حالانکہ شوکت نے اسے بات کرنے کی مناہی کر رکھی تھی۔ لیکن وہ اپنے طور اپنی کوشش اپنی کھوج جاری رکھنا چاہتی تھی۔

امید کا ایک تھر تھراتا چراغ اس کے دل میں روشن تھا۔

"ممکن ہے جس طرح وہ خود عمران کاشف کے لئے تڑپتی رہتی ہے۔

اسی طرح وہ بھی تڑپتا ہو اور کسی بھی ولی، بزرگ، اللہ والے، اللہ والی کے یہاں تڑپ کر حاضری دیتا ہو کہ مجھے میری بچھڑی دلہن سے ملا دے "۔

لیکن کسی بھی آدمی کا نام عمران کاشف احمد نہیں تھا۔

وہ پہلے بھی تنہا تھی۔ آج بھی تنہا تھی۔

اُس نے ایک پرندے کے بارے میں پڑھا تھا۔ اس کے حلق سے ایک ایسا راگ نکلتا تھا جس میں وہ خود جل کر راکھ ہو جاتا تھا۔ اُسے یقین تھا اپنے آنسوؤں میں وہ خود بہہ جائے گی۔

میرا تو کوئی بھی نہیں۔

کسے پکاروں۔۔؟ کسے ؟!

"ہے! ایک شخص ہے مہتاب جنگ۔ ہر بلندی سے اونچا، ہر جذبے سے پاک۔ مذہب اجازت دیتا تو جس کی پوجا جائز تھی۔ جو اپنی خاموش اور بے لوث محبت سے تمہارے دِل میں وہ مقام حاصل کر چکا ہے جو آسمانوں سے بھی اونچا ہے۔

اور جس کی پہنچ خود بھی دنیاوی آسمانوں تک ہے۔! ہائی کمانڈ۔!

کس یقین سے کہہ گیا ہے وہ بہروپیا۔ اور ہر کس و ناکس کی پہنچ تو چیف منسٹر تک نہیں ہو سکتی نا۔؟ چیف منسٹر MEANS ہائی کمانڈ "

وہ اپنے آپ میں بلبلائی۔

I WILL SHOW YOU MR SHAUKAT WHERE YOU ARE AND WHAT YOU ARE?"

"میں تمہیں بتا دوں گی مسٹر شوکت کہ تمہاری اوقات کیا ہے اور تم کیا ہو۔؟ نام بدلنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ آج تم شوکت ہو، پتہ نہیں پہلے کیا تھے۔ اور اس سے بھی پہلے کیا تھے لیکن مجھے تمہاری وہ تصویر یاد آ گئی جو مشاطہ یوسف بی لائی تھیں

اور منگلانی اماں نے مجھے لاکر بتا دی تھی ۔

"بی بی ۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مجسّم کی حدیث مبارک ہے کہ شادی سے پہلے لڑکی، لڑکے کو ایک دوسرے کو بتا دیا جائے ۔ اب ہمارا آج کا معاشرہ اس کی اجازت نہیں دے سکتا تو کم سے کم بیٹا تم اپنے ہونے والے شوہر کی تصویر ہی دیکھ لو ۔"!

اور یہی کھٹک اسے جب سے یہاں آئی چین نہیں لینے دیتی تھی کہ اس شخص کو کہیں نہ کہیں دیکھا ضرور ہے ۔

اور آج سارے پردے اٹھ گئے تھے ۔ اس شخص نے تلوار یا بندوق سے نشانہ باندھ کر ممی کو قتل نہیں کیا ۔ لیکن گرین کارڈ ہولڈر لڑکی سے شادی کرنے کی لالچ میں ایک معصوم کو بے سہارا چھوڑ کر جو تباہی پھیلائی وہ سارے خاندان کی بربادی کا باعث بن گئی ۔ اتنا بہیمانہ قتل کوئی نہیں کر سکتا تھا ۔

"تمہارے اڈے پر پولس کا چھاپہ پڑے گا مسٹر شوکت ۔

"تمہارے اڈے سے مظلوم لڑکیاں پکڑی جائیں گی ۔"

" لوگوں کو معصوم انسانوں کو عقیدت مند بنا کر اُن سے دولت لوٹنے کے جرم میں تمہارے ہاں ریڈ پڑے گی ۔"

میں ۔ ! میں کورٹ میں گواہی دوں گی کہ تم نے مجھے حبسِ بیجا میں رکھا اور میری سانسوں کو گھٹن بخشی ۔"

اتنا بھی اندھا راج نہیں ہے مسٹر شوکت ہندوستان میں ۔ آج بھی پولس میں ایماندار آفیسر ضرور ہوں گے ، جن کے ضمیر اُن کی جیبوں میں قید نہیں ہیں ۔ جو اوروں کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں سمجھتے ہوں گے اور اپنے اپنے عقیدے کے مطابق، اللہ، بھگوان اور حبیب کے آگے سر جھکاتے ہی ہوں گے ۔

اور تم زندگی بھر جیل میں سڑو گے۔"

"تمہیں ریڈ کا شوق تھا نا۔؟ اب بھگتو۔"

اُس نے دھڑ دھڑ دھڑکتے دل کے ساتھ اِدھر اُدھر دیکھا۔ سا تھ والا کمرہ خالی تھا۔ اُس نے دھیرے سے دروازہ بند کیا۔

۵۳۲۲۲۲۔ اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ ابھی ابھی اُدھر سے ایک بھاری، مہذب اور شائستہ آواز آئے گی۔

"ہلو۔"

اس کے احسانوں کے بوجھ تلے وہ اور جھک جائے گی۔ لیکن وہ اُس جھکنے پر شرمندہ نہیں ہوگی۔

۵۳۲۲۲۲۔

وہ گھبرا گئی۔ لائن مسلسل انگیجڈ آ رہی تھی۔ کیا کرے۔ کسے پکارے۔

"ایک نام اور بھی ہے مہتاب جنگ۔ وہ بھی کم بلند انسان نہیں ہے۔ اس شخص نے بھی گندگی بھری دنیا میں تمہارے ساتھ کوئی غلط اور گندی حرکت نہیں کی ہے صرف زبانی اپنی داستانِ عشق سنائی ہے۔ سو وہ عمر کا تقاضہ ہے۔ رِنگ نہیں کرو گی اُسے۔؟

اُس نے دھڑکتے دل کے ساتھ نمبر ملایا۔

۵۷۸۲۶۳۔

ٹرن۔ ٹرن۔ ٹرن۔ گھنٹی مسلسل خالی جا رہی تھی۔ تھینک گوڈ۔ لائن انگیجڈ نہیں ہے۔ گھنٹی مسلسل بج رہی ہے۔ اتنا بڑا بنگلہ ہے فون تک آتے آتے بھی ٹائم لگ سکتا ہے نا۔"

اک دم کسی نے فون اٹھالیا۔ آواز میں کافی بے چینی تھی۔

"ہلو۔ ہلو۔

مہتاب نے ادھر سے دھیرے سے پوچھا۔

"کون بول رہے ہیں آپ۔"؟

اُدھر سے جواب آیا۔" آپ نے ۵۷۸۲۶۳ ہی ملایا ہے نا۔"؟

"جی ہاں"۔ مہتاب نرمی سے بولی۔ "آپ کون صاحب بول رہے ہیں"۔

"عمران کاشف"۔ اُدھر سے ایک پریشان سی آواز آئی۔

عمران کاشف۔ مہتاب لرز گئی۔

عمران کاشف!!!

صدیوں کی تلاش اور کھوج کا حاصل۔ ایک نام۔ عمران کاشف!

وہ میدانِ حشر میں کھڑی تھی۔ اتنا شور پکار اُس نے اس دنیا میں تو کبھی نہیں سنا تھا۔ یقیناً وہ کوئی ا[illegible]۔ وہ کہاں تھی۔ کون تھی۔ کیوں تھی۔ ہر سوال اس کے آگے بے معنی تھا۔

کمرے میں بے پناہ خاموشی تھی۔ اُس نے ڈوبتے ابھرتے۔ ابھرتے ڈوبتے، اپنے جسم کی ساری طاقتیں سمیٹ کر، بڑی مشکل سے پوچھا۔

"عمران کاشف۔؟ انجنیئر۔ گولڈ میڈلسٹ۔

ائی۔ کے۔ احمد۔ ایکسپورٹرز۔"؟

ادھر سے پریشانی اور جھلاہٹ سے بھری آواز سنائی دی۔

"محترمہ آپ کو جو بات بھی کرنی ہے جلد کیجئے اور پلیز فون کو فری کیجئے۔ جی ہاں میں ہی عمران کاشف ہوں۔ انجنیئر ہوں۔ گولڈ میڈلسٹ ہوں۔ آئی۔ کے۔ احمد ایکسپورٹرز کا اونر ہوں۔ اصل میں میری ایک عزیزہ کھو گئی ہیں، اُن کے فون کے انتظار میں۔ میں دن رات فون سے لگا بیٹھا رہتا ہوں کہ شاید کہیں سے کوئی خبر

آجائے ۔ میں بدتہذیبی کے لئے معافی چاہوں گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مہتاب نے بڑی مشکل سے سنبھال کر سنبھل کر بات پوری کی ۔

"احمد صاحب میں مہتاب ۔ میں ہی مہتاب بول رہی ہوں ۔ پلیز یہاں کا فون نمبر جلدی سے نوٹ کریں میں بہت پریشانی میں ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

عمران چلایا ۔ "تابی" پلیز جلدی سے فون نمبر نوٹ کریں ۔ ۲۹۰۱۲۸ اس نے عمران کی بات کاٹ دی ۔

ڈاکٹر رضا ہمدانی سے مدد لیجیئے ۔ بہت بڑا گینگ ہے ۔ ریکٹ ہے ان لوگوں کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دھڑ ۔ دھڑ ۔ دھڑ ۔ باہر سے کوئی دروازہ بری طرح سے پیٹ رہا تھا ۔

"جلدی آیئے گا پلیز ۔ پھر سے سنئے فون نمبر ۲۹۰۱۲۸ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے ۔ دل اندر ہی اندر کہیں ڈوبا جا رہا تھا ۔ شاید وہ مر رہی ہے ۔ نہیں وہ مر کیسے سکتی ہے ۔ اب تو اس کی بہاروں بھری زندگی کی شروعات ہوگی ۔ پھر یہ دل اندر ہی اندر ۔ ۔ ۔ ۔ یہ اندھیرا کیسا ہے ۔ میں کیا جانوں موت کیسی ہوتی ہے ۔ میں کیا کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ مرتے وقت کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور موت کیسی ہوتی ہے ۔ مجھے کیا ۔ کوئی آئے ، دروازہ کیوں دھڑ دھڑ کر رہے ہیں لوگ ۔ شاید ملک الموت ہے ۔ کیا وہ دروازے سے ہی داخل ہو سکتا ہے بس ۔

دروازہ اُٹھ کر کھول دوں ۔ ؟ ؟

میرے تو پاؤں ہیں ہی نہیں ۔ اور آنکھیں بھی نہیں ہیں ۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ نہ پاؤں نہ ہاتھ ۔ نہ آنکھیں ۔ بس اندھیرا ہے میرے پاس ۔ ۔ ۔

اور وہ اندھیروں میں غائب " ۔

اُس نے آنکھیں کھولیں تو ماحول پہچاننے میں صدیاں لگ گئیں ۔

یہ ممی ہیں ۔ نہیں امی ۔ اس کی ممی تو کتنے زمانے ہوئے مر چکی ہیں ۔ امی ایسی چپ چپ کیوں ہیں ۔ ؟

یہ فرح باجی ہیں ۔ ذرا نہیں مسکرا رہیں ۔

یہ ڈاکٹر رضا ہمدانی ہیں ۔ اتنے اداس کیوں لگ رہے ہیں ۔

یہ مراد صاحب ہی ہیں نا ۔ لیکن بڑے سنجیدہ سے لگ رہے ہیں ۔

اور یہ ۔ اور یہ ۔ یہ کون ہے ؟

یہ عمران کاشف ہے نا ۔ میری زندگی کی روشنی میری صبحوں کا نور ۔ میری راتوں کا اُجالا ۔ یہ میرا چاند بھی ہے ۔ سورج بھی ۔ میرا آسمان بھی ۔ اس کے زیر سایہ میں خود کو اب کس قدر محفوظ پُرسکون اور مطمئن سمجھوں گی ۔

عمران کاشف میں پہلے سوچا کرتی تھی ، اپنے آپ کو جتایا کرتی تھی کہ ایک دن میں تمہیں کھوج نکالوں گی ۔ تمہیں زندگی کھو کر بھی تلاش کروں گی اور جب تم مل جاؤ گے نا تو ! I will kill you میں تمہیں مار دوں گی ۔ جان سے مار دوں گی ۔ تم نے مجھے دھوکا دیا تھا نا ۔ جلا کر ، داغ دے کر بھاگ کر ہاتھ چھڑا کر چلے گئے تھے نا ۔ ؟ اسی لئے میں تم سے ناراض تھی ۔ لیکن اب ۔ اب کوئی پوچھے تو ہی میرے امنگوں بھرے دل سے کہ تم میرے لئے کیا ہو ۔ ؟ دنیا کی سب سے انمول اور پیاری شے ۔ ہائے میں مر ہی جاؤں جو تمہارے بارے میں کچھ اُلٹی سیدھی سوچوں ۔

میں تمہیں کیسے مار سکتی ہوں ۔ میں خود جو تم پہ مرتی ہوں ۔ !

آج جگنوؤں میں چمک ہے ۔ ستاروں میں روشنی ہے ۔ آج کاتبِ تقدیر سے کوئی گلہ نہیں ہے ۔ کوئی شکایت نہیں ۔ . . . . اُس نے تھکان سے چور پھر آنکھیں بند کر لیں ۔

یہ کس کی چھری تھی جو اس کے دل پہ گری ۔ یہ کیسی کاٹ تھی ۔ ابھی ابھی اُس نے

کیا سُنا۔ کیا یہ امیؔ کی آواز تھی۔ تاسف بھری۔

"طوائفوں کے کوٹھے سے برآمدگی ہوئی ہے۔ طبیعت سنبھلتے سنبھلتے دن لگ جائیں گے۔۔۔۔

مہتاب بی بی۔ "ناری سدھار گھر" کی چھاپ، کلنک کا ٹیکہ بن کر۔۔۔۔

اور اب یہ طوائفوں کے کوٹھے سے میری بازیابی۔۔۔

کیا میں اس گھرانے کی بہو بنکر قبول نہیں کی جاؤں گی۔۔؟

عمران جھلّا کر بولا۔ "ممیؔ پلیز۔ وہ ابھی ابھی ہوش میں آئی ہے۔ ابھی غنودگی ہے۔ اگر اس نے ایک آدھ بات سن لی تو ذہن پر بڑے اثرات پڑیں گے۔۔۔۔

ماں کی آواز۔ ڈاکٹر صاحب۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ لیڈی گائنا کولوجسٹ سے معائنہ کرانا پڑے گا"؟!

یہ لہجوں کی بے اعتباری اُسے مار ڈالے گی۔ " مجھے زندہ رہنے دیں۔ خدا اور اس کے رسولؐ کا واسطہ۔ میں نے بڑی بھیانک زندگی کے بعد یہ جگمگاتی صبح دیکھی ہے۔ کون اس روشنی میں گہن لگا رہا ہے"؟

ڈاکٹر رضا کی غصہ بھری آواز۔

"میں سمجھتا ہوں۔ مریضہ کے کمرے سے ہم لوگوں کو نکل جانا چاہیئے۔ میرا مشورہ ہے BEING ایک ڈاکٹر۔ مریض کے لئے یہ لمحے بہت تباہ کن ہوتے ہیں جب وہ مدتوں بعد ہوش میں آ رہا ہو اور اُسے ایسی باتیں سننے کو ملیں"۔!

"مدتوں بعد؟ میں کتنے دنوں بعد ہوش میں آئی ہوں۔؟ کوئی مجھے کچھ نہیں بتاتا۔ عمران اب تو میں تمہاری ذمہ داری ہوں نا۔ مجھے کچھ بتاؤ نا"۔۔۔۔

عمران ڈاکٹر رضا سے بات کر رہا ہے شاید۔ اُس کی آواز غم اور فکر سے بوجھل ہے۔

ڈاکٹر صاحب۔ اگر آپ کہیں تو میں بڑے سے بڑے ہاسپٹل کے اخراجات برداشت کرنے کو تیار ہوں لیکن کیا یہیں رکھنا مناسب نہیں رہے گا۔"؟

اس کی آواز میں امید کے چراغ روشن ہیں۔ وہ چاہتا ہے ڈاکٹر رضا کہدیں کہ "نہیں۔ یہیں رکھنا مناسب رہے گا" تاکہ میں اس سے دور نہ چلی جاؤں ڈاکٹر رضا کہہ رہے تھے۔

"پانچ دنوں کے بعد اب ہوش میں آئی ہیں۔ آپ انہیں یہاں سے ہلائیں بھی نہیں۔ دماغ پہ ذرا بھی زور نہ ڈالنے دیں اور۔۔۔

عمران کے لہجے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی ہے۔" او کے ڈاکٹر صاحب۔ آئی مائی سیلف وِل ٹیک ہر کیر۔ I MY SELF-WILL TAKE HER CARE

میں اس کی پوری نگہداشت اور خبر گیری کروں گا۔"

لیکن گھر میں خواتین بھی تو ہیں۔ یہ بات تو اُن میں سے کسی کو کہنی چاہیئے تھی نا۔ کیا میں نظروں سے گر گئی ہوں۔ گندی ہو گئی ہوں ان کی نگاہوں میں۔ ہاں مجھے یاد آ رہا ہے۔ اُس فلیٹ پہ گندہ کاروبار بھی تو ہوتا تھا۔۔۔ اخباروں میں بھی خبریں چھپی ہوں گی نا۔ یا ڈاکٹر رضا نے اپنے رسوخ سے کام لیتے ہوئے خبریں KILL کروادی ہوں گی۔ پتہ نہیں۔ پانچ دن تو بہت لمبی مدت ہوتے ہیں۔"

"میرا معائنہ کیوں کروانا چاہتے ہیں یہ لوگ۔"؟ کیا میں پاکیزہ نہیں رہی۔ یہ سوچ رہے ہیں یہ لوگ۔؟ لیکن مجھے تو پتہ ہے کہ میرا رواں رواں پاکیزہ اور مقدس ہے۔ میں صرف اپنے عمران کے لئے بنی تھی اور اسی کے لئے ہوں اور اُسی کے لئے رہوں گی۔ اے اللہ او گوڈ SW AR UPON YOU I میں تیری قسم کھاتی ہوں کہ میں نے آج تک کسی غیر مرد کے بارے میں سوچا تک نہیں۔ حد یہ کہ خود عمران کے سامنے ہوتے ہوئے اس کے بارے میں بھی نہیں۔ کیونکہ اس وقت

تک مجھے کیا معلوم تھا کہ یہی میرا عمران ہے۔ وہ تو میرے لئے غیر تھا۔ لیکن اب۔؟
اب مجھے پھر سے ڈر محسوس ہو رہا ہے۔ عمران کے لہجے میں پیار ہی پیار گھلا ہے۔
لیکن فضا میں ایک تناؤ ہے۔ کیا عمران مجھے چھوڑ دے گا۔ اپنی ممی اور بہنوں کے دباؤ
میں آکر۔۔۔۔

اُس نے تھک کر آنکھیں بند کی تھیں۔ اندرونی خلفشار سے گھبرا کر پھر آنکھیں
کھول دیں۔

ڈاکٹر صاحب۔ امی ڈاکٹر رضا سے مخاطب تھیں۔ "اگر آپ کے کلینک میں
علاج ہو سکتا ہو تو ہم وہیں شفٹ کروا دیں۔ آپ کی چوبیس گھنٹوں کی نگرانی رہے گی۔۔۔۔

"تاکہ ڈاکٹر رضا ہمدانی مجھے سمیٹ لیں اور یوں عمران بچ جائے"۔ مہتاب نے
کرب سے سوچا۔ امی کی بات ختم نہیں ہوئی تھی۔ "پھر وہاں نرسیں بھی ہوں گی۔
یہاں تو یہ ہے کہ فرح اپنے گھر کی اور میں خود بیمار۔۔۔۔

"ممی۔ عمران کی آواز میں بےحد غصہ بھرا تھا، لیکن اس نے ممکنہ حد تک نرمی سمو
کر انہیں مخاطب کیا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے عزم ٹپک رہا تھا۔

"تابی کے لئے میں کافی ہوں۔۔۔۔

ڈاکٹر رضا نے بہت ضبط کے ساتھ عمران کی طرف دیکھا۔

"تارے ٹوٹتے ہیں تو سبھی کی نگاہ آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہے۔ خداوند تعالیٰ
کی کیسی عظیم مہربانی ہے کہ دل کو اس نے اس قدر اندر رکھا ہے کہ کسی کی نظر نہیں پڑ سکتی۔
ٹوٹ کے، کرچی کرچی ہو کر بکھر بھی جائے تو کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ چلنا بھی نہیں چاہیئے۔
یہ آبگینے ہیں ان کو سنبھال کر رکھو۔ یہ کرچیاں ہیں محبت کی۔ انہیں اٹھا کر سلیقے سے
رکھ دینا۔ ویران گھروں میں کیا سجاوٹ نہیں کی جاتی۔ کم آن۔ بی اسپورٹ ڈاکٹر
رضا ہمدانی"۔

انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو روکے۔

ڈاکٹر رضا ہمدانی نے بہر حال اپنی محبت اور خلوص کے پیش نظر ایک نرس اپنے پالی ہل کلینک سے بھجوادی تھی۔

جس وقت نرس پہنچی ہے، عمران اور بیگم کامران مہتاب کے کمرے میں ہی تھے۔

"جی۔ وہ نگاہوں کے سوال کے جواب میں بولی" مجھے ڈاکٹر رضا ہمدانی صاحب نے بھیجا ہے۔ اُن کی کوئی پیشنٹ یہاں ہیں مس مہتاب جنگ۔۔۔؟

"اُن کی پیشنٹ"!! بیگم کامران کے چہرے پر ایک ناگوار سا رنگ آ کر گزر گیا۔

"مس مہتاب جنگ۔؟ ام آئی رائٹ۔"؟ نرس ابھی تک اپنے سوال کے جواب کی منتظر تھی۔

" او۔ یس۔ عمران ہڑبڑا کر اٹھا" یو آر رائٹ۔ آیئے آیئے سسٹر۔ یہ ہیں مہتاب جنگ! لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہم لوگ بخوبی ان کی دیکھ بھال کر لیں گے ۔ وہ پریشانی کے باوجود اخلاقاً مسکرایا۔

"آپ نے اور ڈاکٹر صاحب نے خواہ مخواہ ہی تکلیف کی"

"نہیں" نرس آگے بڑھ کر مریضہ کے پلنگ تک آتی ہوئی بولی۔ تکلیف کی کیا بات ہے۔ یہ تو ہمارا دھرم بھی ہے اور پروفیشن۔۔۔

اک دم اس کی نظر مہتاب کے چہرے پر پڑی۔ اُس نے موجود سارے لوگوں کو باری باری کچھ پریشان سا ہو کر دیکھا اور پھر مہتاب سے ہی مخاطب ہو کر پوچھا۔

"بی بی صاحبہ۔ آپ۔؟ آپ یہاں۔"؟

چونکنے کی باری بیگم کامران کی تھی۔

"آپ انہیں جانتی ہیں سسٹر"؟ انہوں نے تلخ سے لہجے میں پوچھا۔

"ارے انہیں کون نہیں جانتا میم صاحب۔ یہ تو بی بی صاحبہ ہیں۔ چیکی،

پانی والی۔ساؤتھ بمبئی میں تو ان کے نام کی اس قدر دھوم ہے کہ پوچھئے مت۔" اس کی آواز میں عقیدت اُبھر آئی اور میں ساؤتھ نارتھ ایسٹ ویسٹ کی کیا بات ملے بیٹھی۔سارے بمبئی میں جس جس کو بھی بی بی کی چٹکی پانی سے فائدہ ہوا ہوگا وہ جیون بھر ان کے اُپکار کو یاد رکھے گا"

وہ پلنگ کے اور قریب مارے عقیدت کے پہنچ کر مہتاب کے پیروں کو چھوتی ہوئی بولی۔

"ان چرنوں کے نیچے کی دھول لینا بھی پنیہ ہے۔میرے بچے کو کسی دوا دارو سے فائدہ نہیں ہوتا تھا۔کہاں کہاں علاج نہیں کروائے، خود ہمارے ڈاکٹر رضا ہمدانی"... اُس نے بات میں وزن پیدا کر نے سب کو دیکھا اور پھر بیگم کامران سے مخاطب ہو گئی۔

"کتنا ساتھ دیا ہمارے ڈاکٹر صاحب نے، بھگوان اُن کا بھلا کرے۔پر نتو فائدہ ہوا تو بس بی بی صاحبہ کی چٹکی۔پانی سے...

بیگم کامران کبھی نرس کو دیکھتیں، کبھی مہتاب کو، کبھی اپنے بیٹے کو۔ان کی عقل میں کوئی بات نہیں سما رہی تھی۔اور سما بھی نہیں سکتی تھی ڈاکٹر رضا ہمدانی نے اپنے رسوخ سے کام لیتے ہوئے خبر کا ایک بڑا CHUNK بہت بڑا حصہ KILL کروا دیا تھا اور مہتاب کا تو نام ہی کہیں پیپرز میں نہیں آیا تھا۔بیگم کامران نے اگر اخبار پڑھے بھی ہوں گے تو انہیں یہ تفصیل کیسے معلوم ہو سکتی تھی کہ جس گینگ کو پکڑا گیا اور جس ریکٹ کا بھانڈا پھوڑا گیا اس کی MAIN CHARACTER۔مرکزی کردار مہتاب ہی تھی۔

مہتاب نے نرس کی باتیں زندگی اور موت کے کسی وقفے میں سنیں۔اس کے حواس زندہ تھے پھر بھی یہ باتیں سن کر اُسے لگ رہا تھا کہ وہ اب زندگی کی حدوں سے نکل کر موت کی وادیوں میں بھٹک رہی ہے۔"میں۔میں..... زندہ

ہوں نا"؟ اُس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

"یا میں مر گئی ہوں"؟ یہ سوال بھی اُس نے اپنے آپ ہی سے کیا۔
امی کے چہرے پہ کیسے تاثرات ہیں۔!! وہ مجھے کس قدر دھوکے باز اور ریاکھنڈی سمجھ رہی ہیں یہ اُن کے چہرے سے عیاں ہے۔ وہ ایک ایسی لڑکی کو بہو کے روپ میں قبول کر لیں گی جو پہلے ہی "ناری سدھار گھر" سے آئی تھی۔ کچھ ہی ہفتوں بعد اُن کے بنگلے سے اچانک غائب ہو گئی اور ملی تو کہاں سے۔؟ طوائفوں کے کوٹھے سے۔ اور اب یہ نرس انہیں بتا رہی ہے کہ میں "بی بی" بھی تھی۔ لوگوں کو دھوکے دیتی تھی۔ لوگ جنہیں اللہ نے فائدہ دیا، بھلے مجھے دھوکہ باز نہ سمجھیں، لیکن امی تو سوچنے میں حق بجانب ہوں گی نا۔"؟

اُس نے کراہ کے آنکھیں کھولیں۔ ماحول کو ٹنس پایا تو پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔

"اب میں اس انداز سے سوچتی ہوں۔ اگر میں اُس سچویشن میں ہوتی۔ مانے لیتی ہوں فرح باجی کی جگہ ہوتی اور اپنے بھائی کے لئے لڑکی پسند کر رہی ہوتی۔ تو کیا ایسی لڑکی کو بھابی کا درجہ دے دیتی جو اتنے مراحل سے گذری ہو۔۔؟ ؟ آف کورس ناٹ۔ یقیناً نہ دیتی"۔ اُس نے خود اپنے ہی حق میں اپنا ووٹ رد کر دیا۔

"میں سوچ رہی تھی جب عمران کاشف نے فون پر اپنا نام بتایا تو میں تو ایسے سنگین حالات میں گھری ہوئی تھی اُس کے باوجود بھی میں خوشی اور ناقابلِ یقین خوشخبری سے پاگل سی ہو گئی تھی۔ میں سوچ رہی تھی اطمینان سے، چین کے ساتھ، جب اس گرداب سے، اس بھنور سے نکل جاؤں گی تو عمران کو بتاؤں گی کہ میں جس

شیام سانورے کی کھوج میں گوکل اور برنداون کی گلیاں کھوجتی پھری، جمنا کے تٹ پہ بھٹکی۔ بمبئی کے کوچے کوچے میں آوارہ ہواؤں کی طرح اڑتی پھری۔ وہ میرے من مندر میں تو تھا ہی۔ آنکھوں کے سامنے بھی تھا۔ میرے نصیب کہ میں اسے پہچان نہ سکی۔ اب تم مل گئے ہو نا۔ دنیا کی ہر خوشی، کائنات کا ہر رنگ میری زندگی میں گھل گیا ہے۔ اجالوں کی تلاش میں اتنا بھٹکی تھی کہ زندگی اندھیروں سے عبارت ہو گئی تھی، لیکن اب چاند سورج ستارے، ہر اجالا میرے قدموں میں ہے کیونکہ تم۔ تم مجھے مل گئے ہو۔ لیکن پے در پے ایسے حالات ہوتے جا رہے ہیں کہ شاید۔ شاید مجھے یہ بات عمران کو نہیں بتانی چاہیئے۔ کہ میں ہی تمہاری بچھڑی ہوئی دلہن ہوں۔"

شاید نہیں! یقیناً نہیں بتانی چاہیئے مہتاب جنگ۔ اس گھر میں تم قبول نہیں کی جاؤ گی۔ ہندی کی مس نے سائیکلوجی اور سوشیولوجی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ کیسے کام کی، زندگی میں روز مرّہ کام آنے والی باتیں سکھاتی تھیں۔ یاد ہے ایک بار انہوں نے کہا تھا "ایک لڑکی کی شادی۔ صرف ایک لڑکے سے نہیں پورے پریوار سے ہوتی ہے۔ بیاہ کر سسرال آنے کے بعد اس کا یہی کرتویہ نہیں ہونا چاہیئے کہ پتی کو اپنے بس میں کرلے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ وہ سارے سسرال والوں کا دل جیتے۔ سب کو اتنا پیار دے کہ اس کی جگہ سبھوں کے دل میں بنے۔ نہ کہ جوتیوں میں۔"

تمہاری جگہ دل میں نہیں۔ جوتیوں میں، پیروں میں بن چکی ہے مہتاب جنگ۔"!

اس کی سوچیں اسے جانے کہاں کہاں اڑائے لئے جا رہی تھیں۔ اک دم اسے کسی نے اسی ماحول اور حال میں لا پٹخا۔ عمران کہہ رہا تھا۔

"ممی۔ نرس کو جانے دیں۔ میں سنبھال لوں گا سب"۔

"ہوش کی دوا کرو لڑکے"۔ ان کی آواز اونچی اور کڑی تھی۔ "غیر لڑکی کے کام تم کرو گے۔"؟

غیر۔ غیر۔ غیر۔

اِس کے ذہن پر ہتھوڑے برسنے لگے۔ اُسے ہنسی آنے لگی۔ واقعی غیر تو وہ تھی ہی۔ اک دم اُسے عمران پہ غصہ آنے لگا۔

"اتنے دنوں سے میں یہاں ہوں۔ مجھ سے عشق جھاڑ رہا ہے یہ مطلبی شخص۔ کبھی اشارے کنائے میں ظاہر تک تو نہیں کیا کہ "میری شادی ہو چکی ہے"۔

"مہتاب بی بی۔ اس کے دل نے جواب دیا۔" تم نے کون سے بڑے اعتماد میں لے کر اُسے یہ بات بتائی ہے کہ تم بھی شادی شدہ ہو۔ وہ تو اس کی بے پناہ محبت کے ڈر سے ڈر کر تم نے ایک طرح سے پناہ، کی خاطر۔ چھٹکارا پانے کی خاطر، یہ بتا دیا تھا کہ ہاں میں "شادی شدہ" ہوں تاکہ وہ خواہ مخواہ لبرٹی نہ لے تم سے۔ ! تم بھی ورنہ یہ راز آج تک بھی چھپائے ہی رہتیں، جیسا کہ وہ چھپائے ہوئے ہے۔ اپنے اپنے حالات ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انسان مجبور رہتا ہے۔ ورنہ یہ بتاؤ کہ اگر واقعی وہ تم سے عشق میں سچا نہیں ہے تو پھر اور کسی جگہ شادی کرنے کے لئے "ہاں" کیوں نہیں کہہ رہا ہے۔ ایسے لڑکے کو کیا لڑکیوں کی کمی ہو سکتی ہے جو۔

اتنا خوبصورت ہو۔

جس کے پاس بنگلہ، ذاتی بنگلہ ہو۔

جس کے پاس کئی گاڑیاں ہوں۔

جس کا بحد ESTABLISHED بزنس ہو۔

جو خود بھی انجنیئر ہو۔

جس کے پاس دنیاوی آسائشات کی کوئی کمی نہ ہو۔ ٹی۔ وی۔ فون۔ فرج، قالین، صوفے۔ ایر کنڈیشنرز۔ ہر ہر شے موجود ہو۔ اور سب سے بڑی بات جو دیکھنے میں اتنا خوبصورت۔ اتنا ہینڈسم ہو کہ ایک بار نظر پڑ جائے تو ہٹانے

کو جی نہ چاہے ۔ !

وہ صرف اور صرف تمہیں چاہتا ہے مہتاب جنگ ۔ صرف تمہیں ۔ ! اگر جس دن اس سے زبردستی تمہاری شادی ہوئی تھی نا، ایک جھلک بھی تمہاری وہ دیکھ پاتا نا تو بن داموں غلام بن جاتا ۔ لیکن پھر وہی قسمت !! شیو پاروتی سونے کے ڈھیر آسمان سے برساتے رہیں گے لیکن عین اسی وقت بدنصیب انسان آنکھیں بند کر کے اس راہ سے یونہی گذر جایا کریں گے ۔ کہ " بہر حال اللہ تعالیٰ نے جس کے مقدر میں جو بھی لکھ دیا ہے ۔ وہ تو اسے بھوگنا ہے ہی "

مغلانی اماں بھی یہی کہتی تھیں " ۔ !

فرح آئی تو بیگم کامران بہت ڈسٹربڈ تھیں ۔

" کیا بات ہے ممی ۔ مہتاب کی طبیعت کیسی ہے آپ خاصی پریشان لگ رہی ہیں " ۔

" مہتاب کا نام مت لو میرے سامنے " ۔ انہوں نے خاصی تلخی سے کہا ۔

" ارے ۔ فرح حیرت سے ان کے بیحد قریب آ کر ان کے سر پر ہاتھ پھیراتے ہوئے بولی ۔ " اس نے کیا کیا ہے " ؟

" کیا کیا ہے " وہ چڑ کر بولیں ۔ " ہمارے ساتھ دغا کی ہے ۔ اعتماد کو دھکا دیا ہے " ۔

فرح کچھ نہ سمجھی ۔

" تمہیں پتہ ہے وہ جو سسٹر آئی ہے اس کی تیمارداری کو وہ بتا رہی تھی کہ یہ لڑکی بمبئی میں " بی بی " تھی اور ۔ وہ طنز سے ہنسیں ۔ " وہ نرس اس کی معتقد بھی ہے " ۔

فرح ۔ " ہے ہے " کرتی ہوئی وہیں پلنگ پر ڈھیر سی ہو گئی ۔

"ہے ہے ممی ذرا تفصیل سے بات تو سنایئے۔ کیا کہا مسز نے"۔

"ارے بیٹا مسز نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ تو "بی بی صاحبہ" ہیں۔ جو لوگوں کو چٹکی پڑیا اور پانی دیتی ہیں۔ بس قدموں میں جھک گئی اُس کے! اب میں اور عمران لاکھ ناں ناں کر رہے ہیں کہ مسز ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے، تو وہ ہے کہ اُس کے قدموں میں جھکی جارہی ہے اور کہے جارہی ہے کہ ان کی سیوا کرنا تو ہمارا دھرم ہے۔ پنیمّ ہے"۔ وہ غصہ سے بولیں۔

اور اللہ کی شان دیکھو اس مسز کے بچے کو اُسی چٹکی سے پانی سے فائدہ بھی ہوا"۔

"ممی۔ فرح پریشان ہو کر بولی۔ میری سمجھ میں کچھ۔ کچھ بھی نہیں آرہا ہے۔ کون بی بی صاحبہ ہیں اور کیا کرتی ہیں کہ لوگوں کو فائدہ ہو جاتا ہے"۔ فرح دانت پیس پیس کر، بال نوچ کر پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔

"اے بیٹا۔ بیگم کامران ہاتھ اٹھا کر بولیں۔ یہ "بابا لوگ" نہیں ہوتے۔؟ اللہ والے۔ جو واقعی پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے پڑھ کر دم کئے ہوئے پانی سے لوگوں کی بیماریاں اور دکھ دور ہو جاتے ہیں۔؟ ایسے باباؤں کی آڑ میں لوگوں نے یہ دھندہ شروع کر دیا ہے کہ کسی کو بھی بابا بنا کر بٹھا دیا۔ چٹکی پڑیا دینی شروع کر دی، اب اللہ ہے فائدہ دے بھی سکتا ہے وہ مالک۔ نام ہو گیا بابا کا۔ مفت کی آمدنی۔ اسے جس کا بھی کام بنے گا۔ بیماری کو فائدہ ہو گا، وہ کچھ نہ کچھ تو نذرانہ دے گا ہی نا۔ اب لوگوں نے بیبیاں بھی بٹھانی شروع کر دی ہیں"۔ وہ الجھ کر بولیں۔

"یہ تمہاری مہتاب بیگم بھی لوگوں میں چٹکی پانی کرتی رہی ہیں۔ دیکھو تو اللہ کو کسی راز پر سے پردہ اٹھانا ہو تو کیسے اُٹھا دیتا ہے۔ نہ وہ نرس آتی نہ اِن

صاحبزادی کے ایسے پاکھنڈی ہونے کا ہمیں پتہ چلتا ۔۔۔۔۔

لیکن ممی ۔ فرح بات کاٹ کر بولی ۔ "اُس سے کیا فرق پڑتا ہے ۔ بیچاری تھوڑی بہت آمدنی ۔۔۔۔۔

بیگم کامران نے بیٹی کی بات کاٹ دی ۔ "آمدنی اور کمائی تو ہو رہی ہوگی اُس پیشے سے جہاں سے یہ بی بی پکڑی گئی ہیں ۔ ارے میں کہتی ہوں آج تک طوائف کے کوٹھے پر کوئی پارسا رہی ہے ۔" ڈاکٹر رضا نے کھلم کھلا ساری تفصیل تو نہیں بتائی ہمیں پھر بھی کیا میں بچہ ہوں ۔"؟

"کیا بات ہے ممی ۔ ایسا لگ رہا ہے کہ آپ کے دل میں مہتاب کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں رہی ۔"

....

مہتاب اب چل پھر رہی تھی ۔ نرگس کو عمران نے مہتاب کے کہنے پر بیحد خوش ہو کر واپس بھجوا دیا تھا اس لئے کہ وہ اس خوشی میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ مہتاب کی خدمت اور تیمار داری کر رہا ہے ۔ اور مہتاب خود سسٹر سے چھٹکارا پانا چاہ رہی تھی کیونکہ وہ بیماری سے تو زیر تھی ہی نہیں، صرف ایک SHOCK ہو گیا تھا جس میں نروس نس ہو گئی تھی ۔ سسٹر نے جو اپنی عقیدت اور معصومیت میں اُس کے "بی بی" ہونے کے راز سے پردہ اُٹھا دیا تھا اُس سے مہتاب سخت پریشان ہو گئی تھی ۔ جتنے بھی دن سسٹر رہے گی اُمی اُس سے کچھ نہ کچھ پوچھتی رہیں گی اور اس کے اپنے ٹینشن اور پریشانیوں میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا سسٹر بتا رہی تھی کہ "بڑا میم صاحب آپ کے بارے میں ہم سے بہت باتیں پوچھتا تھا ۔" اس کے آگے مہتاب کو کچھ پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی ۔۔۔ ۔ نرگس کے جانے پر مہتاب نے ذہنی الجھاؤ کے باوجود بڑا سکون محسوس کیا ۔

وہ بیمار تو تھی ہی نہیں جو بستر پر پڑی رہتی۔ ویسے وہ چاہ رہی تھی جلد سے جلد اپنے معمولات کو اپنا لے۔۔ وہ سب سے پہلے فضا کو اپنے حق میں سازگار بنانے کے لئے امی کو خوش اور راضی رکھنا چاہتی تھی۔ اسی لئے وہ اس وقت عمران نے جو جوس اس کے لئے نکالا، وہ امی کے لئے لے کر کمرے میں آ رہی تھی کہ ٹھٹھک سی گئی۔ فرح باجی کی آواز آ رہی تھی۔

"کیا بات ہے ممی۔ ایسا لگ رہا ہے کہ آپ کے دل میں مہتاب کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں رہی۔"

"جگہ کیا رہے گی۔" وہ غصہ سے خوب اونچی آواز میں بول رہی تھیں۔ صرف صورت شکل ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔ چلو میں نے یہ بھی بھلا دیا کہ وہ ناری سدھار گھر" جیسی جگہ سے آئی ہے۔ لیکن یوں گھر سے غائب ہو جانا۔ پھر بی بی بن کے لوگوں کو دھوکے دینا۔ پھر طوائفوں کے اڈے سے پکڑے جانا۔ ارے بیٹی ایک بات ہو تو کوئی بھی پی جائے۔ میں تو کہتی ہوں یہ اپنے شوہر سے ملی ہوئی ہے اور کوئی بڑی آفت میں پھنسا کر ہم کو جائے گی۔

"اوہ ممی۔ آپ تو TOO MUCH ہی کر دیتی ہیں۔ اس میں شوہر کہاں سے آ گیا۔ آپ کو پوری بات نہیں معلوم اُسے اغوا کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر رضا ہمدانی نے بھائی جان کو پوری تفصیل بتائی ہے۔ جو بعد میں اُس گینگ کے لیڈر نے پولیس میں بتائی۔ خود مہتاب تو ۵ دنوں بعد ہوش میں آئی تا ممی۔" مہتاب کا دل ٹھنڈک سی محسوس کرنے لگا۔ "کم سے کم فرح باجی تو میرے حق میں بول رہی ہیں۔"

"ارے ہوش میں نہ آ کے مر ہی جاتی تو اچھا تھا۔ بھلا لڑکی ذات کی اتنی ذلت کے بعد اس کا زندہ رہنا ضروری ہے۔" وہ غصہ سے بولیں۔

"ممی زندگی اتنی بھی معمولی چیز نہیں ہے کہ اتنی اتنی باتوں کے لئے گنوا دی

جائے۔ میں تو خود جب تک مہتاب سے ساری تفصیل نہیں پوچھ لوں گی مجھے کسی بات کا یقین آئے گا نہ اس غریب پر سے میرا دل ہی ہٹے گا۔"

"نہ تمہارا ہٹے گا نہ تمہارے چہیتے بھائی کا۔" وہ غصہ سے بولیں۔ دیکھو آفس بزنس کام دھندہ چھوڑ کے لگے بیٹھے ہیں پٹی سے"۔ وہ بیحد غصہ ہو رہی تھیں۔

"ممّی۔ فرح بیحد ٹھنڈے لہجے میں بول رہی تھی۔" بھائی جان اُسے چاہتے ہیں ممّی......

"اے بی بی۔ بیگم کامران بیحد بھڑک کر بولیں۔ ہوش کی دوا کرو۔ ایسے کیسے اتنے بڑے خاندان کی بہو بنالیں گے ایسی لڑی پڑی لڑکی کو....

"ممّی۔ فرح ان کی بات کاٹ کر بولی"۔ لوگ تو ناچنے گانے والیوں، طوائفوں تک کو بھی بیوی کا درجہ دے دیتے ہیں۔ یہ تو پھر بھی ایک مظلوم سی لڑکی ہے۔"

بیگم کامران اب ذرا ٹھہرے ہوئے لہجے میں بیحد وضاحت کے ساتھ بیٹی کو سمجھا رہی تھیں۔

"بیٹا دیکھو۔ جب ہم کوئی بھی فلم دیکھتے ہیں یا کوئی کہانی یا ناول پڑھتے ہیں اور اس میں ہیروئن، طوائف ہوتی ہے تو اس کے کردار کو اس طرح ابھارا جاتا ہے کہ ساری ہمدردی دیکھنے اور پڑھنے والوں کی صرف ہیروئن سے ہو جاتی ہے اور چاہتے ہیں کہ فلم کے آخیر میں یا ناول کے E N D میں ہیرو، ہیروئن سے ہی شادی کرے بھلے وہ کتنی بھی گری ہوئی لڑکی یا طوائف ہو۔ میں خود بھی یہی چاہتی ہوں۔ لیکن بیٹی یہ قصہ جو ہمارے گھر میں چل رہا ہے۔ نہ کوئی فلم ہے نہ ناول۔ یہ تمہاری میری، تمہارے بھائی کی زندگی کا سوال ہے۔ جو باتیں فلموں اور ناولوں میں اچھی لگتی ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آگے ایسا ہی انجام ہونا چاہیئے۔ عملی اور حقیقی زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا بیٹی۔ ہونا بھی نہیں چاہیئے۔ اس زندگی کا جو حقیقی ہے، کتابی دنیا

اور فلمی دنیا سے کوئی تعلق ہی نہیں بیٹی"۔ وہ خوب دیر تک بول کر شاید تھک گئی تھیں۔ رک سی گئیں۔ پھر کہنے لگیں۔ میں چاہ رہی ہوں وہ اچھی طاقت پکڑ لے، تو واپس ناری سدھار گھر" ہی بھجوا دیں۔

"اوہ نو ممی۔ فرح دہشت سے بولی۔ پڑی رہے گی بے چاری ایک کمرے میں۔ ہمارا کیا لے گی۔"؟

"ہمارا بیٹا لے گی"۔ وہ غصہ سے بولیں۔

"سمجھیں تم۔ اور ابھی بھی کیا نہیں ہتھیا چکی۔"؟

"ممی"۔ فرح اٹل لہجے میں بولی "۔ جوان بیٹے پر آپ کسی قسم کی سختی نہیں کر سکتیں۔ جب کہ معاملہ عشق و محبت کا بھی ہے۔ آپ کس طرح انہیں منع کریں گی۔؟ پاپا کا بزنس انہی کے نام پہ ہے حد یہ کہ پاپا نے بھائی جان کے نام کے INITIALS تک اپنے ہی جیسے رکھوائے تھے۔ اُن کا نام اقبال کامران احمد تھا۔ بھائی جان کا انہوں نے عمران کاشف احمد رکھا کہ بعد میں BANNER کے چینج ہونے کا بھی سوال نہ اُٹھے۔ پورا بزنس اُن کے نام پہ۔ بنگلہ ان کے نام پہ۔ گاڑیاں البتہ آپ کے نام بھی دو ہیں۔ اور فرض کیجئے آپ کے غصہ کی وجہ سے اگر وہ یہ ساری جائداد ٹھکرا کے چلے بھی جاتے ہیں تو یہ نہ بھولئے کہ ابھی ابھی انہوں نے دو ہزار روپے ماہانہ کی نوکری خود چھوڑ دی ہے مصروفیت کے مارے۔ یہ تو سوچئے ممی HE IS A GOLD NEDALLIST اب وہ ایسے کھلنڈرے ہیں تو ان کی ایسی باتوں پر نہ جایئے۔ ممی ایسے ہی لوگ محبت میں بیحد پکے ہوتے ہیں۔ ہنسی ہنسی میں جان بھی دے دیتے ہیں۔۔۔۔

مہتاب جو بڑی دیر سے راہداری میں کھڑی ساری باتیں سن رہی تھی اور نہ سن سکی۔ وہ ڈرتے قدموں سے آئی، جوس ٹیبل پر رکھا اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ

کر بیٹھ گئی ۔

"ہنسی ہنسی میں جان دے دیتے ہیں" ۔ بیگم کامران چڑ کر بولیں ۔ "شادی شدہ کے لئے ۔"؟

"تو کیا ہو گیا ۔ فرح سمجھا کر بولی ۔ اُس کا بھی حل ہے نا ۔ مراد بھائی نے فتویٰ دے دیا ہے ۔"

"مراد بھائی نے فتویٰ دے دیا ۔"؟ وہ غصہ سے بولیں ۔ "مراد بھائی کب سے عالم بن گئے ۔"؟

"ارے ممی عالم نہیں تو کیا ۔ وہ بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں ۔ اتنی قابلیت ہے اُن کی اسلامک ہسٹری میں ۔ وہ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے پڑھا تھا حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ایک دفعہ ایک عورت بہت روتی رہتی تھی برہ کے گیت گاتی رہتی تھی ۔ حضرت عمر فاروقؓ نے تحقیق کروائی کہ یہ کیوں اتنی غمگین اور پریشان رہتی ہے ۔ پتہ چلا کہ مدتوں سے اس کا شوہر محاذِ جنگ پر گیا تو پھر واپس ہی نہیں آیا ۔ تو آپؓ نے اس سے کہلوایا کہ اگر تیرے شوہر کو لاپتہ ہوئے ۴ سال پورے ہو چکے ہوں تو تو دوسرا نکاح کر لے ۔ جوان عورت کا اتنا لمبے عرصے تک تنہا رہنا خرابیوں کو جنم دیتا ہے ۔"

کیا اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اتنے بڑے خلیفہ نے خود ۴ سال کے بعد نکاح فسخ ہو جانے کی بات کہی ۔ یہ تو ایک طرح سے بڑی اچھی بات ہے ۔"

"اور چار سال تک وہ ہماری چھاتی پر مونگ دلتی رہے ۔"؟ وہ غصہ سے بولیں ۔

"ارے ممی آپ یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ ممکن ہے اس کی شادی کو ALREADY چار سال ہو بھی گئے ہوں ۔"

بیگم کامران نے وحشت سے بیٹی کو دیکھا۔ "واقعی اگر ایسا ہو گیا تو وہ ایسی لڑکی کو کیسے اتنے بڑے گھرانے کی بہو بنا لیں گی جس کا ماضی خود ان کے سامنے کھلا پڑا تھا۔"

انہیں وہ ساری فلمیں یاد آئیں ۔ وہ سارے ناول یاد آئے۔ جن کی ہیروئنیں خود اسی قسم کے کیریکٹر کی حامل ہوا کرتی تھیں۔ ٹی۔وی اب جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے انڈیا، بمبئی میں آیا تھا۔ اور اب گھر بیٹھے ہر اتوار کو بلیک اینڈ وائٹ فلم دیکھنے کو مل جاتی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے اقبال کامران انہیں بے حد چاؤ سے فلمیں دکھانے لے جاتے تھے۔ BOX میں سب سے اپر کلاس میں بٹھاتے تھے۔ انٹرول میں بیحد ٹین ایجرز کے سے چاؤ سے POP CORN اور SNACKS لا کر کھلاتے تھے۔ اور بڑی خوشی سے پوچھتے تھے۔

"کیوں سویٹی فلم کیسی چل رہی ہے۔"؟

"اچھی تو جا رہی ہے مگر کم بخت ڈائریکٹر ایسا نہ کر دے کہ ہیروئن چونکہ طوائف ہے تو آخر میں اس کی شادی ہیرو سے نہ کروائے۔"

اگر ہیرو کی شادی، ہیروئن سے ہو جاتی تو وہ فلم دیکھ کر بڑی خوشی خوشی نکلتیں۔ اگر END، ان کی مرضی کے مطابق نہ ہوتا تو وہ دو چار دن گھر میں بھی کھوئی کھوئی سی پھرتیں۔ اقبال صاحب ان کی خوب ہنسی اڑاتے۔

"بھئی آپ یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ یہ سب گھڑی گھڑائی کہانیاں ہیں۔ عملی زندگی میں ایسا تھوڑی ہی ہوتا ہے۔"

وہ اپنی اداسی پر ذرا بھی نہ کھسیانی ہوتیں۔

اقبال صاحب کو پتہ تھا انہیں ناول پڑھنے کا بیحد شوق ہے۔ ایک چھوٹی موٹی لائبریری ان کے لئے سجا کر رکھ دی تھی۔ پاکستان میں جب کوئی نیا ناول چھپتا

وہ بلیک میں خرید کر لاتے ۔ پیار سے احسان جتاتے ۔

"دیکھئے صاحب آپ کے لئے پاکستان جا کر ہم نے یہ ناول خریدا ہے ۔ ٹکٹ میں ہی ہزاروں روپے نکل گئے ۔"

وہ ان کے چہرے پر لکھی شرارت پڑھ لیتیں ۔

"بڑے آئے پاکستان جانے والے ۔ یہیں بمبئی میں ہی خریدی اور مجھے بنا رہے ہیں ۔" وہ خوشی خوشی ناول کے صفحات الٹنے لگتیں ۔ "اب میرے دو چار دن تو بڑے مزے میں نکل جائیں گے ۔ پر اللہ نہ کرے جو غمگین اختتام ہو ۔"

"خدا کی بستی" پڑھ کر وہ مدتوں ملول رہیں ۔ شوکت صدیقی سے وہ سخت غصہ تھیں ۔

"ہیروئن کا انجام اتنا برا کیا ۔ اگر کبھی زندگی میں ان سے ملی تو بیحد لڑوں گی ۔"

"اچھا ۔" اقبال صاحب پیار سے مسکرائے ۔ چلئے اسی بات پر پاکستان کا ایک دورہ نکال لیتے ہیں ۔ آپ کے شوکت صدیقی سے بھی مل لیں گے اور ذرا خبر لیں گے کہ بھئی آپ نے ہماری سویٹی کا دل کیوں دکھایا ۔ کیا ہوتا اگر آپ اپنی ہیروئن کی شادی کسی اچھے لڑکے سے کر دیتے ۔"

"کیا ہوا اگر آپ بھی اپنی مہتاب کی شادی اپنے بیٹے سے کر دیں ۔" اُن کے دل میں چھپے ہوئے کسی جذبے نے اُن سے سرگوشی میں پوچھا ۔

انہوں نے بوکھلا کر ادھر اُدھر دیکھا ۔ کسی نے اُن کے دل کی سرگوشی سن تو نہیں لی ۔ ؟ کوئی بھی آس پاس موجود نہ تھا ۔

بس شنّو اپنا پسارا پھیلائے انہی کے کمرے میں کھیلتی بیٹھی تھی ۔

"آجا میری چاند ۔" انہوں نے وحشت زدہ خیالات سے چھٹکارا پانے کے لئے نواسی کو پکارا ۔

"نائیں۔ وہ صاف بولی" میں پکی تے پاچھ جاواں نی۔" میں پری کے پاس جاؤں گی انہوں نے جھلا کر سوچا۔

"کیا ہے اُس چڑیل میں کہ سارا گھر ہی اس کا دیوانہ بنا ہوا ہے۔!

اس کے کانونٹ کی کلاس میٹ ساری لڑکیاں ریسس RECCESS میں کھاپی لینے کے بعد گھیرا ڈال کر گا رہی تھیں۔

IF I FIND LOVE DEAR LOVE SWEET AND BEANFIGUL
LIKE DOVE I WILL CALL HER COME COME COME GIVE
ME EVERYTHING SOME SOME SOME BUT GIVE A
LOT OF LIPETICK I WANT TO GO HIM TO STICK
GIVE ME BAGS FULL OF POWDER OND GIVE ME
MANLY SHOULDER

بڑی کلاس کی لڑکیاں ہنستے ہنستے، شرماتے شرماتے بے حال ہو جاتیں۔ چھوٹی لڑکیاں بے خوفی سے بنا معنی مطلب سمجھے گائے جاتیں۔

بعد میں جب شعور نے لفظوں کو معنی کے لباس پہنائے تو لفظوں کی برہنگی اور پیرہن کا فرق دلوں پر واضح ہوا۔

"اگر مجھے کہیں سے محبت۔ پیاری محبت مل جائے فاختہ کی طرح نرم، ملائم خوبصورت محبت!!

میں اُسے آواز دے کر قریب بلاؤں گی آ۔آ۔آ۔

مجھے ہر چیز تھوڑی تھوڑی دے۔

لیکن مجھے بہت ساری لپ اسٹک دے۔

تاکہ میں اپنے محبوب کو پیار کروں۔ مجھے غازے کے کٹس. ڈبے بھر بھر کے

دے، تاکہ میں وہ غازہ مل کے اپنے محبوب سے ملنے جاؤں ۔ اس کے مردانہ شانوں پہ سر رکھ کر بھول جاؤں ۔ اس میں گم ہو جاؤں ۔ اے محبت مجھے ہر چیز تھوڑی تھوڑی دے مگر سنگھار کا سارا ساج اور گہنا دے ۔"

آج کتنے دنوں بعد مہتاب کو وہ نظم یاد آئی ۔ اپنے پورے معنی اور مطالب کے ساتھ ۔!

" دنیا نے کب کسی کی خوشیوں کو پورا ہونے دیا ہے ۔ اور قسمت! وہ تو زندگی بھر سے ہاتھ میں کشکول لئے میرے پیچھے پھر رہی ہے کہ لا اپنی ساری خوشیاں مجھے خیرات کر دے ۔ لیکن مستقبل جو چاہے کرے، حال میرا ہے ۔ میں سجوں گی، سنوروں گی ۔ محبت جو سر راہ مجھے مل گئی ہے، اُسے روک لوں گی ۔ چند پلوں کے لئے سہی ۔ چند لمحوں کے لئے سہی ۔

IT S MY BIRTH RIGHT !!

جوڑے تو آسمانوں پر بنائے جاتے ہیں نا ۔ میرا جوڑا بھی تو اوپر والے نے اپنی مرضی اور پسند سے آسمان پر طے کیا ہے نا ۔ آج آسمان سے خوشیوں اور سہاگ کی یہ سوغات، بھلے آنسوؤں کی پالکی میں، میرے لئے بھجوائی گئی ہے نا تو میں اسے کیوں WEL COME نہ کروں ۔ مجھے خوشی یہ ہے کہ میں اب جو بھی قدم اٹھاؤں گی ۔ وہ مذہب کے دائرے سے باہر نہیں ہوگا ۔ میں اپنے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نگاہوں میں گنہ گار، ذلیل اور خوار نہیں ہوؤں گی ۔

روشن کی ضد کر کر کے دلائی گئی میک اپ کی چیزیں اس نے بھاری دل سے دیکھیں ۔

اُجالا اور روشن ہوتیں تو مجھے سجاتی سنوارتیں سنگھار تو سکھی سہیلیاں ہی کرتی ہیں نا ستاستا کے ؟

"اُجالا۔ مستقبل نے میرے لئے کون سی سیج چُنی ہے۔" جنت نگاہ" یا پھر وہی "دارالامان" لیکن آج ہر خوشی مجھ پر واجب ہے۔ ہر سنگھار روا ہے"...

جولائی کا مہینہ چل رہا تھا۔ بارشوں کا بمبئی میں کچھ ٹھیک نہیں رہتا۔ ابھی ابھی تیز بارش ہو رہی ہے کہ فضاؤں میں دھنویں جیسی دھند۔ اور ابھی ابھی سورج کھل کھلا کر ہنس رہا ہے اور قوسِ قزح اُبھر آئی ہے۔

بہر حال بارش کے مہینے کی مناسبت سے مجھے ہرے کپڑے پہننے چاہئیں۔ اور سبز رنگ علامت ہے خوشی کی۔ حیدرآباد میں منجے کی دلہن کو زعفرانی کپڑوں کے ساتھ ہمیشہ ریشمی ہری چوڑیاں پہناتے ہیں کہ اللہ ہرا بھرا رکھے۔" ہری ساڑی اور ہرا بلاؤز نکالتے ہوئے مہتاب نے بھی دعا مانگی۔

"اے میرے مالک۔ مجھے سدا ہرا بھرا رکھنا"

ممّی اپنے سے عمر میں چھوٹے کسی بھی مہمان کو پان کی گلوری بنا کر دیتیں اور پان والا "آداب"۔ یا "تسلیم" کرتا تو ممّی گول گول لہجے میں دل کھول کر دعا دیتیں۔

"اللہ میاں ہرا بھرا رکھو"

"ممّی" وہ چھوٹی تھی تو حیران ہو کر پوچھتی۔

"ہرا بھرا انسان کیسے رہ سکتا ہے ممّی۔ پھر تو وہ گھاس ہو گیا۔ گائے بھینس آ کے اُسے چر جائیں گے۔ نا"؟

ممّی ہنس کر اُسے گلے لگا لیتیں۔" ای ڈنئیں ماں۔ ہرا بھرا رکھو دعا ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا کی دنیا میں اللہ میاں نے ہر خوشی دینا۔ ہور پان چونکہ ہرا ہوتا ہور کوئی بھی پان لے کو سلام کرے تو ایسی اِچ دعا دینا پڑتا کی اللہ میاں ہرا بھرا رکھو"

"دعائیں پوری ہوتی بھی ہیں ممّی" وہ دبدھا سے پوچھتی۔ اُسے پتہ نہیں کیوں

بچپن ہی سے اللہ میاں کے اس ڈپارٹمنٹ پر ذرا T ، DOUBT تھا۔

"ای کیا نہیں ہوتے ماں ۔ کیا بغیر دعاؤں کے یہ دنیا کا اتنا بڑا کاروبار چل رہا ہے؟؟"

آج اُس نے بیٹھے بیٹھے آسمان کو دیکھا۔ "ممی یہ آسمان سے بیٹھے بیٹھے ہی میرے لئے آج دعا کیجئے کہ میں ہری بھری رہوں" ۔ وہ اپنے آپ میں مسکرائی۔

"تھینک یو ممی ۔ اور تھینک یو ۔ سو سویٹ اللہ میاں"۔

اس نے دھیرے سے اُٹھ کر اندر سے دروازے کی چٹخنی چڑھالی ۔ ایسے ٹنس ماحول میں آکر کوئی مجھے سنگھار پٹار کرتے ہوئے دیکھ لے ۔" وہ اپنے آپ میں مسکرائی "۔ مجھے تھوڑی کسی کو دکھانا ہے ۔ میں تو یوں سنگھار کر رہی ہوں کہ میں خوش ہوں کہ میں ایک سہاگن ہوں اور اس سہاگن نے اپنے سہاگ کو پا بھی لیا ہے۔ اور یہ سنگھار ۔

IT S JUST , GESTURE OF MY INNER FEELINGS

اظہار مسرت ہے ۔ ایک طرح سے میری اندرونی خوشی کا ، میری بے تابی کی ، نمائش ہے۔

I JUST WANT IT TO CELEBRATE WITH MY OWNSELF

"میں اس خوشی کو اپنے آپ میں منانا چاہتی ہوں ۔ کم آن"۔

اور وہ پلنگ پر بڑے مزے سے اپنا سارا بکھیڑا پھیلا کر بیٹھ گئی ۔

باہر بوندا باندی شروع ہوئی ۔ پھر اس میں تیزی آئی ۔ جولائی کی بارش ۔ خود سر ، تند خو ، تیز مزاج ۔ بڑھی تو بڑھتی ہی گئی ۔ کمرے میں خوابناک اندھیرا در آیا ۔

اس نے بڑے اہتمام سے خود کو سنوارا ۔

قسمت نے اُس سے سارے زیور چھین لئے تھے ۔ بس ایک حسن کا زیور ، جو سچے سونے ، سا بچے موتیوں اور دمکتے ہیروں سے بھی بڑھ کر اس وقت جگمگا رہا تھا۔

اُس نے اپنے بہت گلابی ہونٹوں کو سرخ گلابوں کی طرح رنگ ڈالا تھا۔

BUT GIVE ME A LOT OF LIPSTICK

لڑکیاں محبت کرنے لگتی ہیں تو سنگھار کرنے کیوں دل چاہتا ہے۔ وہ اپنے آپ میں مسکرائی۔
یہ شاعر لوگ کس طرح چھپتے چھپاتے، کون رستوں سے دلوں تک پہنچ جاتے ہیں۔؟
گالوں کو صرف ہلکا سا غازہ لگایا تو بھی وہ شعلوں کی طرح دہک اٹھے۔

بال آج اُس نے نہانے کے بعد سے یونہی کھُلے چھوڑ دیئے تھے۔ سنہری سنہری آنچیں اُس کے آس پاس لہرا رہی تھیں۔ ٹیلکم پاؤڈر اُس نے اپنے جسم پر خوب ملا تھا۔ یہ گویا ابٹن تھا۔ کمرے میں مدہوش کن خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

اس نے پلنگ سے اُتر کر خود کو آئینے کے پاس کھڑا کیا۔

وہ ایک لمحہ خود کو دیکھتی رہی۔ بالکل نیوٹرل تھرڈ پرسن بن کر جیسے اُس کا، اس وجود سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ اس کی نیلی نیلی آنکھیں کبھی سچے نیلم، کبھی سچے فیروزے کی طرح دمک رہی تھیں۔

"دلہن خود اپنے لئے کبھی نہیں سجتی۔ وہ تو سجتی ہے سنورتی ہے بگڑنے اور مٹنے کے لئے۔"

"اور یہ لیٹرا موا کون ہوتا ہے بگاڑنے، لوٹنے مٹانے اور پامال کرنے والا۔؟"

"وہی جو فتح پا کر فاتح بنتا ہے۔ مگر ہوتا ہے دراصل غلام۔"!

طرح طرح کے اشعار اس کے ذہن اور دل میں آکر کہاں کہاں سے حملہ آور ہو رہے تھے۔ اس نے چٹخنی کی طرف دیکھا۔ دروازہ اندر سے بحد مضبوطی سے بند تھا۔

اک دم دھپ کی آواز آئی اور اُس نے گھبرا کے پلٹ کے دیکھا۔

عمران ہونٹوں پر انگلی رکھ کے اُسے "چپ" کا اشارہ دے کر، اپنے کپڑے جھٹک رہا تھا۔ وہ کھڑکی سے کود آیا تھا۔

مہتاب کا سارا وجود دل میں سما گیا۔

دھڑ۔ دھڑ۔ دھڑ۔

وہ قریب آیا۔

"ممی سو رہی تھیں۔ میں نے دروازے پر دستک دینا مناسب نہ سمجھا۔ تمہاری طبیعت کے بارے میں پوچھنا تھا نا اس لئے چلا آیا۔ "سوری۔ وہ مسکرایا۔ لیکن یہ دروازہ کیوں بند کر رکھا ہے اندر سے۔ اور یہ خوشبو کیسی ہے۔؟ آں"؟

مہتاب نے اُسے ہلکے سے مسکرا کر دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔

عمران گہرے گہرے سانس لے کر اُسے دیکھتا رہا۔

"انسان اتنے حسین ہو ہی نہیں سکتے" یہ اس کا اس کے دل کا متفقہ فیصلہ تھا۔

"یہاں اندھیرا بہت ہے"۔ وہ محض بات کرنے کی خاطر بات کر رہا تھا۔

"بارش بہت ہو رہی ہے نا"۔ اُس نے مختصر سا جواب دیا۔

وہ دھیرے سے بڑھ کے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ پھر اک دم ارے رے رے" کہہ کر بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے یہ کیا پسارا پھیلا رکھا ہے۔ وہ کھسیانا ہو کر بولا۔ پتہ نہیں کیا ٹوٹا۔ اندھیرا ابھی تو اتنا ہے سالا یہاں.....

"چھی چھی چھی۔ مہتاب ہنس کر بولی۔ "اچھے" بچے" گالیاں نہیں دیتے۔"!

عمران نے اُسے حد درجہ حیرت زدہ ہو کر دیکھا۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی۔ آج تک اُس نے اتنی کھُلی ہنسی نہیں ہنسی تھی اور وہ بھی شرارت بھرے انداز میں۔

"تابی"۔ وہ بڑی بے چارگی سے بولا۔ "پلیز"

وہ ذرا سا سامنے کو جھکی ۔ جھکنے میں بالوں کے شعلے بھی سامنے کی طرف لپک آئے۔ ہنس کر شریر سے لہجے میں بولی ۔

"پلیز ۔ کیا پلیز ۔!؟ پلیز دو طرح کا ہوتا ہے ۔ ایک تو معافی نامہ ۔ ایک خوش کرنا ۔ وہ اور بھی زور سے ہنسی ۔

"تو مجھے پتہ تو چلے کہ مجھے آپ کو معاف کرنا ہے یا خوش کرنا۔"

عمران گہری گہری سانسیں لینے لگا ۔

"آپ یوں بلّوں کی طرح کیوں سانسیں لے رہے ہیں ۔ وہ مسکرائی ۔ کیا مجھ پر POUNCE کرنے کا ارادہ ہے ۔"؟ اور وہ لاتعلق سی ہو کر پلنگ پر سے بکھری چیزوں کو سمیٹنے لگی ۔ پھر مسکرا کر، عمران کو دیکھ کر ہونٹ سکوڑ کر کہنے لگی۔

"لے کے لپ اسٹک بھی توڑ دی میری ۔" عمران کے حواس جواب دے رہے تھے ۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے ۔ اُس نے ہمیشہ مہتاب کو اداس اداس سی، اپنے آپ میں لئے دیئے رہنے والی، اپنی عزّت آپ آپ بڑھاتی ہوئی ایک چپ چاپ سی لڑکی کے روپ میں دیکھا تھا ۔ جو نہ کبھی مسکراتی تھی نہ میک اپ کرتی تھی نہ اچھے کپڑے ہی پہنتی تھی ۔ اور عمران کے بے باک مذاق اور شرارت پر ہمیشہ سیریس ہو جاتی تھی ۔ آج ۔ ؟

آج ۔ وہ کچھ سوچ بھی نہیں پا رہا تھا ۔

"تابی ۔" وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا ۔

"تابی ۔ تم ۔"

"ہاں ۔" وہ "ہاں" کو جھولا جھلا کر شریر سے لہجے میں بولی ۔" میں ۔ مہتاب جنگ ۔ پھر اُس نے دونو ہاتھ جوڑ دیئے ۔

"میں آپ کی سیوا میں اُپستھت ہوں ۔ کیا چاہیئے آپ کو ۔". . . .

عمران دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھا۔

مرد فطرتاً شریف اور شرمیلا ہوتا ہے کبھی عورت کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتا ۔ یہ عورت ہوتی ہے جو اُسے اُکساتی ہے ۔ یہ عورت کی نگاہ ہوتی ہے جو اُسے بڑھا دیتی ہے ۔ آدم کو جنت میں یقیناً حوّا نے LOOKS دیئے ہوں گے تبھی بے چارے سے گناہ سرزد ہوا ۔

وہ اس طرح مسکرائی کہ INVITATION بن گئی ۔

یہ آپ اس طرح کیوں آ رہے ہیں جیسے کسی نے ہپنا ٹائز کر دیا ہو"۔

عمران سحر زدہ سا بولا ۔

"تابی ۔ تم نے یہ سب کیوں کر ڈالا"۔

"میں نے ۔۔ ؟ وہ کھل کھلائی ۔ میں نے کیا کیا ۔ صرف ہرے کپڑے پہنے ہیں ۔ برسات ہو رہی ہے نا ؟ سو" !

وہ ہونٹ کو o او کی طرح بنا کر بولی ۔

"نو ۔"! ؟ یو نو ۔ ؟ وہ جھک کر بولی ۔

"یہ تم نے انگلش کے o او کی طرح اپنے ہونٹوں کو گول کیوں کیا ۔"؟ ؟ وہ تڑپتے ہوئے لہجے میں بولا ۔

"کوئی اجارہ داری ہے آپ کی کہ میں o کہتے وقت ہونٹ گول نہ کروں اور E کہتے وقت ای کر کے مسکراؤں نہیں"۔ اور وہ واقعی ای کر کے مسکرا رہی تھی ۔

" IT IS TOO MUCH ۔ تابی اٹ از ٹو مچ"۔ وہ موم کی طرح پگھل رہا تھا ۔ مہتاب نے بات پلٹی ۔

"میری ساڑی دیکھی آپ نے ۔ ہری ہری ۔ آپ کو پتہ ہے ایک قسم کی ناگن ہوتی ہے ۔ وہ بھی ہری ہوتی ہے"۔

عمران نے آگے بڑھ کر اُسے کس کے بانہوں سے پکڑ لیا۔
"مجھے ڈسو۔ آئی سے۔ مجھے ڈسو"
اُس نے دھیرے سے عمران کا ہاتھ چھڑایا۔ اس کا پنجہ ہاتھ میں لیا۔ بیچ کی انگلی پکڑ کر دانتوں میں دبائی اور کٹ کٹا کر چھوڑ دی۔ اُس کے ہونٹوں کے بیچ میں عمران کی انگلی دبی اور وہ چیخ اٹھا۔
"نو۔ آئی کانٹ NO I CANT آئی کانٹ۔
اگر لاکھوں والٹیج کے زندہ وائر اُسے شاک دیتے تو وہ سہہ جاتا۔ اس کرنٹ کو برداشت کر جاتا۔ لیکن.... وہ اک دم دیوانہ پاگل ہو گیا۔
اُس نے مہتاب کو دونو ہاتھوں میں اٹھا کر بیڈ پر لا پٹخا۔
"اب میں تمہیں بتاؤں گا۔ گول ہونٹ کر کے o او کہنے کی کیا سزا ہوتی ہے۔
NOW I LL' SHOW YOU
ہرے کپڑے پہننے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ برسات کے اس پاگل کر دینے والے موسم میں دروازے بند کر کے اندھیرا کر کے بیٹھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ لپ اسٹک سے کسی کے دل میں آگ دہکانے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ سنہری بالوں کے شعلوں میں کسی کو تپانے کا مطلب کیا ہوتا ہے....
ناؤ آئی وِول شو یو... آئی وِل کِل یو۔
I WILL KILL YOU!"
مہتاب اپنی بانہیں اُس کے گرد کستے ہوئے بولی۔ "کِل می۔ KILL ME۔ آئی ووڈ لَو ٹو بی کِلڈ۔
I WOULD LOVE TO BE KILLED
میں تمہارے ہاتھوں مرنا پسند کروں گی۔

کاز آئی لو یو۔

"CAUSE I LOVE YOU. I LOVE YOU HELL OF A LOT."

عمران اپنے آپ میں بیحد شرمندہ اور کٹا کٹا سا تھا۔ دو دن سے اُس نے مہتاب سے ٹھیک سے نگاہ ملا کر بات تک نہیں کی تھی۔

"وہ کیا سوچے گی۔ وہ کیا سوچے گی۔ میرے تعلق سے وہ کیا سوچے گی"

یہ خیال آ آ کے اندر ہی اندر اُسے مارے ڈال رہا تھا۔ میں نے چاہت میں غلاظت گھول دی۔ بے چاری ایسے ہی مصیبتوں میں گھری ہوئی ہے۔ میں نے تو پورا سیتاناس ہی کر دیا۔ لیکن مجھے یہ ہو کیا گیا تھا۔ ایسا تو میں نے اپنی زندگی میں کبھی سوچا تک نہیں تھا۔ ہزاروں لڑکیوں کے ساتھ ہزاروں موقعے تنہائی میں ملے ہوں گے۔ خود ڈراموں کی ریہرسل کے لئے کتنی لڑکیاں اسی بنگلے میں آئی ہیں۔ ساتھ رہی ہیں۔ تنہائی میں رات گئے تک گئے رومینٹک ڈائیلاگس بولے ہیں۔ پھر یہ کیا شیطان مجھ پر سوار ہو گیا تھا۔

اور سب سے زیادہ شرمندہ کرنے والا پہلو یہ ہے کہ اس لاچار اور مجبور لڑکی نے کوئی احتجاج تک نہیں کیا اور دو دنوں سے کسی ناراضگی یا غصہ کا مظاہرہ تک اس کی طرف سے نہیں ہے۔ میں کتنا کمینہ ہوں"۔

پھر اس نے خود ہی اپنے ضمیر کی مار سے بچنے کے لئے اپنی مدافعت میں جواز ڈھونڈنے شروع کر دیئے۔

لیکن پہل اور گڑ بڑ سراسر تابی کی طرف سے ہوئی تھی۔ میرا تو رویہ شروع دن سے ویسا ہی رہا ہے۔ مجھے پسند ہی اتنی آ گئی تھی وہ۔ مائی گوڈ۔ ایسی بیوٹی۔

STAGGERING BEAUTY – KILLER BEAUTY

میں تو پہلے ہی دن فنا فی النار ہو گیا تھا۔ اس کے بال نار ہی تو ہیں ایک طرح سے۔ آگ۔ میں تو شروع سے جل گیا تھا ان شعلوں میں۔ وہ خود ہی تو اپنے آپ کو بچا بچا کے چل رہی تھی۔ لیکن اُس دن تو اس نے ایسے بلا وے دیئے کہ آخر میں بھی کیا کرتا۔ یہ سالی بارش ہر چیز کو ٹھنڈا کرتی ہے لیکن واہ رے خدا تیری قدرت۔ جذبات کو تپا دیتی ہے۔ جسم میں انگارے بھر دیتی ہے۔ اُس نے کیوں انگلش کے او ہ کی اسٹائل میں ہونٹ گول کر دیئے تھے۔ آخر کو مرد ہوں کوئی ہیجڑہ تو نہیں ہوں بفضلِ خدا۔ میں بھی کہاں تک صبر کرتا۔ اور پھر سالا اندھیرا۔ اور میں نے اس سے پہلے کیا اُس کے سامنے کبھی گالی نہیں دی۔؟ اس دن گالی دی تو کس طرح بولی۔

"چھی چھی چھی۔ اچھے بچے گالیاں نہیں دیا کرتے"۔

کیا میں بچہ ہوں۔؟ ورغلایا تو اُسی نے مجھے۔ میں۔ میں بھی آخر انسان ہوں پھر کوئی اتنا اچھا سنگار کرتا ہے کیا۔ اتنا اچھا لگنا کیا معنی"۔

"لیکن عمران میاں۔ اگر کوئی بہت اچھا لگے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ دھاوا بول دو"؟؟

اس کے دل نے ملامت کی۔

"ارے دھاوا۔ دھاوا کیا معنی"۔ وہ باقاعدہ اپنے دل سے لڑائیاں لڑ رہا تھا۔ "میں تو سیدھے سادے انداز میں صرف دیکھ رہا تھا اُسے۔

اس نے مجھے اکسایا۔ ترسایا"۔

"واہ اُکسایا۔ ترسایا۔ وہ بے چاری شادی شدہ لڑکی۔ اپنے شوہر کے لئے کتنا تڑپتی ہے۔ وہ ایسی تھی ہی نہیں۔ یہ تم ہو عمران کاشف احمد۔ جس نے اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اگر تم اپنے آپ کو معاف کر بھی دو نا۔ تو اللہ تعالیٰ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ تمہاری یہ حرکت زنا بالجبر کے عنوان کے تحت

تمہارے اعمال نامے میں لکھی جائے گی"۔

عمران نے لاکھ بہلاوے اپنے دل کو دیئے لیکن ہر بار جب اُس نے تصوّر کیا۔ نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں ہی تھمایا گیا۔

شرمساری اور ندامت نے اس کا کھلنڈرا پن ہی چھین لیا۔ بیگم کامران اس کی خاموشی کو خود اپنی ناراضگی کا نتیجہ سمجھ رہی تھیں۔ بلاوجہ ویسے بھی وہ زیادہ نہیں بولتی تھیں۔ عمران کو یوں کٹا کٹا دیکھا تو وہ اور بھی زیادہ خاموش ہو گئیں۔

عمران اس بھنور سے نکلنا چاہتا تھا۔ ایک طرف ممّی کی ناراضگی۔ دوسری طرف تابی کا نرم رویّہ۔ وہ بن موت مرا جا رہا تھا۔ اگر تابی اسے اکیلے دیکھ پا کر ڈانٹ ڈپٹ ہی کر دیتی، بُرا بھلا ہی کہہ دیتی تو وہ خوش ہو جاتا۔ ہلکا ہو جاتا لیکن اس کے نرمی بھرے رویّے نے اسے بے موت مار دیا۔

گھبرا کر اُس نے ایک پلان بنا ڈالا۔

"یار مراد چل امریکہ کا چکر لگاتے ہیں"۔

مراد آیا تو اس نے اچانک ہی اپنا پروگرام پیش کر دیا۔

"خیر تو ہے۔ وہ ہنسا۔ یہ کیا سنک سوار ہوئی"۔

"سنک۔ ؟ وہ جھلّا کر بولا"۔ میں اپنے بزنس کو EXTENSION دینا چاہتا ہوں۔ پھیلانا چاہتا ہوں"۔

"لیکن عمّو۔ مراد صلاحیت سے بولا۔ میرے خیال سے تو اپنا بزنس خدا کے کرم سے پہلے ہی بے حساب فلورشں ہو رہا"۔

"نہیں۔ وہ قطعیت کے ساتھ بولا۔ اسے اور فلورش ہونا چاہیئے"۔

"کیا میرا ساتھ چلنا ضروری ہے"۔ مراد ہچکچا کر بولا۔

"آپ کے کون سے بیوی بچے یہاں آپ کی یاد میں روئیں گے"۔ وہ منہ

اچکا کر بولا۔ "بات کرتے ہو۔"

"ارے یار پاگل ہوا ہے تو۔ ہم دونو ہی چلے جائیں گے تو یہاں دیکھ ریکھ کون کرے گا۔ ؟سارا کاروبار چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ ذرا تو عقل استعمال کر یار۔"

"ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ پُر فکر انداز سے بولا۔

"پھر یہاں ممی بیمار۔ اور۔۔۔ وہ رُکتے رُکتے بولا۔" مس مہتاب بھی ایک بڑے بھاری TRAUMA سے گذری ہیں۔۔۔۔

اس سے بھی بڑے TRAUMA سے تو اب گذری ہیں۔ شعلوں کے سمندر سے گذری ہیں، اور میں بھی گذرا ہوں۔ اسی آگ کی جلن سے بچنے کے لئے تو میں فرار چاہ رہا ہوں۔۔۔۔۔

وہ ایک فیصلہ کرتے ہوئے بولا۔ "او کے مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا کہ ممی کی دیکھ ریکھ کے لئے ایک مرد کی موجودگی یہاں ضروری ہے۔ اکرم صاحب تو اپنے کاموں میں اتنے بزی رہتے ہیں کہ آئے دن فرح اکیلی یہاں آتی ہے کہ" انہیں فرصت نہیں تھی اسی لئے میں اکیلی چلی آئی"۔ ٹھیک ہے تو یہاں بمبئی میں بزنس اور ممی وغیرہ کا خیال رکھ۔ میں ہی ہو آتا ہوں۔"

بیگم کامران بھی عمران کے پروگرام سے بیحد خوش ہوئیں۔ اس کی خاموشی سے وہ سمجھ رہی تھیں کہ گلے گلے عشق میں ڈوب چکا ہے۔ اب جو خود اس نے جانے کی بات نکالی تو انہوں نے سوچا اچھا ہے چند روز کی دوری سے دماغ ٹھکانے آجائے گا۔ بزنس میں الجھے گا تو اور کوئی بات سوجھے گی ہی نہیں۔ لیکن وہ غلط سوچ رہی تھیں۔ وہ بزنس میں نہیں اُلجھ رہا تھا وہ صرف اپنے آپ میں الجھ رہا تھا اور خود کو سلجھانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

مہتاب نے جب سُنا کہ عمران امریکہ جا رہا ہے تو سُن سی رہ گئی۔ محبت سے

اُس نے بہت سی لپ اسٹک مانگی تھی۔ لیکن اب وہ لپ اسٹک کا کیا کرے گی۔ اُسے دیکھنے اور لوٹنے والا تو چلا جا رہا تھا۔ ؟ امی اُس سے اتنی مختصر اور کم بات کرتیں کہ وہ اس ماحول اور بنگلے میں خود کو بالکل UNFIT پا رہی تھی۔ پھر بھی وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں اُسی طرح پابند تھی۔

وقت پر امی کی دوائیں۔

وقت پر جوس۔

اپنی نگرانی میں کھانے بنوانا۔

ان کی دیگر ضروریات کا خیال رکھنا۔

زندگی خوبصورت ہوتے ہوئے بھی اچانک بدصورت ہو کر رہ گئی تھی۔

....

جوہو میں چوری کی بیحد وارداتیں ہو رہی تھیں۔ عمران نے اپنے نوکروں کو تاکید کر دی تھی کہ رات کو بنگلے کی اچھی طرح دیکھ بھال کیا کریں۔ گورکھے اور دربان کو خاص طور سے تاکید کی تھی کہ گیٹ پر کسی غیر آدمی کو پھٹکنے بھی نہ دیں۔

ایک شام دربان ایک آدمی کو گردن سے پکڑ کر لایا۔

"صاحب یہ زبردستی بنگلے میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

عمران نے اسے دیکھا۔ اک دم اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک اُبھری۔

"آ۔ آ۔ آپ۔" ؟ عمران ہکلا کر بولا۔ "جی ہاں عمران صاحب میں۔ میں اصل میں آپ کے بنگلے کا بڑی مشکل سے پتہ اُٹھا کر آیا ہوں۔ آپ اور پروماں خیریت سے تو ہیں نا۔"؟

عمران گنگ رہ گیا۔

"ہا۔ ں۔ جی۔ جی ہاں۔ بالکل۔" وہ سٹ پٹا کر بولا۔

"عمران صاحب - میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو ایک زبردستی کی شادی میں باندھ دیا - مگر میرے کو امید تھی کہ آپ میری بہین کے ساتھ خوش ہوں گے"۔

پھر وہ اٹک اٹک کر بولا -

"عمران صاحب - دنیا میں میری بہین کہیئے اج واحد سہارا تھا - پن اب - اب شاید وہ بھی نہ رہے"۔

"کیوں بات کیا ہے"۔ عمران حیرت سے بولا۔

"میں - میں آج رات اپنی سوتیلی اماں کا انشاءاللہ خون کر دوں گا - اُنوں اب اِتے معصوم لڑکیاں کی زندگی برباد کر رئے کی میں ہور برداشت نہیں کر سکتا۔ دو چار دن میں اخباراں پہ نیوز چھاپ دیں گے - آپ پرو ماں کو سنبھال لینا"۔

اور وہ آنکھیں پونچھتا ہوا چلا گیا -

....

اُس دن مہتاب نے انگریزی اخبار میں ایک نیوز پڑھی - "اعجاز نامی کسی آدمی نے اپنی سوتیلی ماں کو قتل کر دیا۔ اعجاز جیل میں"۔ وہ سوچ نہ سکی خبر پڑھ کر ہنسے یا روئے -

اُس دن تو مہتاب کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ خبر پڑھ کر ہنسے یا روئے - لیکن اُس سے اگلے دن کے انگلش پیپرز میں ایک خبر پڑھ کر مہتاب پھوٹ پھوٹ کر روئی -

"عمر قید ملزمہ اجالا دیوی پونہ جیل میں دل کی حرکت بند ہو جانے سے فوت ہو گئی۔ ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق کوئی رات کے ۴ اور ساڑھے چار کے وقفے میں دل کی حرکت بند ہوئی - کوئی وارث نہ ہونے کی وجہ اس لاوارث لاش کو جیل کے حکام کی موجودگی میں سپردِ آتش کیا گیا"۔

"اُجالا - کتنا باہمت تھا تمہارا دل جو اب تک دھڑکتا رہا - اسے تو مدتوں

پہلے بند ہو جانا چاہیئے تھا"

"بی بی - اتنے دکھ - اتنی چنتائیں اٹھانے کے بعد بھی یہ کیسا موہ ہے اس سنسار کا کہ مرنے کو جی ہی نہیں چاہتا" !

مہتاب سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی - کوئی نہ تھا جو اُسے تسلی دیتا۔

"بی بی اس جیون میں جتنے بھی دُکھ ملتے ہیں منش کو اکیلے ہی بھوگنے پڑتے ہیں - بس اپنے دو نین سب سے بڑے ساتھی ہوتے ہیں - بی بی اب تو میرا آنسوؤں سے بھی سمبندھ ٹوٹ سا گیا ہے، لیکن پہلے جب جی دکھتا تھا تو صرف نین ہی ساتھ دیتے تھے" پھر وہ عجیب سے لہجے میں اُسی دن بولی تھی -

"بی بی - بھگوان کا انسان پہ سب سے بڑا اُپکار آنسو ہیں - انسان روئے نا تو کتنا بھاری ہو جاتا ہے یہ من"

دو دن ایسے گذرے کہ سوائے آنسوؤں کے مہتاب کا جیسے کسی سے واسطہ ہی نہ تھا -

اعجاز جیسا کچھ بھی تھا، جو بھی سلوک اس نے مہتاب کے ساتھ کیا تھا اپنے حسابوں محبت سے کیا تھا اس لئے مہتاب کے دل میں اس کے لئے نفرت نہیں تھی - ایک طرح سے پیار ہی تھا - پہلے وہ - اور اب اُجالا - زندگی آخر اُسے کتنے دُکھ دینا چاہتی تھی - ؟ ؟

پہلے مہتاب کے کام کرنے پر امّی بیحد خفا ہوتیں - پیار سے ڈانٹتیں - اب اغوا کے واقعے کے بعد وہ جو بھی کام ان کے لئے انجام دیتی، وہ خاموشی سے اُسے کرنے دیتیں - مطلب یہ کہ ایک طرح سے انہوں نے اُسے نوکرانی کی حیثیت دے دی تھی -

مہتاب نے اتنی سی عمر میں زندگی کے اتنے سرد و گرم دیکھ لئے تھے کہ

اس کے لئے یہ کوئی دُکھ دینے والی بات نہ تھی کہ اُسے نوکرانی سمجھ لیا گیا ہے۔

دُکھ دینے والی بات یہ تھی کہ اسی گھر میں اُسے پہلے پیار اور عزت مل چکی تھی۔ بیٹی کا درجہ ملا تھا۔ اسے غم یہ تھا کہ اُس نے "ماں" کو کھو دیا ہے۔

"آپ امریکہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔"؟ عمران اپنا سامان اُلٹ پلٹ کر کے بیٹھا تھا، کیا ساتھ لے جائے۔ کیا نہیں۔ مہتاب نے پیچھے سے آکر یہ بات کہی تو وہ گرتے گرتے بچا۔

"تابی۔ وہ نظریں چُرا کر بولا۔ کیا کہہ رہی ہو تم ITS TOTALLY IMPOSSIBLE۔

"آپ کے بغیر میں مر تو سکتی ہوں۔ جی نہیں سکتی اب"۔ اُس نے اتنے ترسے ہوئے لہجے میں کہا کہ عمران پگھل گیا۔ اپنا سب کچھ گنوا کر بھی یہ معصوم لڑکی میرے لئے، جینے مرنے کی حد تک، بچھی جا رہی ہے۔

وہ آکر اُس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"میں آپ کے بغیر کیسے جیوں گی۔ اس گھر میں آپ ہی تو میرے..... آواز اس کے گلے میں کانپ کر رہ گئی۔

وہ سمجھ رہا تھا اس کا کیا مطلب تھا۔ ممی کے دل میں اب اس کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔

"دیکھو تابی۔ وہ بڑی مشکل سے بولا۔

مشکلوں کا ایک نہیں تو دوسرا حل نکل ہی آئے گا۔ میں بہت جلدی لوٹ آؤں گا" وہ دیوار کی طرف منہ کر کے بولا۔ مہتاب سے نگاہ چار کرنے اس میں ہمت نہیں تھی۔

روانہ ہونے سے پہلے جب وہ بیگم کامران کے کمرے میں گیا تو وہ دل پہ ہاتھ رکھے لیٹی ہوئی تھیں۔ اس کا دل عجیب سے درد سے بھر آیا۔

"بیٹا شادی کر کے جاتا تو میں کتنے سُکھ سے مر.....

اُس نے لپک کے ماں کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ " فار گوڈ سیک ممی۔ جاتے وقت ہمیشہ اچھی باتیں کرتے ہیں کہ سفر میں وہی باتیں یاد آ کر دل کو خوشی دیں....

" جوہری صاحب کے یہاں سے دو تین بار سندیسے آ چکے ہیں۔ بیٹا اُن کی لڑکی میں تجھے کیا عیب نظر آتا ہے۔ صورت شکل کی اچھی۔ پڑھی لکھی۔ نام پہ ایک بنگلہ۔ گاڑی۔ بس ذرا سانولی ہے تو سانولے پن کا بھی اپنا ایک حسن ہوتا ہے بیٹا۔ میں نہیں سمجھتی کہ پھر ایسا رشتہ جڑ سکے گا۔"

" ممی پہلے تو میں یہ بتادوں"۔ وہ اپنے سخت لہجے میں نرمی بھرنے کی کوشش میں تقریباً دانت پیس کر بات کر رہا تھا۔ " کہ مجھے لڑکی کی جائداد یا جہیز سے قطعی دلچسپی نہیں۔ میں تین کپڑوں میں لڑکی بیاہ کر لانے کا قائل ہوں۔ دوسرے یہ کہ ابھی میں قطعاً شادی کے موڈ میں نہیں ہوں اور اس وقت جب کہ میری ٹکٹ تک کنفرم ہو چکی ہے"۔ وہ طنز سے ہنسا۔

" ارے ہاں کہہ دیتے تم بیٹا تو وہ لوگ تو کم سے کم اپنی تیاری شروع کر دیتے۔ پھر وہ تھکی ہوئی ایک سانس بھر کے بولیں"۔ اور بیٹا دوسری اہم بات یہ کہنی تھی کہ اُس لڑکی کو جہاں سے لائے تھے وہیں چھوڑ آؤ..."

عمران نے زندگی میں کبھی اتنی تکلیف محسوس نہیں کی تھی۔ اس کا سارا چہرہ اپنے غصے اپنے جذبات کو کنٹرول کرنے میں تپ گیا۔

وہ انہیں سلام کرنے کے لئے ان کے آگے جھکا اور بہت ضبط کے ساتھ

بولا۔

"میرے آتے تک تابی یہیں رہے گی۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ اُس سے ایسا سلوک ہرگز نہیں رکھیں گی کہ وہ گھر چھوڑ کر جانے پر مجبور ہو جائے"۔

وہی جان لیوا بارشیں تھیں۔ وہی تڑپا دینے والا موسم تھا۔ وہی کمرہ۔ وہی اندھیرے۔ مگر وہ نہیں تھا جو اندھیرے میں اس کے وجود کا حصہ بن کر سرگوشی میں، جذبات بھرے لہجے میں اُسے توڑتے پھوڑتے ہوئے کہتا۔

NOW I WILL KILL YOU!

وہ تو کتنا مرنا چاہ رہی تھی، لیکن مارنے والا سات سمندروں کے پار بزنس ڈیل کر رہا تھا۔ یا کم سے کم وہ اپنے دل کو یونہی بہلا رہا تھا کہ میں بزنس ٹور پر نکلا ہوں۔

وہ سخت بزدل ثابت ہوا۔ بنگلے پر فون کرنے کی اُس میں ہمت نہیں تھی کہ مبادا تابی اٹھا لے۔ آفس ہی فون کر کے مراد سے ہر تین چار دنوں میں وہ خیریت پوچھ لیا کرتا تھا۔

"ممی کیسی ہیں۔ اور سب کیسے ہیں"۔

"ممی تو بفضلِ خدا اچھی ہیں"۔ اور سب "بیحد اداس ہیں"۔ مراد اُسے چھیڑتا۔

وہ ذرا بھی چہل دل میں محسوس نہ کرتا۔ اُلٹا اور اداس ہو جاتا۔

اُس نے خواہ مخواہ کام بڑھا بڑھا کے اپنے پہ مصروفیت طاری رکھی اور دو مہینے یونہی امریکہ میں نکال دیئے۔

دو مہینے مہتاب پر کرن کرن اُجالے لٹے، لمحہ لمحہ چاند سورج بن کر بکھرے۔ جس دن اُس نے صبح ہی صبح اُبکائی کے ساتھ قے کی، وہ رنگ و نور کے اُجالوں

میں نہا گئی۔ اور پھر یہ روز کا معمول بن گیا۔ کھانے پینے سے اس کی رغبت جاتی رہی۔ امی کے کھانے بنوانے کچن میں جاتی تو ساری کا پلو ناک سے نہ ہٹتا۔

"چھوٹی سی گڑیا۔ نیلی آنکھیں۔ سنہری بال۔ بھلا اُس کا عمران کے جیسا کیا ہو گا پھر۔؟ بال اور آنکھیں تو چلو میری آ گئیں۔ ہاں ناک اور ویسے ہی ہونٹ۔ بالکل گلابوں کی طرح گلابی۔"

"پاگل ہوئی ہو مہتاب جنگ۔ تمہیں پتہ ہے کل مراد صاحب کہہ رہے تھے اگلے ہفتے عمران آنے والا ہے۔ اس کے آنے سے پہلے پہلے تمہیں آنے والے حالات کے لئے خود کو تیار کر لینا ہے۔"

"کیا تیار کر لینا ہے۔ اُس نے اپنی ہی سوچوں کو جواب دیا۔" اب جب کہ میں ماں بھی بننے والی ہوں، کون سی رکاوٹ آ سکتی ہے ہمارے بیچ۔"

"تم بھول رہی ہو مہتاب جنگ۔ امی ہارٹ اٹیک کی مریضہ ہیں۔ عمران اگر انہیں یہ صدمہ۔ تم سے شادی کا صدمہ دینا بھی چاہے تو تم اپنی حالت دیکھ رہی ہو۔؟ ابھی کچھ ہی دنوں میں تمہارے جسم میں خوبصورت تبدیلیاں آئیں گی۔ تمہارے پیٹ میں جو خوشنما پودا پنپ رہا ہے، اُس کے آثار اُبھار کی شکل میں تمہارے جسم پر نمودار ہونے لگیں گے۔؟ ایک تو ویسے ہی تم ناری سدھار گھر کی لڑکی۔ پھر شادی شدہ ہونے کی بات بھی تم نے حماقت سے بتا دی تھی۔ پھر اغوا کی داستان۔ پھر طوائف کے اڈے سے تمہارا برآمد ہونا۔ اور اب۔ اب پیٹ میں بچہ بھی۔؟ ایک ماں آخر کتنی قربانیاں دے گی۔ کتنی باتوں کو نظر انداز کرے گی۔ اور بے چارہ عمران کس کس بات کی ماں کو صفائی دیتا بیٹھے گا۔ چلو عمران تو جانتا بھی ہے کہ یہ اُسی کا لگایا ہوا پودا ہے مان بھی لے گا۔ لیکن وہ تو یہی کہیں گی کہ اغوا کے بعد کا گناہ ہے یہ۔ اور ناداں لڑکی۔ تم عمران کو بھی کیسے اعتماد میں لو گی آخر کر

تمہارے جسم میں ایک روح پل رہی ہے۔ تم کسی اور کی بیوی ہو اُس کے نقطہ نظر سے۔ کیا تمہیں یہ سب بتاتے اچھا لگے گا"؟؟

"کیوں نہیں لگے گا۔ میں شروع سے آخر تک ساری داستان اُسے سنادوں گی۔ وہ یقین کیسے نہیں کرے گا۔ پروین رعنا سے شادی۔ ماؤنٹ میری کا FAIR فیئر۔ پھر یہ داغ۔ یہ داغ تو داغ نہیں روشنی بھرا چراغ ہے۔ میں اُسے بتاؤں گی تو وہ سب سمجھ جائے گا۔ اُسے ہر بات یاد آجائے گی"۔

"لیکن امی۔ امی کو کیسے منا سکو گے تم لوگ"؟

"مائیں بہت رحم دل۔ بڑی مہربان ہوتی ہیں اور پھر وہ تو بہت ہی محبت والی ماں ہیں۔ جب بیٹا اکلوتا ہو تو ماں اور بھی رحم دل اور محبت والی ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی محبت کا سارا مرکز بیٹا ہی ہوتا ہے۔ بیٹیاں تو پرائی ہو جاتی ہیں۔

"لیکن وہ سارے گناہ معاف کر بھی دیں گی تو یہ پیٹ کا بچہ نہیں معاف کریں گی ۔ ۔ ۔

"تو۔ کیا کروں"؟

اور بچے ہو جائیں گے بعد میں۔ اسے ضائع کروا دو۔ اُبھرے ہوئے پیٹ کی بہو آج تک کسی ساس نے قبول نہیں کی ہے ۔ ۔ ۔

مغلانی اماں کسی بھی بچے کی محلّے میں خاندان میں موت ہوتی تو ماں کو تسلّی دیتیں۔

"اے بی بی اللہ کی رحمت پہ نظر رکھو۔ سُنا نہیں تم نے"۔ سہاگن سہاگن تیرا بچہ کہاں گیا۔ کھیلنے گیا۔ مطلب یہ ہے بی بی کہ اللہ سہاگ سلامت رکھے، کھیلتے کھیلتے اور بھی بچے آجائیں گے۔ بچوں کو کہاں جانا ہے؟ ماں باپ سلامت تو بچے ہزار"۔

ہاں امی کے سامنے وہ اتنی ذلت نہیں اٹھا سکتی کہ وہ اُسے آبرو باختہ کہیں۔ رسوائی ہونا اور بات ہے۔ رسوائی کا زندہ ثبوت موجود ہونا بالکل اور بات۔

پھول کھلتے ہیں کیوں بہاروں میں۔ جب کہ مرجھانا ان کی قسمت ہے۔

پھول کھلتے ہیں کیوں؟

پھول کھلتے ہیں کیوں؟

وہ کیسے زندہ رہے۔ کیسے" ؟!

ڈاکٹر رضا ہمدانی اپنے کمرے میں ایزی چیئر پر لیٹے میڈیکل میگزین دیکھ رہے تھے کہ وہ طوفانوں کی زد پہ آئی ہوئی، خزاں رسیدہ پتی کی طرح ڈولتی ہوئی آئی اور پیچھے سے آکر اُن کے کندھے سے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

I WANT TO GET ABORTED DOC. I WANT TO ....

ڈاکٹر رضا ہمدانی اُس کے آنے اور یوں بے ساختہ لپٹ کر رونے سے قطعاً بدحواس نہیں ہوئے۔ وہ جانتے تھے اُن کے شانوں کو ایک دن ان آنسوؤں کی نمی ضرور بھگوئے گی۔ لیکن پریشان اور سُن رہ گئے وہ اس کی بات سُن کر۔

"I WANT TO GET ABORTED"

"میں اپنا حمل ضائع کروانا چاہتی ہوں"

وہ اس کے رونے میں مخل نہیں ہوئے۔ البتہ دائیں ہاتھ سے اس کے سر پر شفقت بھری تھپکیاں دیتے رہے۔ پھر اُٹھے۔ اٹھ کر اُسے بھی اٹھایا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے اور اُسے بٹھاتے ہوئے بولے۔ وہی مہذّب۔ دھیما دھیما لہجہ۔

"تابی۔ موت کا غم جھیلنے کے لئے ذرا سے صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن محبت کا غم جھیلتے، جھیلتے انسان خود مر جاتا ہے۔!

اب میں نے اپنا شمار زندوں میں کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اسی لئے تم بغیر کسی

جھجھک کے اپنی داستان مجھے سنا دو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں رؤوں گا نہیں ....". انہوں نے منہ پھیر کے اپنے آنسو پونچھے۔

ڈاکٹر صاحب جس وقت آج سے کچھ مہینوں پہلے میں آپ کے پاس پہنچی تھی۔ اس وقت میری شادی ہو چکی تھی .....

ڈاکٹر رضا ہمدانی نے اسے تڑپ کر دیکھا....

"میں نے آپ کو "مس" ہوں اس لئے کہا تھا کہ مجھے ڈر تھا کہ آپ میرا اندرونی چیک اپ نہ کروا دیں ۔ اور پھر... اُس نے رُک رُک کر۔ کہیں رو رو کر۔ کہیں جھجھک جھجھک کر۔ کہیں سسکیاں لے لے کر اپنی ساری داستانِ حیات ان کے سامنے کھول کر رکھ دی۔

ڈاکٹر رضا ہمدانی جانے کتنی صدیوں تک یونہی بیٹھے رہتے اگر وہ انہیں نہ پکارتی —

I M IN DIRE NEED OF YOUR HELP DOC....

"کیا میں تمہاری مدد کا محتاج نہیں ہوں"۔ ؟ ان کے دل کے کسی گوشے سے بے صدا آواز آئی "تم اگر ایک ہی ساتھ مجھے ختم کر دیتیں تو میں اس اذیت سے بچ جاتا جو قطرہ قطرہ خون میرے دل سے نچوڑ رہی ہے لیکن میں تو زندہ ہوں — اور غم یہ ہے کہ

I M'VERY MUCH ALIVE

اور اب خود سے پوچھ رہا ہوں کہ میڈیکل سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ ہر ہر عضو، ہر ہر ہڈی کا ایکسرے کر لیا جاتا ہے۔ کیا کوئی ایسی مشین نہیں رضا ہمدانی جو غموں کا ایکسرے کر سکے"! ؟

وہ چونکے۔ اپنی آواز میں ممکنہ شگفتگی اور اطمینان بھر کے بولے۔

"میں اپنے آپ کو خوش نصیب جانوں گا اگر آپ کی مدد کر پایا۔"

وہ سر جھکا کر بولی ۔"پلیز ڈاکٹر آپ نہیں ۔ آئی وانٹ سم لیڈی ڈاکٹر۔

"میں کسی لیڈی ڈاکٹر کی مدد چاہوں گی ۔"

"او۔کے ۔آئی ول مینیج اِٹ ۔"

وہ مضطرب مضطرب سے ٹہلتے رہے ۔

کتنے سوالات ۔ کتنے سوالات !! اُن کا دل سوالوں سے بھرا ہوا تھا ۔

"یہ کیسے ممکن ہے تابی کہ جس گھر میں آپ اتنے دنوں سے رہ رہی ہیں آپ کو اس کے مکین کا نام تک معلوم نہ ہو سکا ۔ آر یو شیور کہ یہ وہی عمران کاشف ہیں.....

تلخ حقیقتوں کے خنجر دل میں گڑتے ہیں تو آس پاس سے، وہیں کہیں سے امید کی ایک کونپل بھی تو سر اٹھاتی ہے ۔

۔شاید ۔ دل میں امید کی ایک لَو تو جلی ہے .....

جس طرف دیکھئے روشن ہیں امید کے چراغ !

جتنی دیر مہتاب نے جواب دینے میں لگائی اُتنی دیر میں صدیاں بیت گئی تھیں ۔

اے دل ۔ اے دل ۔

یہی وقتِ دعا ہے ۔

"بعد میں اور بھی کئی باتوں سے تصدیق ہو گئی ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے .....

دل وہ شیشہ ہے کہ پتھر پہ گرے پھر بھی نہ ٹوٹے دیکھو! ہاں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں ہی وہ دل تھا جسے قسامِ ازل نے چنا تھا کہ ہزار حادثوں سے چور چور کروں گا اور پھر بھی جلائے جاؤں گا ۔

انہوں نے بے شمار کرچیاں لہو لہو دل سے نکالیں اور اپنی ساری طاقتوں

کو جمع کر۔ کے کہا۔

"ایک بار اور سوچ لیجئے تابی ۔ جب عورت ماں بننے لگتی ہے تو پہلی اُبکائی سے اس کے دل میں مامتا کی وہ جڑیں پیوستہ ہو جاتی ہیں جو اُسے زمانے کے ہر سرد و گرم سے ٹکرانے کا حوصلہ بخش دیتی ہیں "۔!

دو ننھی ننھی سنہری چوٹیاں ۔ نیلی نیلی بٹنوں کے جیسی آنکھیں ۔ گوری رنگت پھولے پھولے گال ۔

وہ پوچھ رہے تھے ۔

"ARE YOU PREPARED?"

اُس نے دوزخ کی جلتی آنچوں میں کھڑے کھڑے، ڈوبتے دل سے جواب دیا۔

"YES DOCTOR I M FULLY PREPASED"

"میں پوری طرح تیار ہوں "۔ . . . ایک عظیم خوشی میری منتظر ہے۔ پھر ساری دنیا کی جنتیں میرے قدموں تلے ہوں گی ۔ عمران میرا ہوگا تو پھر بچوں کی کیا کمی ۔ ؟

"سہاگن سہاگن ۔ تیرا بچہ کہاں گیا ۔ ؟

کھیلنے ۔" ! نیلے نیلے نیلم ایسی آنکھوں والی میری گڑیا نا وہ خوش رنگ پھولوں سے بھری وادیوں میں کھیلنے جا رہی ہے ۔ وہ لوٹے گی اُسی چہرے مہرے کے ساتھ۔ لیکن ذرا دیر سے . . . . . .

اَلقَارِعَۃُ ۔ مَاالقَارِعَۃُ ۔ وَ مَا ادرکَ . . . . کھڑکھڑانے والی قیامت . . . .

مغلانی اماں دوزخ کا بیان پڑھا رہی ہیں ۔ باترجمہ، قرآن شریف ۔ سورۃ القارعۃ اور جب پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا ۔ کسی کو کسی کی سُدھ نہ ہوگی ۔ ہر طرف ایک آگ ہوگی ۔

نارٔ حامیہ۔ اور تم جانتے ہو کہ نارٔ حامیہ کیا ہو گی۔

آپریشن ٹیبل پر لیٹی ہوئی تابی۔ سر کے اوپر تیز چمکتی ہوئی آپریشن لائٹس ہرے ہرے کپڑوں میں ملبوس ڈاکٹرز اور نرسیں۔ وہ سر پٹختی ہے۔ یہ سرہانے کون کھڑا ہے۔

ڈاکٹر رضا ہمدانی۔

ڈاکٹر پلیز آپ نہیں۔ آپ نہیں...

وہ اس کے سر پر تھپکی دیتے ہیں۔ "میں ابھی باہر چلا جاؤں گا۔ ابھی ابھی آپ کو لوکل انستھیشیا LOCALLY ANESTHESIA دیں گے۔

پھر آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

"نو ڈاکٹر نو۔ میں FULLY بیہوش ہونا چاہتی ہوں۔ مجھے LOCALLY SENSELESS نہ کریں۔

I WANT TO GET RID OF THIS HELL!

مجھے مقامی بے حسی نہیں چاہیئے ڈاکٹر۔ مجھے پوری طرح بیہوش کر دیجیئے۔ میں اس دوزخ سے جلد نکلنا چاہتی ہوں..... ڈاکٹر....

ہتھیلی کی پشت میں یہ کیسی تکلیف ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر رضا کی مہربان آنکھیں دیکھ رہی ہیں نا مجھے۔

تابی۔ گنئے۔ ایک۔ دو۔ تین ڈا۔

ایک۔ یہ پہلا مہینہ۔ گڑیا صرف دودھ پیتی ہے میرا اور بس سوتی رہتی ہے۔ ہائے ذرا دیر بھی آنکھیں نہیں کھولتی۔ ایسی کاہے کی نیند ہے اس چڑیا کو...

دو۔ دوسرا مہینہ۔ غوں غوں کرنے لگی ہے۔ دیکھوں تو فوراً ہنسنے لگتی ہے۔ اچھی طرح باقاعدہ مجھے پہچاننے لگی ہے۔

تین - تیسرا مہینہ - اسے سے اتنی جلدی اٹھنے کی کوشش کرنے لگی ہے -
ہائے نظر نہ لگ جائے - منہ میں انگلیاں ڈال ڈال کے چوستی رہتی ہے - کیوں ری
کتنے جنم کی بھوکی ہے تو - اب دلیہ شروع کردوں گی اور دو قطرے روز انڈے
کی زردی . . . .

چار . . . اندھیرا - لامتناہی اندھیرا -

اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے کھُل رہی تھیں - اس کے وجود میں ایک
آگ بھری ہوئی تھی -

یہ نارِ حامیہ ہے - دوزخ کی آگ - اس میں گنہ گار جلیں گے - بڑی بڑی
زبانیں لئے شعلے دہکتے ہوں گے - گنہ گاروں کے لئے یہی جگہ ہے - میں نے کتنے
گنہ کئے تھے !

اے کاتبِ تقدیر تیرے قلم نے کیا کیا لکھا ہے میرے لئے - ایک ساتھ ہی
پورا کردے . . . .

وہ ہوش میں آگئی -

ڈاکٹر رضا ہمدانی اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں -

دین - دنیا - جنت - عقبیٰ - سب اس کے ہاتھوں سے پھسل چکے -

"میں کس لئے جیوں - کس کے لئے جیوں - ڈاکٹر . . . ڈاکٹر . . . . وہ
چلائی -

"آپ اب بہتر ہیں" وہ اُسے تسلی دے رہے تھے -

NO - NO - I M FINISHED

نہیں - نہیں - میں ختم ہوچکی ہوں -

میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا - میں . . . . .

میں ....." وہ پھر غنودگی میں چلی گئی۔

اُسی دن بیگم کامران کو HEART ATTACK ہوا۔

ڈاکٹر رضا ہمدانی کو بلایا گیا۔ وہ گئے۔ حالت نازک تھی۔ انہوں نے یہ بات تابی کو نہیں بتائی۔ وہ بھی کمزور تھی۔

دوسرے ہی دن عمران آگیا۔

ماں کو سخت قسم کا ہارٹ اٹیک۔ اور تابی پھر غائب تھی۔

"مائی گوڈ۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"میں مر جاؤں گا مراد۔ میں... میں اب زندہ نہیں رہ پاؤں گا۔"

"ہمت سے کام لو عمو۔ کیا بچوں کی طرح رو رہے ہو۔ اللہ سب ٹھیک کر دے گا۔"

"کتنے گناہوں کا بوجھ اٹھا کر میں زندہ رہوں گا۔ زمین میرا وزن سہار نہیں پائے گی۔"

بیگم کامران سے لپٹ کے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو پڑا۔ ان کی حالت ہی ایسی تھی۔ ڈاکٹرز نے انہیں ہلانے جُلانے سے بھی منع کیا تھا۔ وہ لان سے اپنے کمرے میں آرہی تھیں کہ زور کا درد سینے میں اُٹھا۔ دل پکڑ کر وہیں بیٹھ گئیں۔ دو دن سے اسی جگہ انہیں آکسیجن دی جا رہی تھی۔ ڈاکٹرز نے صاف کہہ دیا بچنے کے ایک فیصد بھی امکانات نہیں ہیں۔ انہیں زیادہ سے زیادہ خوش رکھا جائے۔"

"عمو۔ عمو بیٹا۔ انہوں نے کمزور ہاتھ بڑھائے۔ نہیں ممی نہیں۔ آپ ہلئے جُلئے نہیں۔ ڈاکٹرز نے منع کیا ہے۔ آپ اچھی ہو جائیں گی۔ ڈاکٹرز بتا رہے تھے پہلے سے کافی بہتر ہیں آپ بفضلِ خدا۔"

بیگم کامران کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بمشکل بول رہی تھیں۔

"کیسی بدنصیب ماں ہوں میں .. ۔ اکلوتے بیٹے کی شادی کی خوشی بھی نہ دیکھ پائی .... پرسوں ہی جوہری صاحب کے ہاں سے .... پھر سندیسہ آیا تھا۔ ابھی بھی تیرے سہرے کے پھول دیکھ سکتی ہوں بیٹا ... اگر تو ہاں کر دے ... اور اب تو مہتاب بھی نہیں ... میرا خدا گواہ ہے بیٹا اب مرتے مرتے کیا جھوٹ بولوں گی ۔ میں نے اُسے ایک لفظ بھی نہیں کہا پتہ نہیں کہاں چلی گئی .... کچھ بول بتا کے بھی نہیں گئی"۔

"ممی آپ پلیز زیادہ باتیں نہ کریں"۔ اس کا دل آگے ہی چور چور ہو رہا تھا ۔ وہ اور زیادہ کچھ نہیں سن سکتا تھا ۔

"بیٹا ۔ وہ ترسے ہوئے لہجے میں بولیں مجھے اپنی دلہن کی صورت بتا دے ....

مراد نے اُسے بید لتاڑا ۔

"یار تو سوچتا نہیں کہ مہتاب جنگ چلی گئیں ۔ ویسے بھی وہ تو نے بتایا شادی شدہ ہیں ۔ اب ممی کا آخری وقت ہے ۔ اب تو ہاں کر دے ۔ وہ جوہری صاحب کے گھر والے بھلے لوگ ہیں ۔ وہ کل بھی شادی دے سکتے ہیں ...

"میں اپنے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں کھو چکا ہوں ۔

DO WHATEVER YOU LIKE"

مراد نے پہلے تو جا کے بیگم کامران کو یہ خوشخبری سنائی اس کے بعد جوہری صاحب سے بات کی ۔

"ممی کو ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہے ۔ ہم لوگ چاہتے ہیں آپ کل ہی شادی کر دیں ۔"؟

جوہری صاحب خوشی کے مارے گنگ سے رہ گئے پھر فون میں خوب

زور سے چلاّئے ۔

"ارے بھئی کل ہی شادی ۔ ہاہا ۔ واہ ۔ لیکن صاحب اتنی جلدی کیسے ممکن ہے "

"جوہری صاحب ۔ مراد ہنسا " آپ کی سونے کے زیورات کی اتنی بڑی SHOP ہے آپ تو بادشاہ ہیں ۔ کل تک تو آپ بمبئی کی ساری لڑکیوں کا جہیز تیار کر سکتے ہیں "

ہاہاہا ۔ ۔ ۔ وہ بیحد خوش تھے ۔

"بھئی بات جہیز کی نہیں ۔ تیاری کی ہے ۔ ۔ ۔

آپ کے لئے وہ بھی کیا مشکل ہے ۔ بس کسی فائیو اسٹار ہوٹل کا ہال اور لان، سوئمنگ پول کا کنارہ بک کروا دیجئے ۔ ۔ ۔

عمران بجھی ہوئی آواز سے اس کی بات کاٹ کر بولا ۔ "بے وقوفی کی باتیں مت کرو مراد ۔ ممّی اُٹھنے کے بھی قابل نہیں ہیں تو ہوٹل تک کیسے جائیں گی ۔ "؟

"ایک منٹ جوہری صاحب " ۔ مراد فون پر ہاتھ رکھ کر بولا ۔

"ہاں تو کیا کہوں پھر " ؟ مراد نے عمران سے پوچھا ۔

"اُن سے معافی مانگ کر کہو آپ کو شادی ۔ یہیں " جنت نگاہ " سے کرنی پڑے گی ۔ مجبوری ہے ممّی ورنہ کیسے جا پائیں گی ۔ "!

مراد نے ان تک یہ میسیج دے دیا ۔ وہ ہنسے ۔ ہاہا ۔ بھئی واہ ۔ خیر صمد ہن صاحبہ کی بیماری کی مجبوری ہے تو اتنا تو کرنا ہی پڑے گا ۔ تو ٹھیک ہے جناب ۔ ہم اپنے عزیز رشتہ داروں اور احباب کو بس فون پہ ہی انویٹیشن دیئے دیتے ہیں کہ کل ۵ بجے عصر اور مغرب کے بیچ بی بی نادیہ کی عقد خوانی ہے، صاحبزادے عمران کاشف احمد سے ، تو سب تشریف لاکر ہماری تقریب کو رونق بخشیں ۔ ؟!

ٹھیک ہے۔"؟

"جی ٹھیک ہے"۔ مراد نے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے بجھے ہوئے لہجے کہا۔

بڑی طاقت ہے پیسے میں۔

کل تک جو بنگلہ ویران ویران سا تھا۔ آج یہاں سے وہاں تک رنگ و نور میں نہایا ہوا تھا۔ رنگین قمقمے۔ بڑے بڑے شامیانے۔ گیٹ کے پاس سے لے کر پورچ تک بڑا سا سرخ بانات کا منڈپ۔ مخمل کا گھیراؤ۔ اور جگمگاتا ڈائس۔ بے حساب پھولوں کی سجاوٹ۔ بسم اللہ خاں کی شہنائی کے ریکارڈز۔ یہاں سے وہاں تک جھلملاہٹ ہی جھلملاہٹ۔

جوہری صاحب نے دوطرفہ انتظام اپنے ذمے لے لیا تھا۔ مور کے پروں میں سے ایک ہی گر جائے تو مور کو کیا فرق پڑتا ہے۔

پانچ بجے سے پہلے پہلے مہمانوں کا وہ تانتا بندھا ہے کہ دوطرفہ گاڑیوں کی لائن لگ گئی۔ بے حساب خواتین۔ دنیا بھر سے جمع کئے ہوئے اپنے زیورات اور کپڑوں کی نمائش کرتی ہوئیں۔ چم چماتی گاڑیوں سے اُترنی شروع ہوئیں۔ ساتھ میں بچے۔ امیر گھرانوں کے بگڑے بچے۔ شور شرابے میں خوب اضافہ کر رہے تھے۔

لان میں بڑے بڑے فوم کے مخملیں صوفے بچھائے گئے تھے۔ کرایوں کے ٹرک میں صبح سے ہی سجاوٹ کا سامان اور فرنیچر آ گیا تھا اور جوہری صاحب کے نوکر انہیں سیٹ کر چکے تھے۔ "جنت نگاہ" گو کہ اتنا بڑا بنگلہ تھا، لیکن اس وقت مہمانوں سے اس قدر کھچا کھچ بھر گیا تھا کہ لگتا تھا چھوٹے بچے پیروں میں کچل جائیں گے۔

ایک کمرے میں دولہن کی سہیلیاں اُسے سنوار رہی تھیں۔ خوب مستی اور چھیڑ چھاڑ جاری تھی، عمران کے اپنے کمرے میں مراد اور دوسرے دوست مل کر عمران

کو دولہا بنا رہے تھے۔

"چھوڑ دیار۔ ITS TOO MUCH وہ بیزارگی سے بولا۔ وہ سہرا باندھنے میں سخت ناگواری کا اظہار کر رہا تھا۔ جوہری صاحب نے گیارہ ہزار روپے کا صرف صرف پھولوں کا سہرا بھجوایا تھا۔ اُس پر سچے موتیوں اور سونے کے پھولوں کا سہرا الگ تھا جو لاقیمت تھا۔

دوست اُسے ستا رہے تھے۔

"ارے یار بڈھے کی جیب موتی ہیروں ہی کی دکان ہے تو پوچھنا ہی کیا۔ لے باندھ لے یار"

"مجھے یہ سب پسند نہیں ہے یار" وہ جھلا کر بولا۔ "ارے یار شادی زندگی میں ایک بار ہی تو ہوتی ہے....

عمران کا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔ اس کی ایک شادی تو پہلے بھی ہو چکی تھی۔ وہ اس ٹاپک سے اپنے آپ کو خود بھی بچانا چاہتا تھا۔

مراد نے اُسے دیکھا تو عمران کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ مراد اس کی مدد کو آیا۔

"ارے سالو تم لوگ کیا ٹرٹر لگا رہے ہو۔

STOP IT ۔ نہیں اس کا دل چاہتا تو نہ سہی"

"ارے واہ رے میرے مٹی کے مادھو"

اے کشور اور جاوید۔ تم دونو، دو طرف سے اس سالے عمران کو پکڑو۔ اور رمیش تو پیچھے کھڑا ہو جا کہ بھاگے نا سالا....

ہنستے ہنستے دوستوں نے اس کے سر پر صافہ باندھ کر سہرا سجا دیا۔ موتیوں کا سہرا اس کے اوپر دمک رہا تھا۔

دلہن کے ماموں اور گواہ وکیل کے ساتھ، دلہن سے ایجاب قبول کروا کے آ چکے تھے۔ اب دولہا سے قاضی صاحب پوچھ رہے تھے۔

عمران کاشف احمد۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کے تحت۔ آپ کا نکاح نادیہ بیگم کے ساتھ بعوض ایک لاکھ سکّہ رائج الوقت نصف موجّل۔ نصف معجل پڑھایا جاتا ہے۔

کیا آپ قبول کرتے ہیں۔؟

صدیوں کی خاموشی۔

کیا آپ قبول کرتے ہیں۔؟

مراد نے اُسے ٹھوکا دیا۔

"جی ہاں۔ میں نے قبول کیا۔

میں نے قبول کیا۔

میں نے قبول کیا۔"

باہر زور زور سے بینڈ بجنے لگا۔ باراتی ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ چھوارے اور سوکھے میووُں کا ایک ٹرک بھر کے پہلے ہی آ گیا تھا۔ بے حساب چھوارے، بتاشے، کاجو خوبانیاں۔ اخروٹ لُٹائے جانے لگے۔

دولہا کو سب سے پہلے اپنی ماں سے ملنے لے جایا گیا۔

بیگم کامران ڈاکٹرز کی توقع کے برخلاف بیحد صحت مند لگ رہی تھیں۔ وہ باقاعدہ اٹھ کے چلی پھری تھیں۔ سفید بنارسی ساڑی اور سانچے موتیوں کے زیور میں وہ بڑی گریس فل لگ رہی تھیں۔

صمد ہی جوہری صاحب نے صمدھن ہونے کے ناطے مذاق کیا۔

"بیماری کا بہانہ بنا کے ہماری بیٹی ہم سے اتنی جلدی چھین لی۔"

ڈاکٹر ماتھر، ہارٹ اسپیشلسٹ اُن کی مستقل نگرانی اور دیکھ ریکھ کے لئے تقریباً یہیں ٹھہرے ہوئے تھے - برائے نام دو تین بار گھر گئے ہوں گے - وہ ہنس کر بولے -

"جوہری صاحب الیشور کی لیلا کا چمتکار دیکھ رہا ہوں بس - یہ ضرور ہے کہ خوشیاں، بیماریوں کو دور بھگا دیتی ہیں - لیکن میری معالجاتی زندگی کا پہلا تجربہ ہے کہ میں نے ایسا MIRACLE LITERALLY دیکھا کل وہ بمشکل سانس لے پا رہی تھیں اور آج تو چلی پھری بھی ہیں -" -

واہ رے بھگون . . . . انہوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیئے -

ٹیکسی سے اُتر کر مہتاب پھاٹک میں داخل ہونے لگی تو چکرا سی گئی -

"میں کسی غلط گھر میں تو نہیں آگئی - ؟ ؟

دو دن پہلے میں نے اس بنگلے کو چھوڑا تھا تو ایسے ہنگامے اور سجاوٹ کا شان و گمان بھی نہ تھا . . ."

اُس نے بے حساب کھڑے، کولڈ ڈرنکس پیتے، آئس کریم کھاتے، میوے چباتے باراتیوں میں سے کسی سے پوچھا -

"اس بنگلے کا نام کیا ہے"

"جنت نگاہ" کیئوں نے مل کر ایک ساتھ جواب دیا -

"شادی ہے کسی کی -" ؟

"ہاں - اس بنگلے کے مالک کی"

"بنگلے کے مالک کی -" ؟ وہ ڈول سی گئی -

"کون سے مالک -" ؟

کوئی ہنسا - "کتنے مالک ہیں اس بنگلے کے - ؟ ایک ہی تو ہیں عمران

کاشف احمد "!

کس طرح ٹوٹتے ہیں دل ! یہ بتاؤں تجھ کو؟ کرچیاں بن کے بکھر جاتے ہیں ہوئے ہوئے۔ غم رو رو کے یہ آنکھیں ہی بہی جاتی ہیں کس طرح کوئی سنبھالے گا کوئی بتلائے ؟

دل تو دل ہے کوئی پتھر نہیں جو نہ روئے ہائے اس دل میں مگر ایک بھی آنسو ہی نہیں.... خشک آنکھیں، گھومتا سر اور ٹوٹا دل لئے وہ دھیرے دھیرے ہال میں آئی ۔ بے حساب مہمان بیبیوں کے بیچ ۔ دولہا دولہن بیٹھے مبارکبادیاں وصول کر رہے تھے ۔

عمران نے ایک آوارہ روح کی مانند آتی ہوئی اُداس، بجھی بجھی مہتاب کو دیکھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اُس نے نیلے رنگ کی ساڑی پہن رکھی تھی ۔ نیلا بلاؤز اور نیلی ہی آنکھیں اپنے چہرے میں جڑ رکھی تھیں ۔ مہمان بیبیوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے ۔ سارے پھول پھول چہرے چاند چاند صورتیں اپنی رونقیں کھو بیٹھیں ۔ احساسِ کمتری کا ایک بادل ساروں کو ڈھک گیا ۔

"تابی ۔" عمران سحر زدہ، غمزدہ سا آگے بڑھا ۔ اتنی بے تابی بھی کیا ہے کہ تمہارے دل میں ۔ آج اک اور بھی امید کا جلتا ہے چراغ ۔ میں اندھیروں میں پلی ہوں مجھے رہنے دو یونہی ۔ میں تو ۔ میں تو بس خاک ہوں اور خاک میں مل جاؤں گی ۔

اس نے اپنے اوپر پڑنے والی حیرت زدہ نظروں سے بچ کے، اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں ۔

امی کمزور کمزور سی امی ۔ امیر صورت خواتین سے مسکرا مسکرا کر باتیں کر

رہی تھیں۔

"کون ہے یہ"

"کتنی حسین ہے"

"کتنی سندر ہے"

دولہا کے طرف کی ہے یا دولہن کے طرف کی"

"مائی گوڈ۔ واٹ اے بیوٹی

WHAT A BEAUTY

"ارے عمران ڈرامے کرتا ہے نا اُسی کی کوئی ہیروئن ہوگی"

ہاں ہیں عمران کے ڈرامے کی ایک ہیروئن ہی تھی۔

"مہتاب جنگ واقعی تم ہیروئن تھیں۔ بڑی SAD ENDING ہوئی ہے لیکن۔ دیکھنے والے مدتوں تمہیں دیکھ دیکھ کے روئیں گے۔ اس ڈرامے کے انجام پہ۔ خواتین اپنی ننھی ننھی دستیاں رومال نکال کر ناک پونچھ پونچھ کر ہال میں رویا کریں گی۔ تمہیں دل ہی ایسا ملا تھا۔

"عمران۔ CONGRATES۔" ہے ہے کانونٹ کی پڑھی ہوئی لگتی ہے" کوئی لڑکی حسرت زدہ لہجے میں بولی۔ یہ کانونٹ کی پڑھی ہوئی لڑکیاں کبھی پورا "کانگرے چولیشن" CONGRATALATIONS نہیں بولیں گی۔ صرف کانگریٹس۔ بولتی ہیں۔ اس کے منہ سے کتنا پیارا لگتا۔؟

عمران پتھر کا بت بنا کھڑا رہا۔

"آپ آئیں پلیز۔ ایک منٹ" وہ عمران سے بولی۔ وہ سحر زدہ سا اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

وہ بیگم کامران کے پاس جا کر رکی۔

"امی پلیز آپ ذرا اچھا فیل کر رہی ہوں تو چند منٹ کے لئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایکسکیوز می ۔ اُس نے دوسری خواتین سے معذرت چاہی" ۔ فرح باجی آپ بھی پلیز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس کا کمرہ قریب ہی تھا ۔ عمران نے اس کے کمرے کو، کسی کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیا تھا ۔ کوئی مہمان اس کمرے میں نہیں اترے گا" اُس نے مراد کو سختی سے کہا تھا" اس کمرے سے وہ یادیں متعلق ہیں جو اب زندگی بھر کسی برسات سے نہیں دُھلیں گی ۔ ہاں ۔ رنگ کچے ہوں نا تو بارش سے دُھل جاتے ہیں اور جو پکے ہوں تو دھوبیا دھوئے ساری عمریا ۔ تو بھی نہ دُھل پائیں ۔ یہاں ایک ہری بھری پیاری ناگن نے اُسے زہر سے نہیں، امرت سے ڈسا تھا ۔

اس کمرے کو کوئی نہیں کھولے گا ۔ ۔ ۔ یہاں صرف یادیں رہا کریں گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مہتاب نے سب کے بیٹھ جانے کے بعد، اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور تھکی تھکی سی وہیں دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی ۔

"عمران کاشف احمد ۔ وہ ڈوبتے ڈوبتے بولی ۔

میں پروین رعنا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

عمران ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا ۔

"پروین رعنا میرا گھریلو نام تھا ۔ مہتاب جنگ اسکول کا ۔ جیسا کہ حیدر آباد دکن کے نواب گھرانوں میں ہوتا ہے ۔ گھر کا نام الگ ۔ اسکول کا الگ ۔

ماؤنٹ میری کے بے پناہ رش میں تم نے سگار سے جو میری ہتھیلی کی پشت پر چراغ جلایا تھا ۔ وہ آج بھی جگمگا رہا ہے اور میری آئندہ زندگی کی اندھیری راہوں میں بھی جگمگاتا ہی رہے گا" اس نے چاندی جیسی ہتھیلی کی پشت اسے دکھائی ۔

"تم نے مجھے اس ہولناک اور گھنی آبادی والے شہر میں تنہا چھوڑ دیا عمران کاشف

جہاں جوان تو جوان - ادھیڑ عمر عورتوں کے بھی سودے ہو جاتے ہیں - میں نے کس کس طرح تمہارے نام کے سہارے ، خدا سے دعائیں کر کر کے اپنی عزت بچائی بڑی طویل داستان ہے عمران کاشف - لیکن میرا اللہ گواہ ہے کہ اس جسم کو سوائے تمہارے کسی نے نہیں چھوا -

میرے اغوا کی داستان ، ڈاکٹر رضا ہمدانی تمہیں سُنا چکے ہیں - وہاں بھی میں پارسا ہی رہی - لیکن " ناری سدھار گھر " کی چھاپ اور پھر اغوا کی واردات - اور پھر طوائفوں کے کوٹھے سے میری بازیابی - میری پارسائی کی چُنری داغ داغ ہو گئی عمران کاشف - لیکن یہ صرف تم جانتے تھے کہ میں کتنی پاکیزہ تھی "

عمران کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے - " تابی - تابی . . . . وہ بے سدھ ہوا جا رہا تھا -

" نہیں عمران کاشف - زندگی بھر اس قدر خاموش رہی ہوں کہ اب بولتی ہی چلی جاؤں گی اور تم سنتے چلے جاؤ - اس زر - زن اور زمین کے گرد گھومنے والی دنیا کا اصل کردار مرد ، کیوں لوگوں کے ذہن سے اوجھل ہو گیا کہ اس زر - زن اور زمین کے لئے فساد کرنے والا تو دراصل مرد ہی ہے . . . .

وہ بڑی تھکی تھکی سی ہنسی ہنسی -

" تم سے زندگی بھر نہ مل پاتی - نہ تمہارا چہرہ دیکھا تھا نہ تمہاری تصویر - ایسے بچھڑے کہ کبھی خوابوں میں ملتے تو بھی نہ پہچان پاتے - کھوجتی بھی تو کیسے - صرف ایک نام تھا - صرف ایک نام - جس کے گرد ساری زندگی گھوم رہی تھی -

اور اس دن اگر اغوا کرنے والوں کے گھر سے فون نہ کرتی تو شاید ابھی بھی اندھیروں میں ہی رہتی " - وہ ہنسی - " خیر اندھیروں میں تو ابھی بھی ہوں اور اندھیرے ہی مقدر بھی ہیں . . . .

فون پہ تم نے اپنا نام بتایا۔
عمران کاشف احمد ۔ اور مجھے زندگی کی ہر خوشی مل گئی ۔
میں گھر لائی گئی ۔ ہوش میں آئی تو سب سے پہلی بات امّی کے منہ سے سنی۔
میں طوائفوں کے اڈّے سے پکڑی گئی ہوں ۔ "ناری سدھار گھر" کی چھاپ
تو پہلے ہی ماتھے سے جھومر بن کر لٹک رہی تھی ۔

میں سمجھ گئی اب زندگی بھر اس گھر کی بہو بننے کی سعادت مجھے نہیں مل سکتی ۔
میں نے اپنا تعارف تم سے نہیں کروایا کروہ بے معنی تھا ۔ لیکن دل میں امیّد
کی کرن جلتی ہی رہی ۔ پھر برسات کی اس دوپہر کو جنّت کی سوغات میری زندگی
میں بھجوائی گئی ۔

بس خوشی کے وہی چند لمحے تھے جو اس بیس سالہ زندگی میں میں نے دیکھے ۔
اور اُسی خوشیوں بھری دوپہری کی ایک انمول بوند ۔ میرے وجود میں سماگئی۔
ہاں عمران میں ماں بن رہی تھی "۔
عمران نے سہرا نوچ کر پھینک دیا ۔
نہیں ۔ نہیں تابی ۔" تھی " مت کہو" وہ حواس کھو رہا تھا ۔
" ہاں عمران ۔ امّی کی بدلی ہوئی نگاہیں دیکھ کر میں نے سوچا ۔ ابھی تو خیر امیّد
کی ایک آس تھی کہ شاید وہ بدنامی کے ان داغوں کے باوجود بھی مجھے قبول کرلیں لیکن
پیٹ نکلے اُبھار کے بعد تو کوئی ماں بھی اتنی فراخ دل نہیں ہو سکتی ۔

سو میں نے اپنے قدموں تلے تعمیر ہونے والی جنّت کی خود تخریب کردی کہ
زندگی کی تعمیر کے لئے میری نگاہوں میں اس تخریب کی بڑی ضرورت ۔ بڑی
اہمیت تھی ۔ وہ ننھی سی جان جو سدا میرے خوابوں کا محور اور مرکز بنی رہی ۔
جس کا رنگ روپ میرا ہوتا اور ناک نقشہ تمہارا ۔ جو ہنستی تو بجھے ہوئے چراغ

جل اٹھتے ۔ جو روتی تو اس کے آنسوؤں کے ہیروں سے اُجالے پھیل جاتے ۔ وہ معصوم اور ننھی جان اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی عمران ۔ کیونکہ میں عزت سے، سر اٹھا کر جینا چاہتی تھی "۔

اُس نے تھک کر کھڑے کھڑے ہی آنکھیں بند کیں ۔ پھر کھول کر بیگم کامران سے مخاطب ہوئی ۔

" امی ۔ عمران آپ کو ہماری شادی کی پوری داستان سنا دیں گے ۔ ہماری باقاعدہ شادی ہوئی تھی امی ۔ لیکن مجھے چھوڑ کر جانے والا کوئی اور نہیں میرا ہی شوہر تھا ۔ مجھے بدنام زمانہ " ناری سدھار گھر " کے کثیف ماحول میں پہنچانے والا کوئی اور نہیں، میرا ہی شوہر تھا ۔ مجھے دنیا کے سرد و گرم طوفانوں میں ڈبو کر جانے والا کوئی اور نہیں ۔ میرا ہی شوہر تھا ۔ اور وہ بھی میرا ہی شوہر تھا جس نے مجھے کائنات کی سب سے عظیم خوشی، سب سے عظیم فخر، اور سب سے عظیم بلندی بخشی ۔ مجھے بارش کے ایک خوبصورت موسم میں لڑکی سے عورت، کلی سے پھول بنا دینے کی سعادت عطا کی ۔ اور مجھے وہ انہونا خواب بھی بخشا کہ میں ماں کہلاتی ۔ لیکن امی میں بے عزتی سے، سر نیچا کر کے نہیں جینا چاہتی تھی ۔ اسی لئے میں نے یہ سب سہا ۔ لیکن . . . .

" لیکن ۔ عمران تڑپ کر بولا ۔ ابھی بھی کچھ نہیں گیا ۔" وہ ہاتھ مل رہا تھا ۔" تابی میری مانو ہم نئے سرے سے زندگی . . . . ۔

وہ طنز سے ہنسی ۔ " مجھے کس خانے میں رکھو گے عمران کاشف احمد ۔ ؟ پہلی بیوی کے یا دوسری بیوی کے "۔ وہ بیحد تلخ ہو کر بولی ۔

" اللہ کو جائز کاموں میں سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے ۔ بندے کی بھی ایک پسند ناپسند ہو سکتی ہے تو مجھے جن باتوں کی مذہب سے اجازت دی گئی، ان میں سب سے زیادہ ناپسند ایک سے زیادہ شادیاں ہیں ۔ اس سے

زیادہ بے ہودہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی - اللہ مجھ پہ ناراض ہوتا ہے ہُوا کرے - میں معافی مانگ لُوں گی، توبہ کر کے اس کو منا بھی لوں گی لیکن یہ کہنے سے باز نہیں رہوں گی کہ وہ دنیا کے سارے گناہ معاف کر دے گا لیکن نہیں کرے گا تو شرک کو - جب خود اُسے شرک اتنا ناپسند تھا تو اُس نے اپنی مخلوق - عورتوں پہ شراکت کا یہ ظلم کیوں کیا -؟ ایک مرد، ایک عورت کا تصوّر آدم اور حوّا سے چلا آ رہا ہے اور میں اپنی شجرہ پرستی میں حق بجانب ہوں - کیسا لگے تم مردوں کو، اگر ایک ایک مرد - دو دو - تین تین - چار چار بیویاں رکھنے والا مرد، یہ منظر دیکھے کہ وہ اُن دو - تین - یا چار مردوں میں سے ہے، جنہیں ایک بیوی نے پال رکھا ہے -؟! مجھ پہ یہ سب کہتے ہوئے گناہ ہو رہا ہو گا - خدا کا عذاب نازل ہو رہا ہو گا - لیکن کیا یہ زندگی جو اَب تک میں نے گذاری ہے، کیا کسی عذاب سے کم رہی ہے -"؟؟

"امی - میں وہاں بھری بارات کے سامنے کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی - عمران کی پوزیشن نہیں گرانا چاہتی تھی کہ یہ تو پہلے ہی سے شادی شدہ ہے - اسی لئے میں نے آپ کو اس کمرے میں بلایا تھا تاکہ الگ سے، تنہائی میں یہ ساری باتیں بتلا تو دوں جانے سے پہلے، آپ کو یقین ہو جائے کہ میں نہ تو آبرو باختہ تھی - نہ آوارہ تھی نہ بدچلن تھی - ایک بد نصیب لڑکی تھی جسے سر اونچا کر کے آرزو تھی - اور ہے . . . . .اُس نے "ہے" پر زور دیا -

اُس نے چٹخنی کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو عمران لپک کر اس کے پاس آ گیا -

"تابی - میں دنیا کی عزیز سے عزیز شے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے زندگی میں صرف اور صرف تمہیں چاہا ہے - میں تمہارا مجرم ہوں - میں اپنے

گناہ اور جرم کا اقرار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وہ دھیرے سے مسکرائی۔ عمران کاشف احمد "مرد کبھی مجرم نہیں ہوتا۔ مرد کوئی گناہ نہیں کرتا۔ تم نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ہاں اگر میرے ہاتھوں میں میری فردِ جرم پکڑائی جائے اور جرموں کی فہرست پڑھ کر سنائی جائے تو صرف ایک جرم۔ ایک ہی جرم میری پیشانی پر لکھا ہوگا۔ اور وہ جرم یہ ہوگا کہ میں ایک زن تھی۔ اور زن ہونا اس کارگہِ حیات میں اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے لئے کوئی بھی سزا ناکافی ہے۔ اور معافی۔ وہ تو خیر ہے ہی نہیں"۔

وہ مڑی۔ "مجھے روکنے کی ہر کوشش بیکار ہوگی عمران۔ میں شراکت کے لئے پیدا نہیں ہوئی تھی"۔

وہ سبھوں کو حیران، پریشان چھوڑ کر، صدیوں کا کرب اور قرنوں کی اداسی اپنے چہرے پہ ملے کمرے سے نکلی تو باہر کی دنیا اتنی ہی جگمگا رہی تھی۔ قہقہے، گیت شہنائی، کھانا پینا۔ ہنسی مذاق، زیوروں اور بنارسی کپڑوں کی چمک دمک۔ کسی نے MIND بھی نہیں کیا کہ دولہا میاں اتنی دیر کے لئے کہاں غائب کر دیئے گئے تھے۔

"ہوگی کوئی ریت رسم"۔

سب آپس میں اسی طرح ہنسی چہل مذاق میں مصروف و مشغول تھے۔

"ارے دولہا راجہ اب تو باہر آیئے۔ کہاں کہاں کی ریتیں رسمیں نبھا رہے ہیں۔ یہ اصل CENTNE OF ATTRACTION تو یہاں ہے"۔ ۔ ۔

کسی شریر سی، دولہن کی سہیلی نے عمران کو آواز دی۔

"چلو بیٹا۔" بیگم کامران نے تھکے تھکے لہجے میں بمشکل کہا۔ ان کی آنکھیں بھری ہوئی تھیں اور دل کی تکلیف عود کر آئی تھی۔

عمران نے اپنے وزنی قدم اٹھائے۔

جب بھی تم اس طرف سے گذروگے۔
تم کو میرا خیال آئے گا۔
میرے کمرے کی سرد خاموشی
بڑھتے قدموں کو روک دے گی وہیں

اس کے قدم بڑھتے بڑھتے رک گئے۔ یہ کس نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا ہے... کون ہے یہ ـــ

میری باتوں کو یاد کر کر کے
ہنستے ہنستے بھی رو پڑو گے تم
اور رو رو کے پھر یہ سوچو گے
اس جگہ ایک پھول ہوتا تھا

اس نے بے تابانہ اس بستر کی طرف دیکھا جہاں وہ پھول اسے ملا تھا۔
پھول جو زندگی کا مظہر تھا۔
سہرا تو وہ پھینک چکا تھا۔ گلے کے ہاروں کے پھول اس کی انگلیوں کی زد میں تھے....

پھول کھلتے ہیں کیوں بہاروں میں
جبکہ مرجھانا ان کی قسمت ہے

کسی لڑکی نے بھاگتے ہوئے آکر اس کا ہاتھ کھینچا۔
"یوں دلہن کی چال نہ چلئے جناب ـ آپ دولہے ہیں مرد ـ جلدی چلئے ـ سب راہ دیکھ رہے ہیں"
دو تین لڑکیوں نے اسے نادیہ ـ دلہن کے پاس گھسا کر بٹھا دیا ـ
"یہ لیجئے اپنی دلہن کا چاند سا چہرا دیکھئے اور دل تھام لیجئے...."

میرے ہونٹوں پہ میری سانسوں میں ایک ہی ایک نام گونجے گا۔
ایک ہی ایک نام۔
ایک ہی ایک نام۔
آرسی مصحف کی مسند تھی۔ آئینے میں اُسے دلہن کا چہرہ دکھایا جا رہا تھا۔
وہ اس وقت کہاں جا رہی ہوگی۔ کہاں رہے گی۔ "کیا وہی پھر ناری سدھار گھر"..... نہیں۔ نہیں.....
"اجی کہاں کھو گئے ہیں دولہے نواب۔
اس کھلے ہوئے گلاب کے پھول سے یہ کھیر اپنی دلہنیا کو چٹائیے..."
کسی نے اس کے ہاتھ میں گلاب کا ایک کھلا کھلا خوں رنگ گلاب تھما دیا۔

میں بھی ایسا ہی پھول تھی ہمدم
جو کھلا تھا بہار کی رُت میں
پر بہاریں نہ مجھ کو راس آئیں
ایسی مرجھائی پھر نہ کھل پائی
خاک تھی خاک میں ملی ایسے
پتیاں تک اڑیں ہواؤں میں

ایک ایک پتی، بکھر بکھر کر منہ پر گر رہی تھی۔
"اے ہے دولہے راجہ یہ کیا۔ پتیاں توڑ کر کیوں اُڑا رہے ہو..."
وہ چونکا...
تابی۔ میں کہاں تم کو ڈھونڈنے جاؤں! وہ بلا کسی شرم و جھجک کے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔
کسی نے کچھ نہ پوچھا۔ سب نے تاویل ڈھونڈھ لی۔

"باپ کی یاد آگئی ہوگی۔ اکلوتا بیٹا ہے نا"؟

بیگم کامران نے دکھ سے اُسے دیکھا۔

زندگی اب کبھی اسے ہنسنے نہیں دے گی اور حالات رونے نہیں دیں گے۔ آج کوئی اسے نہ روکے کہ صرف آج کا دن ہی وہ دن ہے جو اس جان لیوا غم کے لئے اُسے سمندر سمندر آنسو میسّر کر سکتا ہے۔

کیا کبھی تم نے یہ بھی سوچا ہے

میں تمہارے ہی دل کی دھڑکن تھی!

اور کیا تم نے بھی یہ سوچا ہے تابی کہ زندگی صرف ایک لمحہ تھی۔ ایک سنہری اور معطّر لمحہ۔ وہ خوشبوؤں بھرا لمحہ جواب کھوگیا ہے بچھڑ گیا ہے۔ تم جو کہتی ہو کہ میں تمہارے ہی دل کی دھڑکن تھی۔ "تو کیا میں۔ میں! اس دھڑکن کے بغیر زندہ رہ جاؤں گا۔ ؟ زندہ رہ پاؤں گا" ؟!

جگمگاتے کمروں۔ کوریڈور، جھلملاتے ڈرائیو وے سے، دھیرے دھیرے چلتی، ڈگمگاتی اپنے آپ کو سنبھالتی جب وہ باہر نکل کر سڑک پر آئی تو بہت سارے مہمان ڈنر سے فارغ ہوکر اپنی اپنی کاروں میں بیٹھ رہے تھے۔

وہ اپنی ہی دُھن میں آگے بڑھتی جارہی تھی کہ کسی نے اچانک اسے آواز دی۔

"تابی۔ تابی"

اب کون اسے تابی کہہ کے پکار سکتا ہے۔ اُس نے خواب کی سی کیفیت میں مڑ کر دیکھا۔

اپنی لمبی سی گاڑی میں بیٹھنے کے لئے ڈاکٹر رضا ہمدانی نے کار کا پٹ کھول لیا تھا۔ ایک پیر اندر ایک ابھی باہر ہی تھا۔

انہوں نے جلدی سے پیر باہر نکالا۔ کھٹ سے دروازہ بند کیا اور لپکے

ہوئے اُس کے پاس آئے۔

"کہاں جارہی ہو تابی"۔ اُن کا لہجہ آج بھی اتنا ہی مہذب تھا۔ آواز اتنی ہی بھاری اور دل میں اتنی ہی گہرائیوں تک اتر جانے والی۔ ہلکے چاکلیٹی رنگ کے سوٹ میں وہ بے پناہ گریس فل لگ رہے تھے۔

"کہاں جارہی ہو تم۔ چلو میں تمہیں چھوڑ دوں۔؟! وہ بیحد نرمی سے بولے۔

"کہاں۔"؟

تابی نے اُن سے بڑے دکھی لہجے میں پوچھا۔

ڈاکٹر رضا ہمدانی کا دل مارے دُکھ کے ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔

"کہاں۔"؟

"کہاں۔"؟؟

"کہاں۔"؟؟

"آپ کے دُکھ کتنے بھی بھاری سہی تابی۔ میرے کندھے بہت مضبوط ہیں"۔

"یہ شخص۔ وہ شخص ہے مہتاب جنگ جس نے کبھی کسی جبیں کے آگے سجدہ نہیں کیا۔ کسی در پہ سر نہیں جھکایا۔

"تابی۔ تمہیں پتہ ہے۔ پاپا بیحد چاہتے تھے کہ ڈاکٹر رضا ہمدانی زیبا سے شادی کرلیں۔ فرح سے بڑی بہن جو اب امریکہ میں بیاہی گئی ہے نا۔؟

ممی کہتی تھیں اگر ایسا لڑکا میری بیٹی کے لئے مل جائے تو میں بنگلہ، گاڑی۔ کیش کیا کیا نہ دے دوں گی جہیز میں"۔

"احمد صاحب پھر انہوں نے انکار کیوں کیا"۔ تابی نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"اُن کا کہنا تھا کہ بھئی میں شادی گھر گرہستی اور بیوی کے چکر میں پڑنے والا آدمی ہوں ہی نہیں۔ مجھے صرف سوشل ورک کرنا ہے۔ لوگوں کی۔ زیادہ تر غریبوں

کی مدد کرنی ہے ۔ بس اسی لئے منع کر دیا ۔ ویسے اس قدر نامور ہیں اتنا روپیہ ہے ۔ خدا نے ہاتھ میں شفا بھی اتنی دی ہے ۔ ہمیشہ لوگوں میں، خواتین میں گھرے رہتے ہیں لیکن واقعی اُن کا ٹائپ ہی ایسا ہے ۔ وہ کسی لڑکی پر مائل ہو ہی نہیں سکتے ۔ آئی بٹ فار اِٹ ۔ میں اس کے لئے شرط باندھ سکتا ہوں"۔

تابی بیٹھی اپنے ناخن دیکھتی رہی ۔" آپ لوگوں کے CONTACT میں کیسے آئے یہ ۔" ؟

"ارے کیسا عجیب سوال کر رہی ہو ۔ وہ اتنے مانے ہوئے قابل ڈاکٹر ہیں ۔ ممی کی بیماری میں پاپا ہی نے انہیں بلایا تھا ۔ کافی سالوں کی بات ہے، تبھی سے مسیحا ہیں ......

مسیحا ۔ مسیحا ۔ مسیحا .....

وہ کہہ رہے تھے ۔" میں مسیحا ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا تابی ۔ لیکن میں تمہیں خوش رکھنے کا اہل ضرور پاتا ہوں خود کو"۔ کبھی آپ ۔ کبھی تم ۔ یہ اُن کی ہڑبڑاہٹ ۔

"آپ گاڑی میں بیٹھ جائیں پلیز"۔ وہ اس سے درخواست کر رہے تھے ۔

"کس رشتے سے ۔" ؟

کس رشتے سے ۔ ؟ ؟

کس رشتے سے ۔ ؟ ؟ ؟

وہ اتنے مضبوط ارادوں والے ۔ اس تین لفظی سوال سے ہل سے گئے ۔

صرف ایک رشتے سے کہ میں آپ کو چاہتا ہوں ۔ اتنا کہ اس مقدار اور تعداد کے تعین کے لئے نئے بند سے، وضع کرنے پڑیں گے ۔ وہ خاموش تھے !

بڑی ہمت، بڑی توانائی سمیٹ کر وہ بولے ۔

"ہمارے مذہب میں طلا .....

مہتاب نے ان کی بات پوری نہیں ہونے دی۔

آئی نو اِٹ۔ بٹ آئی ہیٹ اِٹ۔

I KNOW IT BUT I HATE IT

میں جانتی ہوں لیکن میں اُس چیز سے نفرت کرتی ہوں۔ خود اللہ تعالیٰ بھی .....

"لیکن اُسی اللہ نے اجازت بھی تو دی ہے نا....." وہ اس قدر اُس سے اُسے دیکھ رہے تھے کہ مہتاب کو اُن پہ ترس آگیا۔

"ڈاکٹر صاحب" وہ انہیں مخاطب کر کے بولی۔

"آپ کے بھجوائے ہوئے روپے میں کبھی نہ کبھی آپ کو لوٹا دوں گی"

ڈاکٹر رضا ہمدانی کے چہرے پہ دُکھ کے، کرب کے آثار اتنے شدید ہو گئے کہ وہ خود روئے جیسی ہو گئی۔

"کیا کیا لوٹائیں گی آپ۔"؟ وہ، صاف لگ رہا تھا کہ اپنے آنسوؤں کو سخت کوشش کے باوجود ضبط کرنے سے قاصر ہیں۔ ان کی آواز میں آنسوؤں کا نمک گھلا ہوا تھا۔

وہ بڑی دیر بعد بولے۔"آپ نے میری زندگی لے لی ہے۔ وہ لوٹا سکیں گی آپ۔"؟

وہ کچھ نہ بولی۔ الفاظ بے معنی تھے۔ جذبے بے نام تھے۔ اور اس کے پاس کچھ کہنے کے لئے الفاظ تھے بھی کہاں۔؟ اُس نے چلنے کے لئے قدم اُٹھائے۔

مان جایئے۔ تابی۔ پلیز۔ رک جایئے۔ وہ قدم اٹھائے گئی۔ وہ لپک کر بے تابی سے اس کے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔

"تابی۔ دنیا بہت ذلیل ہے یہ۔ اور آپ بہت معصوم ہیں۔ مت دیکھئے

گا میری صورت - مت ملئے گا مجھ سے - لیکن پلیز تابی.....

وہ آکر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے -

" ڈاکٹر رضا ہمدانی - میں آپ کو اپنی قسم دیتی ہوں - میرے راستے سے ہٹ جایئے " وہ - جسے وہ دنیا میں سب سے زیادہ چاہتے تھے، اُسی نے انہیں اپنی قسم دے دی تھی - وہ لاچار سے، بے بس سے اُسے دیکھتے رہے - دیکھتے رہے پھر اس کے راستے سے ہٹ گئے -

"مگر آپ جائیں گی کہاں -"؟ انہوں نے بھاری دل سے پوچھا -

وہ کچھ نہ بولی - بس آگے بڑھتی گئی وہ بے بس نگاہوں سے اسے دیکھا کئے -

" تابی پلیز "

" آخری بار - ایک بار - صرف ایک بار تابی.....

ان کے ترسے ہوئے لہجے نے اس کے پاؤں جکڑ لئے -

وہ پلٹی - کیسا روشن روشن چہرہ تھا - اتنے غموں کے باوجود -

شاید - نہیں یقیناً چاند نے اسی چہرے سے روشنی پائی ہے -

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں -

"ڈاکٹر رضا ہمدانی ! - کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو دُکھ دے کر خوشی محسوس کروں گی - آپ جھوٹوں کہہ کر دیکھئے میں سچوں آپ کو اپنی زندگی دے ڈالوں گی - پلک جھپکانے بھر کی بھی دیر نہیں کروں گی - لیکن....."

اس نے ان کے اداس چہرے کو دیکھ کر بڑی مشکلوں سے اپنی بات جاری رکھی -

" آپ جو چاہتے ہیں میں وہ آپ کو نہیں دے سکتی - طلاق خدا کو ناپسند ہے اس لئے نہیں لوں گی - جائز سہی، لیکن خدا پسند تو نہیں کرتا نا - ؟ مجھے بھی طلاق

پسند نہیں۔ اس لئے کہ میری فطرت میں حوّا کی سرشت رچی ہوئی ہے ۔ جو صرف ایک آدم کی ہو کر جئیں اور مریں"۔ وہ رکی پھر دم لے کر بولی ۔

"اور عمران کے ساتھ میں اس لئے نہیں رہ سکتی کہ میرے دل نے ماں باپ کے بخشے ہوئے مذہب کے علاوہ بھی مجھے ایک مذہب دیا ہے ۔ جس پر میں گناہ اور ثواب سے بے خبر ہو کر چلتی ہوں ۔ مجھے شراکت پسند نہیں ۔ میرے اسی دل والے مذہب میں، کسی کسی کی شرکت مجھے قبول نہیں ۔ میں نہ بٹ سکتی ہوں نہ اپنے دل کو۔ وہ میرا دل ہی تو تھا نا ڈاکٹر ۔ بانٹ سکتی ہوں ۔ میں شیئر SHARE کرنے میں بلیو نہیں کرتی ۔ میں مٹ جانے میں بلیو کرتی ہوں میں مٹ جاؤں گی لیکن شراکت نہیں ۔ NEVER ۔ تھینک گاڈ ۔ یہ حکم نہیں اللہ کی طرف سے محض اجازت ہے۔

آنسو اس کا گلا دبوچے لے رہے تھے مگر وہ بڑے ضبط سے کام لے رہی تھی ۔

" نہ طلاق لوں گی نہ اپنی ذات میں کسی کو شریک کروں گی "۔ وہ بڑے درد سے مسکرائی ۔

"بڑی خدائی باتیں کر رہی ہوں میں ۔ نا ؟ عورت ہوں نا ۔ مرد یہ باتیں کر بھی نہیں سکتا، عورت خالق بھی تو ہوتی ہے نا ۔ ؟ وہ کسی کو جنم دے سکتی ہے اور اسی لئے ایسی باتیں کر بھی سکتی ہے . . .

"مت لیجئے طلاق ۔ مت رہیئے عمران کے ساتھ ۔ لیکن پلیز ۔ تابی ۔ خود پر تو رحم کھائیے ۔ . . . "۔ ایسا لمحہ کہ اب روئے کہ تب روئے ۔

اُس نے اپنے قدم بڑھائے ۔ وہ بڑے پگھلے ہوئے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"میں تو خیر طوفانوں کی زد پہ آیا ہوا ہوں ہی ۔ لیکن آپ . . . .

میں ۔ ایک خزاں رسیدہ پتی کی طرح ویرانوں میں بھٹکتی پھروں گی ۔ ہوائیں جہاں چاہیں اُڑائے جائیں . . . . اُس نے اُن کی بات پوری نہ ہونے دی . . . . .

"تابی۔ ایک درخواست کروں آپ سے"۔۔۔ وہ روئے جیسے ہو رہے تھے۔

"میں بھی ایک درخواست کروں آپ سے۔"؟

اُس نے اپنے چاندی والے ہاتھ ان کے سامنے جوڑ دیئے۔

"واپس چلے جائیے۔ خدارا۔ میری منزل کھوٹی نہ کیجئے۔

اُس نے دیکھا۔ جس کرب کے ساتھ ڈاکٹر رضا ہمدانی نے اسے نگاہوں ہی نگاہوں میں الوداع کہا ہے، وہ تو وہ تھی، پتھر تھی، پتھر بھی ہوتے تو پگھل اٹھتے۔ آنسوؤں کی چادر نے انہیں اس کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔

وہ مڑی۔

"میں کہاں جاؤں"؟ وہ تھکے تھکے قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔

"پھر ناری سُدھار گھر۔"؟

"نہیں۔ ڈاکٹر رضا ہمدانی ڈھونڈتے ہوئے وہاں تک پہنچ جائیں گے۔"!

"مر جاؤں"۔؟؟

"نہیں۔ زندگی کا مقصد اب صرف اس شخص کی یاد ہے جو زندگی میں صرف ایک لمحے کو ملا تھا لیکن اُس یاد کی جگمگاہٹ سے دل کی دنیا آباد ہے۔

عمران کاشف۔ میں تمہیں یاد نہیں کروں گی، تمہاری عبادت کروں گی کیونکہ واقعتاً تم نے مجھے اپنی پہلی اور آخری محبت ہونے کا اعزاز بخشا ہے I HAVE NO DOUBT ABOUT IT

مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے۔ مر جاؤں گی تو ایسے چاہنے والے کی عبادت کیسے کروں گی۔"؟؟

سڑک پر چلتے چلتے وہ پتہ نہیں کتنی دور نکل آئی تھی۔ اس سڑک

پہ دو رویہ چراغ نہیں تھے - اندھیرا - ہیبت ناک، دلناک اندھیرا سائے میں پھیلا ہوا تھا -

"میں - ؟ - میں کہاں جاؤں -" ؟ آنسوؤں کی نمکینی اس کے حلق میں اُتر رہی تھی

اب تو ہر سو گھنے اندھیرے ہیں
ہاتھ پھیلا کے جو یہ کہتے ہیں
آؤ آؤ کہاں چھپی تھیں تم
ہم تمہاری ہی راہ تکتے تھے !

بارشیں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں -

ہلکی ہلکی بوندا باندی تیز بارش میں بدل رہی تھی - بارشیں ختم ہوں گی تو سردیوں کے جان لیوا دن آئیں گے - پھر بہار - پھر خزاں - پھر پت جھڑ - جب بھی پت جھڑ کا ذکر آئے گا - ہم ہی موضوعِ گفتگو ہوں گے - کس کی محفل میں مَیں گفتگو کا عنوان اور موضوع بنوں گی - ؟ ! WHO KNOWS کون جانے ! ؟

پھر موسم بدلیں گے - پھر پروائی چلے گی، ساون کا رم جھم مہینہ پھر سے آئے گا - ساون کا مہینہ تو پیا کا مہینہ ہوتا ہے - وہ اپنے پیا کو یاد تو کر سکے گی ! ہاں مِل نہیں پائے گی - میں نہ سیتا نہ رام تم ساجن - پھر بھی بن باس میں بسر کر دی ---- ! نہیں تم نے نہیں میں نے بسر کی ہے یہ زندگی بن باس میں - سیتا کا بن باس چودہ برسوں کا تھا - میرا ؟ شاید زندگی بھر کا -

اور زندگی کتنی طویل ہے - کسے پتہ - اور میرا ٹھکانہ کہاں ہے لیکن - ؟ کب تک چلتی رہوں ؟ ؟

بارش میں اور تیزی آ گئی تھی - اندھیرے اور گہرے ہو رہے تھے - وہ اندھیروں کی آواز سُن رہی تھی -

آؤ آؤ کہاں چھپی تھیں تم
ہم تمہاری ہی راہ تکتے تھے